خانقاہ امدادیہ اشرفیہ گلشن اقبال کراچی

﴾ ضروری تفصیل ﴿

نامِ کتاب: خزائن الحدیث

(حضرت والا کی تالیفات سے احادیثِ مبارکہ کی الہامی تشریحات کا مجموعہ)

نام مؤلف: عارف باللہ حضرتِ اقدس مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب **دام ظلالھم علینا الی مأة و عشرین سنة**

کمپوزِنگ: مفتی محمد عاصم صاحب مقیم خانقاہ امدادیہ اشرفیہ، گلشن اقبال، کراچی

اشاعتِ اوّل: محرم ۱۴۳۱ھ

تعداد: **۲۲۰۰**

ناشر: کُتب خانہ مَظہَری

گلشن اقبال-۲ کراچی، پوسٹ آفس بکس نمبر ۱۱۱۸۲

فہرست

پیش لفظ

محبی ومحبوبی شیخ العرب والعجم عارف باللہ حضرت اقدس مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب اطال اللہ ظلالہم سے تعلق رکھنے والے اکثر اکابر علماء کا عرصہ سے اصرار تھا کہ حضرت والا نے اپنی تقاریر وتصانیف میں جہاں جہاں قرآن وحدیث کی تفسیر وتشریح کی ہے اور جہاں جہاں الہامی مضامین از قبیل وارداتِ غیبیہ بیان ہوئے ہیں وہ اپنی مثال آپ ہیں، ان کو حضرت کی تصانیف سے منتخب کرکے الگ شائع کردیا جائے تو یہ سینوں میں محبت کی آگ لگانے والا ایک بے مثال علمی خزانہ ہوگا۔ حضرت مولانا یونس پٹیل صاحب نے ساؤتھ افریقہ میں کئی مواقع پر فرمایا کہ کاش حضرت والا کے ان علوم کا مجموعہ الگ شائع ہوجائے تو قیامت تک اُمتِ مسلمہ کی ہدایت واصلاح اور اللہ تعالیٰ کی اشد محبت کے حصول کا بے مثل ذخیرہ ہوگا اور یہ الہامی علوم ایسے ہیں جو کتابوں میں نہیں ملتے۔

اس سلسلہ میں کئی علماء حضرات نے کوششیں بھی کیں لیکن تکمیل کو نہ پہنچ سکیں لیکن یہ سعادت لاہور کے جناب عامر نذیر صاحب زید مجدھم کی قسمت میں تھی جنہوں نے بڑی محنت وجاں فشانی سے اس کام کو انجام دیا اور حضرت والا کی جملہ تصنیفات سے قرآن وحدیث کے علوم جمع کیے اور کمپیوٹر سے ٹائپ کرا کے لاہور سے کراچی بھیجے جو خزائن القرآن اور خزائن الحدیث کے نام سے ان شاء اللہ عنقریب شائع ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ ان کی اس عظیم الشان خدمت کو قبول فرمائے اور صدقۂ جاریہ بنائے۔

پیشِ نظر مجموعہ خزائن الحدیث آج طباعت کے لیے دیا جارہا ہے، اللہ تعالیٰ قبول فرمائیں، آمین۔

العارض

احقر سید عشرت جمیل میر عفا اللہ تعالیٰ عنہ

خادمِ خاص حضرت والا دامت برکاتہم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خزائن الحدیث

حدیث نمبر ۱

﴿اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ﴾

(صحیح البخاری، کتاب بدء الوحی، باب کیف بدء الوحی، ج: ۱)

ارشاد فرمایا کہ بخاری شریف کی پہلی حدیث ہے اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ میرے شیخ حضرت مولانا شاہ عبدالغنی صاحب پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ نیت نوات سے ہے جس کے معنی ہیں گٹھلی۔ کہتے ہیں اَکَلْتُ التَّمْرَةَ وَ لَفَظْتُ النَّوَاةَ میں نے کھجور کو کھالیا اور گٹھلی پھینک دی۔ فرماتے تھے کہ جیسی گٹھلی ہوگی ویسا ہی درخت ہوگا۔ اگر گٹھلی اچھی ہے تو درخت بھی اچھا ہوگا اور اگر گٹھلی خراب ہوگی تو درخت بھی خراب ہوگا۔ پس جیسی نیت ہوگی ویسے ہی اس کا ثمرہ ہوگا، اچھی نیت ہوگی تو ثمرہ بھی اچھا ہوگا۔ اب کوئی نیم لگا کر امید رکھے کہ اس میں آم آجائیں تو یہ بے وقوفی ہے۔

حضرت فرماتے تھے کہ حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے پہلی حدیث کے راوی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لیا اور آخری حدیث کے راوی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لیا۔ اس میں راز یہ ہے کہ صحابہ میں سب سے پہلے جس کو امیر المومنین کا لقب دیا گیا وہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں اور حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ امیر المومنین فی الحدیث ہیں لیکن ہر طالبِ علم خلیفہ نہیں ہوسکتا لہٰذا آخری حدیث کے راوی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو لیا تاکہ طلباء پڑھنے پڑھانے کا ذوق رکھیں اور ان کے مزاج میں درویشی غالب رہے۔ (خزائن شریعت وطریقت، ص:۴۶۴)

حدیث نمبر ۲

﴿اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ وَسَاوِسَ قَلْبِیْ خَشْیَتَکَ وَ ذِکْرَکَ﴾

ترجمہ: اے اللہ! میرے دل کے وساوس کو اپنی خشیت اور ذکر سے تبدیل فرما دیجئے۔

ذکر پر خشیت کی تقدیم کا راز

اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ وَسَاوِسَ قَلْبِیْ خَشْیَتَکَ وَ ذِکْرَکَ میں خشیت کو پہلے کیوں بیان فرمایا؟

تا کہ خشیت غالب رہے کیونکہ محبت جب خوف پر غالب ہوجاتی ہے تو بدعت ہوجاتی ہے۔ خشیت محبت کو حدودِ شریعت کا پابند رکھتی ہے۔ میرے شیخ شاہ عبدالغنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا کہ وَ اَمَّا مَنۡ جَآءَ کَ یَسۡعٰی میں صحابی کا دوڑ کر آنا بوجہ محبت کے تھا وَھُوَ یَخۡشٰی اور وہ ڈر بھی رہے تھے، یہ حال ہے اور حال ذوالحال کے لیے قید ہوتا ہے یعنی ان کی محبت خشیت کی پابند تھی۔ معلوم ہوا کہ جب محبت خشیت کی حدود کو توڑتی ہے تو بدعت ہوجاتی ہے۔

اور خشیت کا تضاد تو محبت تھی لیکن حدیثِ پاک میں محبت کے بجائے ذکر کیوں فرمایا؟ اس لیے کہ ذکر سببِ محبت اور حاصلِ محبت ہے۔ جو ذکر کرے گا اس سے معلوم ہوگا کہ اس کو محبت حاصل ہے ورنہ جو محبت، محبت تو کر رہا ہے لیکن اللہ کا ذکر نہیں کرتا وہ محبت میں صادق نہیں۔ لہٰذا یہاں ذکر کی قید سے منافقین نکل گئے۔ جو صادق فی المحبت نہیں وہ ذاکر نہیں ہوسکتا۔ (فیوضِ ربانی، صفحہ:۱)

حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب وسوسوں اور خیالات کا ہجوم ہو تو کہو واہ کیا شان ہے اے اللہ آپ کی کہ ڈیڑھ چھٹانک کے دِل میں آپ نے خیالات کا سمندر بھر دیا کیماڑی کا سمندر بھی بھرا ہوا ہے کلفٹن بھی ہے اور کشمیر کی پہاڑیاں بھی گھسی ہوئی ہیں سارا عالم ایک ذرا سے دل میں سمایا ہوا ہے ایک چھوٹی سی چیز میں خیالات کا سمندر چلا آرہا ہے تو فرمایا کہ یہ خیالات کا ہجوم جو شیطان نے ڈالا تھا اللہ سے دور کرنے کو اس شخص نے بزرگوں کی تعلیمات کی برکت سے اس کو ذریعۂ معرفت اور ذریعۂ قرب بنالیا تو پھر شیطان ہاتھ ملتا ہے اور افسوس کرتا ہوا بھاگتا ہے کہ اس نے تو میرے وساوس کو بھی معرفت بنالیا۔ اس طرح وسوسوں کو ذریعہ معرفت بنالیجئے اور یہ بات حدیث سے ثابت ہے سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

﴿اَللّٰھُمَّ اجۡعَلۡ وَسَاوِسَ قَلۡبِیۡ خَشۡیَتَکَ وَذِکۡرَکَ﴾

اے اللہ! میرے دل کے خیالات کو اپنا خوف اور اپنی یاد بنادے۔ اور دوسری ایک حدیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے، مشکوٰۃ کی روایت ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

﴿اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ الَّذِیۡ رَدَّ اَمۡرَہٗ اِلَی الۡوَسۡوَسَۃِ﴾

(مشکٰوۃ المصابیح، باب فی الوسوسۃ، ص: ۱۹)

شکر ہے اس اللہ کا جس نے شیطان کے معاملہ کو اس کے مکر و کید کو صرف وسوسہ تک محدود کردیا اس سے زیادہ اس کو طاقت نہیں دی ورنہ مان لیجئے یہاں جو لوگ بیٹھے ہوئے دین کی بات سن رہے ہیں اگر شیطان آتا اور سب کو اُٹھا اُٹھا کر سینما ہاؤس میں لے جاکر بیٹھا دیتا تو بڑی مشکل میں جان پھنس جاتی، لوگ کہتے کہ بھائی ہم تو گئے تھے خانقاہ میں اللہ کی بات سننے مگر وہاں شیاطین کا ایک لشکر آیا اور سب کو اُٹھا اُٹھا کر وی سی آر اور

سینما ہاؤس میں بیٹھا دیا۔ شیطان کو اگر یہ طاقت ہوتی تو بتایئے ہم کتنی مشکل میں پھنس جاتے اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شکرادا کرو کہو اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ رَدَّ اَمْرَہٗ اِلَی الْوَسْوَسَۃِ۔ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ مبارک ہیں۔ عربی میں یادر ہے تو سبحان اللہ ورنہ اردو ہی میں کہہ لیجئے کہ شکر ہے اس اللہ کا جس نے شیطان کے کید کو، اس کی طاقت کو صرف خیالات اور وسوسہ ڈالنے تک محدود کر دیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شکر سکھایا اور شکر سے اللہ کا قرب ملتا ہے پس وسوسہ کو ذریعہ قرب و معرفت بنا دیا کہ شکر ہے کہ شیطان صرف خیالات اور وسوسہ ڈال سکتا ہے تم کو عمل پر مجبور نہیں کر سکتا۔ گندا تقاضا دل میں پیدا ہوا آپ اس پر عمل نہ کیجئے بالکل آپ کا تقویٰ قائم ہے اس کی مثال ایسی ہے کہ کسی کا روزہ ہے، جون کا مہینہ ہے، شدید پیاس لگ رہی ہے بار بار دل چاہتا ہے کہ پانی پی لوں مگر پیتا نہیں بتایئے روزہ اس کا ہے یا نہیں۔ کیا پانی پینے کے وسوسوں سے اس کا روزہ ٹوٹ گیا؟ پانی پینے کے لاکھ تقاضے ہوتے رہیں جب تک پیئے گا نہیں روزہ اس کا قائم ہے۔ بلکہ اس کو ڈبل اجرمل رہا ہے تقاضہ کی وجہ سے، پیاس کی وجہ سے اسی طرح گناہ کے لاکھ وسوسے آئیں جب تک گناہ نہیں کرے گا یہ شخص بالکل متقی ہے وسوسہ سے تقویٰ میں ہرگز کوئی نقصان نہیں آئے گا سبحان اللہ! یہ ہمارے باپ داداؤں کے علوم ہیں اُولٰٓئِکَ اٰبَآئِیْ فَجِئْنِیْ بِمِثْلِھِمْ لہٰذا گناہوں کے تقاضوں پر آپ بس عمل نہ کریں لاکھ تقاضے ہوں تو آپ کا تقویٰ بالکل ٹھیک ہے دیکھئے اس وقت بھی سب کے پیٹ میں کچھ نہ کچھ پاخانہ ہوگا۔ ابھی ایکسرے کرا لیجئے تو نظر بھی آ جائے گا لیکن جب تک گندگی باہر نہ نکلے آپ کا وضو ہے اس طرح دل میں گندے خیالات آئیں اس میں مشغولی نہ ہو اس پر عمل نہ ہو بس آپ کا تقویٰ قائم ہے۔ دین کتنا آسان ہے ؎

جو آسان کر لو تو ہے عشق آساں
جو دشوار کر لو تو دشواریاں ہیں

دین تو بہت آسان ہے ہم خود اس کو دشوار کرتے ہیں، میں عرض کرتا ہوں کہ جس شخص نے بھی شیطان کے وسوسوں کا جواب دیا پاگل ہو گیا ایک وسوسہ کا جواب دیا اس نے دوسرا پیش کر دیا اب رات بھر بیٹھے ہوئے وسوسوں کا جواب دے رہے ہیں۔ بتایئے کیا ہوگا دماغ خراب ہوگا یا نہیں، آسان طریقہ یہ ہے کہ اس کو جواب ہی مت دیجئے بس یہی کہیے کہ اللہ تیرا شکر ہے کہ تو نے اس کا اختیار وسوسہ ڈالنے تک ہی رکھا اور بزرگوں کے پاس آیئے جایئے ان کی صحبتوں کی برکت سے اللہ تعالیٰ ابلیس کے تمام مکر و کید کو ختم کر دیتا ہے کیونکہ اہل اللہ اسمِ ہادی کے مظہر ہیں، اسمِ ہادی کی تجلی ان پر ہوتی ہے ان کے پاس بیٹھنے والوں پر بھی وہ تجلی پڑ جاتی ہے جس سے ان کو ہدایت ہو جاتی ہے اور ابلیس اللہ تعالیٰ کے اسم مضل کا مظہر ہے گمراہ کرنے کی

طاقت کا ظہور اس پر ہوتا ہے لہٰذا گمراہ لوگوں سے بھاگیے اور اللہ کے خاص بندوں کی صحبت میں رہیے جو بزرگانِ دین کے صحبت یافتہ ہیں، اسم مضل کے مقابلہ میں اسم ہادی کے سائے میں آجائیے جس شخص کو دیکھو کہ اس نے بزرگوں کی صحبت نہیں اٹھائی چاہے مطالعہ اس کا بہت وسیع ہو ہرگز اس کی صحبت میں نہ بیٹھئے۔ یہ بات میں نہایت اخلاص کے ساتھ کہتا ہوں کسی تعصب سے نہیں۔

مثال کے طور پر جیسے مفتی شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر لکھی ہے معارف القرآن ایسے صحبت یافتہ بزرگوں کی تفسیر اور کتابیں دیکھئے ورنہ اگر کسی غیر تربیت یافتہ خودساختہ مفسر کی تفسیر یا تصنیف دیکھی تو بس پھر سمجھ لو کہ خطرہ میں پڑ جاؤ گے ایمان ہی کے لالے پڑ جائیں گے کبھی انبیاء علیہم السلام پر اس کا گستاخ قلم اُٹھ جائے گا کبھی صحابہ پر۔ ایسی نئی چیزیں نکال دے گا کہ قرآن کو، دین کو، جو میں نے سمجھا ہے کسی نے سمجھا ہی نہیں، بیک قلم سب کی تنقیص کر دے گا ایسے صاحب قلم قابل سر قلم ہیں اس لیے ہمارے بزرگوں نے یہ خاص نصیحت کی ہے کہ جب تک یہ معلوم نہ کرلو کہ یہ شخص کس شخص کا صحبت یافتہ ہے ہرگز اس کی صحبت میں مت بیٹھو، نہ اس کی تصانیف پڑھو چاہے وہ بظاہر بیعت بھی کرتا ہو اس سے پوچھو کہ اس نے بھی کسی سے بیعت کی ہے یا نہیں۔ مسلم شریف میں حضرت ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ کا قول منقول ہے فرماتے ہیں:

﴿اِنَّ هٰذَا الْعِلْمَ دِيْنٌ فَانْظُرُوْا عَمَّنْ تَأْخُذُوْنَ دِيْنَكُمْ﴾

(صحيح مسلم، ج: ا، ص: ١١)

یہ علم دین ہے پس خوب دیکھ لو تحقیق کرلو کہ تم کس شخص سے دین حاصل کر رہے ہو۔ ہمارے بزرگوں نے ہمیشہ اس بات کا خیال رکھا ہے کہ جس سے دین سیکھ رہے ہیں اس نے کس سے سیکھا ہے حضرت عبداللہ ابن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے اَلْاِسْنَادُ مِنَ الدِّيْنِ اسناد کی دین میں خاص اہمیت ہے میرے شیخ حضرت شاہ عبدالغنی صاحب پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ میں نے مثنوی حضرت حکیم الامت مجدد الملت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھی اور انہوں نے حضرت حاجی صاحب سے پڑھی اور الحمدللہ میں نے شاہ عبدالغنی صاحب سے پڑھی۔ دیکھئے سند دیکھنی پڑتی ہے یا نہیں اس سے اعتماد پیدا ہوتا ہے کہ ان کے استاد فلاں اُن کے استاد فلاں اور اگر کسی سے نہیں سیکھا محض ذاتی مطالعہ سے حاصل کیا ہے تو پھر وہ ایسے ہی ترجمہ کرے گا جیسے کسی نے کتاب میں دیکھا کہ نماز ہلکے پڑھو لہٰذا وہ پوری نماز میں ہل رہا تھا حالانکہ لکھا تھا کہ نماز ہلکی پڑھو پہلے زمانہ میں ی کو لمبا کھینچ کر "ے" لکھ دیتے تھے تو اس نے ہلکی کو پڑھا ہلکے اب جناب نماز میں ہل رہے ہیں کسی کو استاد بنایا نہیں تھا کہ پوچھ لیتا۔ کتاب دیکھ کر دین سیکھنے والوں اور دین سکھانے والوں کا یہی حال ہوتا ہے کہ خود بھی ہلیں گے آپ کو بھی ہلا دیں گے۔ (بدگمانی اور اس کا علاج صفحہ ۵۔۱۳)

حدیث نمبر ۳

﴿وَجَبَتْ مَحَبَّتِیْ لِلْمُتَحَابِّیْنَ فِیَّ وَالْمُتَجَالِسِیْنَ فِیَّ وَالْمُتَزَاوِرِیْنَ فِیَّ وَالْمُتَبَاذِلِیْنَ فِیَّ﴾

(مؤطا مالک، کتابُ الجامع، باب ماجآء فی المتحابین فی اللہ، ص: ۷۲۳)

ترجمہ: میری محبت ان لوگوں کے لیے واجب ہوجاتی ہے جو میری وجہ سے آپس میں محبت کرتے ہیں اور میری محبت میں آپس میں مل بیٹھتے ہیں اور میرے لیے آپس میں ایک دوسرے کی زیارت کرتے ہیں اور میری وجہ سے ایک دوسرے پر خرچ کرتے ہیں۔

یہ اللہ والی محبت اتنی بڑی نعمت ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں وَجَبَتْ مَحَبَّتِیْ لِلْمُتَحَابِّیْنَ فِیَّ جو لوگ میری وجہ سے آپس میں محبت کرتے ہیں میری محبت ان کے لیے واجب ہوجاتی ہے یعنی احساناً اپنے ذمہ واجب کرلیتا ہوں۔ میں ان سے محبت کرنے لگتا ہوں جس کی برکت سے وہ مجھ سے محبت کرنے لگتے ہیں۔ پھر فرماتے ہیں کہ مگر صرف قلبی محبت پر اکتفا نہ کرو جسم کو بھی اللہ والوں کے پاس لے جاؤ کیونکہ قلب چل نہیں سکتا قالب کے ذریعہ جائے گا لہٰذا فرمایا وَالْمُتَجَالِسِیْنَ فِیَّ اپنے قلب کو قالب کی سواری پر لے جاؤ اور اللہ والوں کے پاس جا کر بیٹھو اس کے بعد وَالْمُتَزَاوِرِیْنَ فِیَّ فرمایا اور ایک دوسرے کی زیارت کرتے رہو، وہیں نہ رہ جاؤ کہ بال بچوں کو اور ذریعۂ معاش وتجارت کو چھوڑ دو اور اس کے بعد وَالْمُتَبَاذِلِیْنَ فِیَّ ہے کہ یہ بندے ایک دوسرے پر خرچ کرتے ہیں۔ یہ نہیں کہ جان لے لینا لیکن مال کی بات نہ کرنا۔ گر جاں طلبی مضایقہ نیست ور زر طلبی سخن درین ست۔ لہٰذا ایک دوسرے پر خرچ بھی کرو۔ صوفیاء کو اللہ نے یہ نعمت بھی عطا فرمائی ہے کہ ایک دوسرے پر خرچ بھی کرتے ہیں۔ (فیوضِ ربانی، صفحہ: ۱۰)

صحبتِ اہل اللہ کے عبادت سے افضل ہونے کی وجہ

حضرت حکیم الامت نے مفتی شفیع صاحب سے فرمایا کہ ایک شاعر نے جو کہا ہے کہ اہل اللہ کی صحبت سو سال کی اخلاص والی عبادت سے بہتر ہے یہ اس نے کم کہا ہے، اللہ والوں کی صحبت ایک لاکھ سال کی عبادت سے بہتر ہے۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ وجہ یہ ہے کہ اللہ والوں کی صحبت سے اللہ ملتا ہے اور کثرتِ عبادت سے ثواب ملتا ہے۔ اور اہل اللہ کی صحبت کے عبادت سے افضل ہونے کی دلیل بخاری شریف کی یہ حدیث ہے کہ مَنْ اَحَبَّ عَبْدًا لَا یُحِبُّہٗ اِلَّا لِلّٰہِ کہ جو کسی سے صرف اللہ کے لیے محبت کرے تو اس کو اللہ تعالیٰ حلاوتِ ایمانی عطا فرمائیں گے اور حلاوتِ ایمانی جس کو نصیب ہوگی اس کا خاتمہ ایمان پر ہونے کی بشارت ہے۔ دیکھئے اس محبت للّٰہی پر کسی ثواب کا وعدہ نہیں فرمایا گیا بلکہ حلاوتِ ایمانی عطا فرمائی کہ ہم اسے

مل جائیں گے۔ (فیوضِ ربانی، صفحہ:۵۳)

صحبت شیخ سے کیا ملتا ہے؟

بنگلہ دیش میں ایک عالم نے مجھ سے سوال کیا کہ ماں باپ کو رحمت کی نظر سے دیکھنے سے ایک حج مقبول کا ثواب ملتا ہے تو اپنے شیخ کو دیکھنے سے کیا ملتا ہے؟ میرے قلب کو فوراً اللہ تعالیٰ نے یہ جواب عطا فرمایا کہ ماں باپ کو دیکھنے سے کعبہ ملتا ہے اور مرشد کو دیکھنے سے کعبہ والا ملتا ہے، رب الکعبۃ ملتا ہے کیونکہ حدیث شریف میں ہے:

﴿اِذَا رُأُوْا ذُکِرَ اللّٰہُ﴾

(مسند احمد، مسند الشامین)

اللہ والوں کی پہچان یہی ہے کہ ان کو دیکھنے سے اللہ یاد آتا ہے۔ ان کی صحبت سے اصلاح ہوتی ہے۔ اصلاح کے لیے انسان چاہیے اسی لیے پیغمبر بھیجے جاتے ہیں۔ اگر کعبہ شریف میں اصلاح کی شان ہوتی تو تین سو ساٹھ بت کعبہ کے اندر رکھے ہوئے نہ ہوتے۔ نبی اور پیغمبر اصلاح کرتا ہے پھر کعبہ شریف کی تجلیات نظر آتی ہیں ورنہ کفر کے موتیا سے جس کے دل کی آنکھیں اندھی ہیں وہ کعبہ کے انوار کیا دیکھے گا۔ (فیوضِ ربانی، صفحہ:۵۴)

حدیث نمبر۴

﴿اَللّٰھُمَّ اِنَّکَ عَفُوٌّ کَرِیْمٌ تُحِبُّ الْعَفُوَ فَاعْفُ عَنِّیْ﴾

(سننُ الترمذی، کتابُ الدعوات، ج:۲، ص:۱۹۱)

بعض کتبِ احادیث میں عفو کے بعد کریم کا اضافہ ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اے اللہ آپ بہت معافی دینے والے ہیں۔ ملا علی قاری نے عفو کی شرح کی ہے کثیر العفو یعنی جو بہت زیادہ معاف کرنے والا ہو اور رحمۃ للعالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارحم الراحمین کے دریائے رحمت میں جوش دِلانے کے لیے کریم کا اضافہ فرمایا تاکہ میری امت کے نالائقوں، نااہلوں، گنہگاروں اور خطا کاروں کی بھی معافی ہوجائے اور امت کا کوئی فرد ایسا نہ رہے جس کو معاف نہ کردیا جائے کیونکہ کریم وہ ہے جو اپنے کرم سے نالائقوں کو بھی محروم نہ کرے اور ناقابلِ معافی کو معاف فرمادے۔ (درسِ مثنوی، ص:۱۰٦-۱۰۵)

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے شبِ قدر میں پڑھنے کے لیے یہ دعا سکھائی:

﴿اَللّٰھُمَّ اِنَّکَ عَفُوٌّ کَرِیْمٌ تُحِبُّ الْعَفُوَ فَاعْفُ عَنِّیْ﴾

آپ نے پہلے اللہ تعالیٰ کی ثناء وتعریف فرمائی کیونکہ ثَنَاءُ الْکَرِیْمِ دُعَاءٌ کریم کی تعریف کرنا اس سے مانگنا ہے اور جو چیز کریم سے لینی ہوتی ہے اسی صفت کی تعریف کرتے ہیں۔ چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اُمت

کو معافی دلوانی تھی اس لیے اللہ تعالیٰ کی صفتِ عفو کا واسطہ دیا اَللّٰھُمَّ اِنَّکَ عَفُوٌّ کَرِیْمٌ اَیْ اِنَّکَ اَنْتَ کَثِیْرُ الْعَفْوِ اے اللہ! آپ بہت معاف کرنے والے ہیں اور کریم کیوں فرمایا؟ تاکہ اُمت کے گنہگار بندے بھی محروم نہ رہیں کیونکہ کریم کے معنیٰ ہیں اَلَّذِیْ یُعْطِیْ بِدُوْنِ الْاِسْتِحْقَاقِ وَالْمِنَّۃِ کریم وہ ہے جو نالائقوں پر بھی فضل فرمادے اگرچہ استحقاق نہ بنتا ہو تو کریم فرما کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے گنہگاروں کو مایوسی سے بچالیا کہ تم مانگو، تمہارا پالا کریم مالک سے ہے جو بدونِ استحقاق اپنے نالائقوں کو بھی عطا فرماتا ہے۔ تُحِبُّ الْعَفْوَ کی شرح ہے کہ اَنْتَ تُحِبُّ ظُھُوْرَ صِفَۃِ الْعَفْوِ عَلٰی عِبَادِکَ اپنے بندوں کو معاف کرنا یہ عمل آپ کو بہت محبوب ہے فَاعْفُ عَنِّیْ پس ہم کو معاف کردیجئے، اپنا محبوب عمل ہم گنہگاروں پر جاری فرما کر ہمارا بیڑا پار کردیجئے۔

کعبہ شریف میں جا کر یہ دعا مانگنے کا بہترین موقع ہے کہ اے اللہ! ہم اپنے اپنے ملکوں سے آئے ہیں آپ کو کریم جان کر۔ ہر آدمی جب بادشاہ کے پاس جاتا ہے تو کوئی تحفہ لے کر جاتا ہے۔ اپنے اپنے ملکوں سے، آپ کے پاس ہم اپنے گناہوں پر ندامت اور توبہ واستغفار اور طلب معافی کی درخواست کا تحفہ لائے ہیں تاکہ آپ ہم کو معاف کرکے اپنی صفتِ عفو کا ہم پر ظہور فرما کر اپنا محبوب عمل ہم پر جاری فرمادیں کیونکہ ہم نالائقوں کے پاس آپ کے لائق اس سے بہتر کوئی تحفہ نہیں مگر یہ تحفہ ہم نے آپ کے رسول سرورِ عالم سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم سے سیکھا جن سے زیادہ آپ کا کوئی مزاج شناس نہیں۔ (فیوضِ ربانی، صفحہ ۸۲۔۸۳)

کریم کے چار معانی

محدثین نے کریم کے چار معانی بیان کیے ہیں:

۱۔ اَلَّذِیْ یَتَفَضَّلُ عَلَیْنَا بِدُوْنِ الْاِ سْتِحْقَاقِ وَالْمِنَّۃِ کریم وہ ہے جو اپنے کرم سے نالائقوں کو بھی محروم نہ کرے، جس کا حق نہ بنتا ہو اس کو بھی عطا فرمادے، (درسِ مثنوی، ص: ۱۰۶) جو ہم پر بغیر اہلیت کے، باوجود ہماری نالائقی کے مہربانی کردے جیسے ایک بادشاہ نے اپنے خادم سے کہا کہ رمضانی مگساں می آیند۔ رمضانی میرے پاس مکھیاں آرہی ہیں۔ اس نے جواب دیا کہ حضور ناکساں پیش کساں می آیند۔ حضور نالائق لائق کے پاس آرہی ہیں۔ پس کریم حقیقی تو ہمارا اللہ ہے کہ بُرے اعمال سے ہمارا ظاہر بھی گندا اور ہمارا باطن بھی گندا کہ اندر پیشاب پاخانہ بھرا ہوا ہے لیکن ہم جیسے نالائقوں کو بھی اپنے پاس آنے سے منع نہیں کرتے بلکہ حکم دے دیا کہ وضو کرلو اور میرے حضور میں آجاؤ۔ اسی طرح باوجود ہماری باطنی گندگی یعنی گناہوں میں ملوث ہونے کے ہر سانس اور ہر لمحہ ہم پر انعامات کی بارش ہورہی ہے۔ (فغانِ رومی، ص: ۲۹۸)

۲۔ اَلَّذِیْ یَتَفَضَّلُ عَلَیْنَا فَوْقَ مَا نَتَمَنّٰی بِہٖ یعنی ہماری تمناؤں سے زیادہ ہم پر رحم کرنے والا

کہ ہم اگر ایک بوتل شہد مانگیں تو وہ ڈھائی من کا مشک دے دے، (نغانِ رومی، ص:۲۹۸) جو ہماری تمناؤں سے زیادہ دے دے جیسے ایک کریم سے کسی نے ایک بوتل شہد مانگا اس نے ایک مشک دے دیا۔ کسی نے کہا کہ اس نے تو ایک بوتل مانگا تھا آپ نے پوری مشک کیوں دی۔ کہا کہ اس نے مانگا اپنے ظرف کے مطابق، میں نے دیا اپنے ظرف کے مطابق۔ جب دنیاوی کریموں کا یہ حال ہے جن کو کرم کی ایک ذرّہ بھیک مل گئی ہے تو اس کریمِ حقیقی کے کرم کا کیا ٹھکانہ ہے ؎

میرے کریم سے گر قطرہ کسی نے مانگا

دریا بہا دیئے ہیں دُر بے بہا دیئے ہیں

۳۔**اَلَّذِیْ لَا یَخَافُ نَفَادَ مَا عِنْدَہٗ** کریم وہ ہے جو ہمیں بے انتہا عطا فرمادے اور اپنے خزانوں کے ختم ہونے کا جسے اندیشہ نہ ہو کیونکہ غیر محدود خزانوں کا مالک ہے اور اپنے خزانوں سے بے نیاز ہے، ہمارے لیے ہی وہ خزانے ہیں۔ (درسِ مثنوی، ص:۱۰۷)

۴۔**اَلْمُتَفَضِّلُ عَلَیْنَا بِدُوْنِ مَسْئَلَۃٍ وَّلَا سُوَالٍ** جو بغیر سوال، بغیر مانگے ہوئے ہم پر مہربانی کر دے۔ بے شمار نعمتیں ایسی ہیں جو اللہ تعالیٰ نے بغیر مانگے عطا فرمائی ہیں جیسے ہمارا ایمان محض حق تعالیٰ کا کرم ہے اس میں ہماری کسی محنت کا دخل نہیں، عالمِ ارواح میں ہم بے زبان تھے، ہم نے سوال نہیں کیا تھا کہ اے اللہ ہمیں مسلمان کے گھر میں پیدا کیجئے لیکن بدونِ طلب اور بدونِ سوال مسلمان کے گھر میں پیدا کر کے ایمان عطا فرمادیا اور مفت میں جنت کا ٹکٹ دے دیا۔ اسی طرح ہر لمحہ بے شمار افضال وعنایات بدونِ سوال عطا فرماتے ہیں۔ (درسِ مثنوی، ص:۱۰۶)

تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اے اللہ! آپ بہت معافی دینے والے ہیں اور کریم بھی ہیں کہ نالائقوں کو اور ناقابلِ معافی کو معاف فرما دیتے ہیں **تُحِبُّ الْعَفْوَ** اور صرف معاف ہی نہیں فرماتے بلکہ اپنے بندوں کو معاف کرنا آپ کو نہایت محبوب ہے **اَیْ اَنْتَ تُحِبُّ ظُھُوْرَ صِفَۃِ الْعَفْوِ عَلٰی عِبَادِکَ**۔ **تُحِبُّ الْعَفْوَ** کی یہ شرح ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے کیا عمدہ فرمائی کہ اپنے بندوں پر اپنی مغفرت کی صفت ظاہر کرنا آپ کو نہایت محبوب ہے یعنی اپنے گنہگار بندوں کو معاف کرنے کا عمل آپ کو نہایت پیارا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ اللہ تعالیٰ کے مزاجِ الوہیت اور مزاجِ ربوبیت کو کون پہچان سکتا ہے لہٰذا اپنی امت کو معافی دلانے کے لیے آپ کس کس عنوان سے حق تعالیٰ کی ثنا فرما رہے ہیں کیونکہ **ثَنَاءُ الْکَرِیْمِ دُعَاءٌ** کریم کی تعریف کرنا اس سے مانگنا ہے جیسے کسی کریم سے کہا جائے کہ آپ کسی کو محروم نہیں کرتے تو اس کے معنی ہیں کہ ہمیں بھی عطا فرمادیں کیونکہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ

سے اُمت کو معافی دلوانی تھی اس لیے آپ نے حق تعالیٰ کی صفتِ عفو کا واسطہ دیا کہ اے اللہ آپ بہت معاف کرنے والے ہیں اور معاف کرنے کے عمل کو آپ خود محبوب رکھتے ہیں لہٰذا معاف کرنے کے عمل کو جاری کرنے کے لیے کوئی سبب، کوئی تحفہ تو ہونا چاہیے، لوگ بادشاہوں کے پاس جاتے ہیں تو شاہوں کے مزاج کے موافق تحائف لے کر جاتے ہیں۔ آپ تو بادشاہوں کے بادشاہ ہیں، سلطان السلاطین ہیں ہم آپ کے مزاج کو کیسے پہچان سکتے تھے کہ ہم حادث آپ قدیم، ہم فانی آپ لافانی، یہ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا احسان ہے کہ ہم کو بتا دیا کہ اللہ تعالیٰ کا محبوب عمل ہم پر جاری ہونے کا راستہ توبہ وندامت ہے لہٰذا ہم گنہگار اپنے گناہوں پر ندامت اور توبہ کی گٹھڑی کا تحفہ لے کر آپ کے پاس حاضر ہوئے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سکھائی ہوئی درخواست کرتے ہیں کہ **فَاعْفُ عَنِّیْ** ہم گنہگاروں کو معاف فرما کر اپنا محبوب عمل ہم پر جاری کر دیجئے۔ آپ کا محبوب عمل ہو جائے گا اور ہمارا بیڑا پار ہو جائے گا لہٰذا سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فاء تعقیبیہ لگا دی کہ اے اللہ معاف کرنے میں دیر نہ کیجئے، جلد معاف کر دیجئے کیونکہ معاف کرنا آپ کو خود محبوب ہے۔ (درسِ مثنوی مولانا روم، صفحہ: ۱۰۸)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ سے عرض کرتے ہیں کہ اے اللہ آپ بہت زیادہ معاف کرنے والے ہیں، کثیر العفو ہیں، نالائقوں کو اور نا قابلِ معافی مجرموں اور خطا کاروں کو آپ صرف معاف ہی نہیں فرماتے بلکہ آپ کی ایک صفت اور بھی ہے کہ **تُحِبُّ الْعَفْوَ** بندوں کو معاف کرنا آپ کو نہایت محبوب ہے **اَیْ اَنْتَ تُحِبُّ ظُھُوْرَ صِفَةِ الْعَفْوِ عَلٰی عِبَادِکَ** اپنے گنہگار بندوں پر اپنی صفتِ عفو کا ظاہر کرنا آپ کو نہایت محبوب ہے یعنی اپنے گنہگاروں کو بخشنے کے عمل سے خود آپ کو پیار ہے۔ ہم جب اپنے کسی ستانے والے کو معاف کرتے ہیں تو بوجہ بشریت کے ہم کو مزہ نہیں آتا لیکن اللہ تعالیٰ کی شانِ الوہیت اور شانِ ربوبیت اور اللہ تعالیٰ کے مزاجِ عظیم الشان کا عارف حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بڑھ کر کوئی نہیں کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے سب سے زیادہ محبوب اور مقرب ہیں کہ آپ کے صدقہ میں یہ کائنات پیدا کی گئی۔ جیسا کہ حدیثِ قدسی میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں **لَوْلَاکَ لَمَا خَلَقْتُ السَّمٰوٰاتِ وَالْاَرْضِیْنَ** اے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم اگر آپ کو میں پیدا نہ کرتا تو زمین و آسمان کو ہی پیدا نہ کرتا۔ صاحبِ قصیدہ بردہ کا کیا پیارا شعر ہے ؎

فَکَیْفَ تَدْعُوْ اِلَی الدُّنْیَا ضَرُوْرَةُ مَنْ
لَوْلَاہُ لَمْ تَخْرُجِ الدُّنْیَا مِنَ الْعَدَمِ

دنیوی ضرورت آپ کو دنیا کی طرف کیسے بلا سکتی ہے جبکہ اگر آپ نہ ہوتے تو دنیا خود عدم سے وجود میں نہ

آتی۔ دنیا اپنے وجود میں آپ کی محتاج تھی تو آپ کیسے دنیا کے محتاج ہوسکتے ہیں۔لہٰذا اللہ تعالیٰ کے مزاجِ مبارک وعالیشان کے سب سے بڑے مزاج شناس سرورِعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں اس لیے آپ امت کو آگاہ فرمارہے ہیں کہ تمہارے رب کا مزاجِ عظیم الشان یہ ہے کہ اپنے بندوں کو معاف کرنا ان کو بہت زیادہ محبوب ہے لہٰذا کہو فَاعْفُ عَنِّیْ ہم کو معاف فرما دیجئے اور کیونکہ معاف کرنا آپ کو محبوب ہے لہٰذا آپ کے اس عمل کے لیے کوئی معمول، کوئی سبب، کوئی میدان، نزولِ رحمت کے لیے کوئی بہانہ تو ہونا چاہیے لہٰذا ہم نالائق اپنے گناہوں پر ندامت و استغفار اور توبہ کی گٹھڑی لے کر حاضر ہوگئے ہیں اور فَاعْفُ عَنِّیْ کی درخواست کررہے ہیں کہ معاف کرنے کا محبوب عمل ہم پر جاری کردیجئے اور لوگ جب دور دراز سے بادشاہوں کے پاس آتے ہیں تو ان کے مزاج کے موافق قیمتی ہدایا وتحائف لے کر آتے ہیں لیکن ہم تو ایسے بے مایہ وتہی دامن ہیں کہ ندامت کے چند آنسوؤں کے سوا ہمارے پاس کچھ بھی نہیں ہے ؎

چند آنسو کے سوا کچھ مرے دامن میں نہیں
لوگ حیرت سے مرا زادِ سفر دیکھیں گے

لیکن آپ کے نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں مایوس نہیں ہونے دیا اور حدیثِ قدسی میں ہمیں خبر دے دی کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿لَاَ نِیْنُ الْمُذْنِبِیْنَ اَحَبُّ اِلَیَّ مِنْ زَجْلِ الْمُسَبِّحِیْنَ﴾

(روح المعانی فی تفسیر القراٰن العظیم والسبع المثانی، سورۃ القدر، ج:۳۰، ص:۱۹۶)

گنہگاروں کی آہ وزاری مجھے تسبیح پڑھنے والوں کی بلند آوازوں سے زیادہ محبوب ہے اور یہی دلیل ہے کہ آپ ہمارے سچے اللہ ہیں۔ دنیوی بادشاہ تو اپنی تعریف کے محتاج ہیں کیونکہ تعریف سے ان کی عزت بڑھتی ہے چنانچہ اگر ان کو استقبالیہ دیا جارہا ہو اور ان کی شان میں قصیدے پڑھے جارہے ہوں اس وقت اگر کوئی مصیبت زدہ آکر رو رو کر فریاد کرنے لگے تو اس کو بھگا دیتے ہیں کہ کہاں ہمارے رنگ میں بھنگ ڈال دیا لیکن اے اللہ! آپ اپنی تعریف وتسبیح وتحمید سے بے نیاز ہیں کیونکہ اس سے آپ کی عزت میں کوئی اضافہ نہیں ہوتا۔اگر ساری دنیا کے بادشاہ ایمان لاکر سجدہ میں گر جائیں اور دنیا میں ایک فرد بھی کافر نہ رہے تو آپ کی عظمت میں ایک ذرّہ اضافہ نہیں ہوگا اور ساری دنیا کافر اور آپ کی باغی ہوجائے تو آپ کی عظمت میں ایک ذرّہ کمی نہیں ہوگی۔آپ مخلوق سے بے نیاز ہیں۔

پس اگر آپ کے نبی رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نہ ہوتے تو اپنے گناہوں کی وجہ سے ہم مایوس ہوجاتے لیکن مزاج شناس الوہیت سرورِعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مایوسیوں کے اندھیروں میں آفتابِ امید طلوع فرمادیا کہ اگر تم سے گناہ ہوگئے تو تمہارا رب معاف کرنے کو محبوب رکھتا ہے لہٰذا اس سے معافی مانگ

لواور کہو فَاعْفُ عَنِّیْ کہ معاف فرمانے کا محبوب عمل ہم پر جاری فرما دیجئے۔ آپ کا محبوب عمل ہو جائے گا اور ہمارا بیڑا پار ہو جائے گا اور فَاعْفُ عَنِّیْ میں سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فاءِ تعقیبیہ لگا دی کہ معاف کرنے میں دیر نہ کیجئے، جلد معاف فرما دیجئے، معاف کرنا جب آپ کو خود محبوب ہے تو جلد کرم فرمائیے۔ سبحان اللہ! جلبِ رحمتِ حق کے لیے کلامِ نبوت کیا بلیغ و جامع ہے۔

یَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا
عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّھِمٖ

(فغانِ رومی صفحہ ۳۹۔۴۳)

حدیث نمبر ۵

﴿لَعَنَ اللّٰہُ النَّاظِرَ وَ الْمَنْظُوْرَ اِلَیْہِ﴾

(مشکوٰۃ المصابیح، کتابُ النکاح، باب النظر الی المخطوبۃ، ص: ۲۷۰)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ لعنت فرمائے اس شخص پر جو بدنظری کرے یا بدنظری کے لیے خود کو پیش کرے۔

عبادات کے انوار کا تحفظ بھی سالک پر فرض ہے اور یہ فرض تب ادا ہوگا جب حسن کے ڈاکوؤں سے نظر کو بچاؤ گے۔ آپ میں سے اکثر تو تاجر اور بزنس مین لوگ ہیں۔ بتائیے جتنا مال کمانا ضروری ہے اتنا ہی مال بچانا ضروری ہے یا نہیں؟ ان عورتوں کو دیکھنا ایسا ہے جیسے کوئی مالدار ڈاکو سے کہے کہ میرا سب مال لے جاؤ۔ بدنظری کرنے والا گویا حسینوں سے کہہ رہا ہے کہ میرا تقویٰ کا نور تم لوگ لے لو۔ اس نے مرنے والوں پر اس حی و قیوم کی عظمت اور تعلق و محبت کی دولت کو گویا ضایع کر دیا۔ لہٰذا نیک اعمال سے دل میں جو نور آ رہا ہے اس کو نظر بچا کر گناہوں سے بچ کر محفوظ رکھنا ضروری ہے اور اگر شیطان کہے کہ دیکھنے میں بہت مزہ آتا ہے تو اس وقت میرا شعر پڑھ دینا ؎

ہم ایسی لذتوں کو قابلِ لعنت سمجھتے ہیں
کہ جن سے رب مرا اے دوستو ناراض ہوتا ہے

اگر آپ نے اس عریانی کے ماحول میں آنکھوں کی حفاظت کر لی تو ایسا قوی نور دل میں پیدا ہوگا جو اُڑا کر عرش والے مولیٰ تک ان شاء اللہ پہنچا دے گا۔ اور اگر حفاظت نہ کی تو جو نور حاصل ہے وہ بھی ختم ہو جائے گا۔ تو بتائیے کیا فائدہ ہوا، وطن سے اتنی دور آئے، گھر بار چھوڑا، کاروبار چھوڑا، سفر کی مشقت اٹھائی اور اللہ تعالیٰ کی لعنت خرید لی کیونکہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت فرمائی ہے لَعَنَ اللّٰہُ النَّاظِرَ وَ الْمَنْظُوْرَ اِلَیْہِ یہ کوئی معمولی گناہ نہیں ہے آنکھوں کا زنا ہے۔ بخاری شریف کی حدیث ہے زِنَی الْعَیْنِ النَّظَرُ۔ اور لعنت

کے کیا معنی ہیں؟ اللہ کی رحمت سے دوری۔ جو عورتیں ننگی پھر رہی ہیں اور اپنے کو دکھا رہی ہیں ان پر بھی لعنت برس رہی ہے اور جو ان کو دیکھ رہے ہیں ان پر بھی لعنت برس رہی ہے۔ لہٰذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بددعا سے بچو۔ پیروں کی بددعا سے ڈرنے والو! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جن کی غلامی کے صدقہ میں پیری ملتی ہے ان کی بددعا سے کتنا ڈرنا چاہیے۔ آپ نے بددعا فرمائی ہے:

﴿لَعَنَ اللہُ النَّاظِرَ وَ الْمَنْظُوْرَ اِلَیْہِ﴾

اے اللہ! اپنی رحمت سے ان سب کو محروم کر دے جو آپ کو چھوڑ کر غیروں پر مر رہے ہیں، جو غیروں کو دیکھ رہے ہیں اور خود کو غیروں کو دکھا رہے ہیں۔ یہ بے وفا ہیں، نالائق غلام ہیں جو آپ جیسے محسن اور پالنے والے کو چھوڑ کر عاجز اور بے وفا غلاموں کے غلام بنے ہوئے ہیں۔ (الطافِ ربانی، صفحہ: ۱۴۔۱۵)

حدیثِ پاک میں ہے:

﴿اَلنِّسَآءُ حَبَائِلُ الشَّیْطَانِ﴾

(مِشکٰوۃُ المصَابیح، کتابُ الرقاق، ص: ۴۴۴)

عورتیں شیطان کا جال ہیں جن سے وہ گناہوں میں پھنسا دیتا ہے۔ اِس زمانہ میں شیطان نے عورتوں کو بے پردہ کر کے قدم قدم پر یہ جال بچھا دیئے، اُن کے گال اور بال دکھا کر پھر وبال میں مبتلا کر دیتا ہے۔ منشا یہ ہے کہ جتنی باتیں بھی اللہ کو ناراض کرنے والی ہیں وہ سب شیطان کے دام ودانہ میں شامل ہیں خواہ وہ عورتیں ہوں خواہ حسین لڑکے ہوں خواہ حرام مال ہو وغیرہ۔ جس چیز سے بھی شہوت نفس سے مغلوب ہو کر گناہ میں مبتلا ہو جائے وہی شیطان کا جال ہے اور اس زمانے میں چونکہ بے پردگی وعریانی عام ہے اس لیے شیطان کا سب سے بڑا جال حسین صورتیں ہیں۔ (درسِ مثنوی، صفحہ: ۲۷۷)

نامحرموں سے شرعی پردہ کی تاکید

اب رہ گیا یہ سوال کہ کیا اپنے بھائیوں کی بیویوں کے ساتھ ایک دسترخوان پر بیٹھ کر ڈش بھی نہ کھائیں۔ جیسا کہ آج کل بعض گھر والے اس بے چارے پر طعن کرتے ہیں جو ڈاڑھی رکھ لیتا ہے اور گول ٹوپی پہن لیتا ہے، اللہ اللہ کرتا ہے اور اللہ کے حکم غضِ بصر پر عمل کرتا ہے اور نامحرم یعنی اپنی بھابی، ممانی، چچی، چچازاد، خالہ زاد بہنوں وغیرہ سے اپنی آنکھوں کی احتیاط کرتا ہے اور ان کے قریب بھی نہیں بیٹھتا کیونکہ یہ حسن کا مرض ایسا ہے کہ اگر دس فٹ پر بھی بیٹھے رہو اور معلوم ہو جائے کہ یہاں ایک نامحرم عورت ہے تو اس کی گرمی وہاں تک پہنچتی ہے۔ انگیٹھی کی گرمی حدودِ انگیٹھی تک نہیں رہتی، حدودِ انگیٹھی سے تجاوز کر کے دور تک پہنچنے میں کوشاں اور رواں دواں ہوتی ہے۔ ورنہ دھواں تو دیتی ہی ہے اور اللہ والے دھویں سے بھی

بچتے ہیں۔ بعض لوگ نادانی سے کہتے ہیں کہ ایک دسترخوان پر چار بھائی اوران سب کی بیویاں بیٹھ جائیں۔ بھائی ایک طرف ہو جائیں اور بیویاں دوسری طرف ہو جائیں لیکن ذرا اس پر عمل کر کے دیکھو، اگر دل کو نقصان نہ پہنچے تو کہنا۔ اللہ تعالیٰ نے کیوں فرمایا:

﴿تِلْکَ حُدُوْدُ اللهِ فَلاَ تَقْرَبُوْهَا﴾

(سورةُ البقرة، اٰية:۱۸۷)

قرآن پاک کی آیت ہے کہ گناہوں کی حدود سے بہت فاصلہ رکھواور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا مانگی:

﴿اَللّٰهُمَّ بَاعِدْ بَيْنِيْ وَ بَيْنَ خَطَايَايَ كَمَا بَاعَدْتَ بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَ الْمَغْرِبِ﴾

(صحيحُ البخاری، كتابُ الاذان، باب ما يقرأ بعد التكبير، ج: ۱، ص ۱۰۳)

اے اللہ! میرے اور میری خطاؤں کے درمیان میں مشرق اور مغرب کا فاصلہ کردے۔ کیا مطلب؟ تعلیق محال بالمحال ہے کہ نہ مشرق مغرب کبھی ملیں گے، نہ ہماری اُمت کے لوگ کبھی گناہوں سے منہ کالا کریں گے۔ یہ کیا وجہ ہے کہ کسی نے آپ کو غلط اور نامناسب جگہ مثلاً نامحرموں کے ساتھ بٹھا دیا تو آپ کیوں تسامح کے ساتھ آرام سے بیٹھے ہیں، آپ نے کیوں فاصلہ نہیں رکھا، کیوں اس وقت آپ کو بھاگنے کی توفیق نہیں ہوئی؟ یادرکھو! شریعت کے حکم میں ماں باپ کو بھی حق نہیں ہے کہ دخل اندازی کریں۔ بتاؤ ماں باپ بڑے ہیں یا اللہ بڑا ہے۔ لہٰذا بیٹوں کو اپنے ماں باپ سے بہت ہی ادب کے ساتھ، بے ادبی سے نہیں، اکرام کے ساتھ میٹھی زبان میں کہہ دینا چاہیے کہ میری پیاری اماں، میرے پیارے ابا! ہمارے ربا کا حکم یہ ہے اس لیے ہم مجبور ہیں، آپ کا پاخانہ پیشاب اُٹھانے کے لیے تیار ہوں، آپ پر جان مال فدا کرنے کے لیے تیار ہوں مگر اے میرے ماں باپ! اللہ کی نافرمانی میں مجھے ڈال کر جہنم کے راستہ پر نہ لے جائیے۔ فتویٰ لے لو تمام علمائے دین سے۔ اب کوئی کہے کہ گھر چھوٹا ہے، الگ الگ کھانے کے لیے اتنے کمرے نہیں تو اوقات یعنی ٹائمنگ بدل دو۔ ایک وقت میں عورتیں کھالیں، اس کے بعد فوراً مرد کھالیں یا مرد پہلے کھالیں، عورتیں بعد میں کھالیں۔ ایک ہی وقت میں کھانا کیا ضروری ہے۔ کہیں جماعت سے کھانا واجب ہے، نماز جماعت سے واجب ہے یا کھانا بھی واجب ہے؟ خوب سن لو، خوب سن لو اور خوب سن لو۔ (ہم کس کو ملتے ہیں اور ہم کو کون پاتا ہے، صفحہ:۱۳)

حدیث نمبر۶

﴿سُبْحَانَ الَّذِیْ سَخَّرَلَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِيْنَ ○ وَ اِنَّا اِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ ○﴾

(صحيح مسلم، كتابُ الحج، باب مايقول اذا ركب)

سُبْحَانَ الَّذِیْ سَخَّرَلَنَا هٰذَا پاک ہے وہ اللہ جس نے اس مرکب اور سواری کو ہمارے لیے مسخر فرمادیا، ہمارے قبضہ اور کنٹرول میں کردیا۔ جب یہ دعا سکھائی گئی اُس زمانہ میں اونٹوں اور گھوڑوں کی

سواری تھی اوراب کاراورہوائی جہاز ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کا کمال ہے جس نے اجزائے بے جان کو جانداروں کے لیے مسخر فرمادیا کہ لوہا،لکڑی بھاپ وغیرہ بے جان چیزیں جانداروں کو لیے بھاگی جارہی ہیں وَمَا کُنَّا لَہٗ مُقْرِنِیْنَ اور ہماری طاقت نہیں تھی ان چیزوں کو مسخر کرنے کی،اگرآپ کا کرم نہ ہوتا تو ہم ان کو اپنے قبضہ اورکنٹرول میں نہیں لا سکتے تھے۔جانوربھی طاقت میں ہم سے زیادہ ہیں،وہ ہم کوزمین پر پٹک سکتے تھےاور کاراورہوائی جہاز کا لوہا لکڑ پھٹ کر گرسکتا تھا لیکن اللہ کے کرم نے ان چیزوں کو ہمارے تابع کردیا۔لیکن عالیشان سواری پر بیٹھ کر شاندار گھوڑوں اورمرسیڈیز پر بیٹھ کر تکبر نہ کرنا،آخرت کو نہ بھول جانا،سواری کی قیمت سے کہیں اپنی قیمت نہ لگالینا اوراپنے کو قیمتی نہ سمجھ لینا اس لیے کہو وَ اِنَّا اِلٰی رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ ہم اپنے رب کی طرف لوٹائے جائیں گے،سو وہاں ہماری قیمت لگے گی،وہاں ہمارا حساب ہوگا،غلاموں کی قیمت مالک لگاتا ہے،وہاں معلوم ہوگا کہ قیمتی گھوڑوں اورشاندار مرسیڈیز پر بیٹھنے سے ہم قیمتی ہیں یا گناہوں کی وجہ سے سزا کے مستحق ہیں۔جس سے مالک تعالیٰ شانہ راضی ہوگا وہی بندہ قیمتی ہوگا۔گھوڑوں،مرسیڈیز اور بینک بیلنس سے ہماری کوئی قیمت نہیں ؎

ہم ایسے رہے یاں کہ ویسے رہے
وہاں دیکھنا ہے کہ کیسے رہے

وَ اِنَّا اِلٰی رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ کا ربط اللہ تعالیٰ نے مجھ کو عطا فرمایا،میں نے یہ کسی کتاب میں نہیں دیکھا۔

(الطافِ ربانی،صفحہ:۲۰۔۲۱)

حدیث نمبر ۷

﴿لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ لَیْسَ لَھَا حِجَابٌ دُوْنَ اللہِ﴾

(مشکوٰۃ المصابیح،کتابُ الدعوات،باب ثواب التسبیح والتحمید،ص:۲۰۲)

ترجمہ:لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ اوراللہ تعالیٰ کے درمیان کوئی پردہ نہیں ہے۔

لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ کہتے وقت یہ مراقبہ کریں کہ کلمہ لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ ساتوں آسمان پار کر کے براہِ راست اللہ تعالیٰ سے ملاقات کررہا ہے اور یہ کوئی جاہلانہ تصوف نہیں مدلل بالحدیث ہے۔فرمانِ نبوت کے مطابق تصوف کو مدلل پیش کرتا ہوں۔جو تصوف قرآن وحدیث سے مدلل نہ ہو وہ تصوف ہی نہیں۔مشکوٰۃ شریف کی روایت ہے،سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ لَیْسَ لَھَا حِجَابٌ دُوْنَ اللہِ،لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ اوراللہ میں کوئی پردہ نہیں ہے یعنی لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ ساتوں آسمان پار کر کے عرشِ اعظم ہی تک نہیں پہنچتا ربِ عرشِ اعظم سے ملتا ہے۔

سوچیں کہ لاَ اِلٰہَ سے سارا عالم ختم ہو گیا بس ہم ہیں اور ہمارا اللہ ہے۔ آخر میں دعا کر لیں کہ ہم نے غیر اللہ کو دل سے نکالا لیکن اے اللہ! ہم سے کیا نکلے گا، ہم کمزور ہیں جس طرح کمزور بچہ ابا کو پکارتا ہے، بندہ کمزور ہے تو ربا کو پکارے کہ اے میرے ربا! آپ اپنی مدد بھیج دیجئے اور غیر اللہ کو ہمارے قلب سے نکال دیجئے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جو روزانہ سو بار لاَ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ پڑھے گا اس کا چہرہ قیامت کے دن چودھویں تاریخ کے چاند کے مثل چمکے گا۔ اس پر اگر کوئی کہے کہ ۱۰۰ دفعہ لاَ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ پر اتنی بڑی بشارت ہے تو کوئی صرف لاَ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ پڑھتا رہے اور نماز روزہ نہ کرے اور گناہوں میں مبتلا رہے تو کیا لاَ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ سے پھر بھی اس کا چہرہ چمکے گا؟ اس کا جواب اللہ تعالیٰ نے میرے قلب کو عطا فرمایا کہ جو سو دفعہ لاَ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ پڑھے گا تو اللہ تعالیٰ اپنے نبی کی لاج رکھتے ہوئے اس کو منہ اُجالا کرنے والے اعمال کی توفیق اور منہ کالا کرنے والے اعمال سے بچنے کی توفیق عطا فرمائیں گے اور اس طرح قیامت کے دن اس کا چہرہ چودھویں کے چاند کے مانند چمکے گا۔

چہرہ ترجمانِ دل ہوتا ہے۔ اگر دل میں اللہ اپنی تجلیاتِ خاصہ سے متجلی ہے تو چہرہ اللہ کا ترجمان ہوگا، اس کے چہرہ کو دیکھ کر اللہ کی یاد آئے گی جیسا کہ حدیثِ شریف میں ہے:

﴿اِذَا رُأُوْا ذُکِرَ اللہُ﴾

(مسند احمد، مسند الشامین)

اللہ والے وہ ہیں جن کو دیکھ کر اللہ یاد آتا ہے۔

اسی طرح اگر کسی شخص کے دل میں غیر اللہ ہے تو چہرہ ترجمانِ غیر اللہ ہوگا، دل میں اگر کفر ہے تو چہرہ ترجمانِ کفر ہوگا، دل میں اگر نفاق ہے تو چہرہ ترجمانِ نفاق ہوگا، دل میں اگر اللہ کی محبت کا درد ہے تو چہرہ ترجمانِ دردِ دل ہوگا اور اگر دل تجلیاتِ الٰہیہ کا حامل ہے تو چہرہ ترجمانِ تجلیاتِ الٰہیہ ہوگا۔ جو دل میں ہوگا چہرہ وہی بتائے گا۔ اسی لیے سیدنا حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک آدمی کو جو آپ کی مجلس میں بدنظری کر کے آیا تھا دیکھ کر فرمایا مَا بَالُ اَقْوَامٍ یَتَرَشَّحُ مِنْ اَعْیُنِہِمُ الزِّنَا کیا حال ہے ایسے لوگوں کا جن کی آنکھوں سے زِنا ٹپکتا ہے۔

اس لیے کلمہ کی بنیاد ہی میں اللہ تعالیٰ نے ہم کو حکم دیا کہ تم لاَ اِلٰہَ سے غیر اللہ کو دل سے نکال دو پھر اِلَّا اللہُ سے تمہارا دل اللہ تعالیٰ کی تجلیاتِ خاصہ سے متجلی ہوگا تو پھر سارے عالم میں تمہارا چہرہ اللہ تعالیٰ کا ترجمان ہوگا اور ہر مومن سارے عالم میں ایمان پھیلا دے گا۔ یہی وجہ ہے کہ صحابہ کے چہرہ کو دیکھ کر لوگ ایمان لاتے تھے۔ کلمہ کا یہ ترجمہ اللہ تعالیٰ نے پہلی بار عطا فرمایا۔ یہ میرے بزرگوں کی دعاؤں کا صدقہ ہے

کہ اللہ تعالیٰ مجھے عجیب عجیب نادر موتی دے رہا ہے۔ (عطاء ربانی، صفحہ:۴۳۔۴۹)

ذکر کا طریقہ

ذکر اللہ کا طریقہ عرض کرتا ہوں۔ حدیث کا مضمون ہے کہ **لاَ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ لَیْسَ لَھَا حِجَابٌ دُوْنَ اللّٰہِ** بندہ جب زمین پر **لاَ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ** کہتا ہے تو اس کی **لاَ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ** عرشِ اعظم پر جا کر بے حجاب اللہ سے ملتی ہے۔ کوئی پردہ نہیں ہوتا۔ یہ تصوف مدلل بالحدیث ہے۔ یعنی **لاَ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ** کی رفتار اتنی تیز ہے کہ عرشِ اعظم تک اور اللہ تک جاتی ہے۔ اللہ سے ملاقات کرتی ہے کیوں صاحبو اور اللہ کا ذکر کرنے والے دوستو! کیا تصور میں یہ مزہ نہیں ہے کہ ہم تو نہیں پہنچے مگر ہمارا ذکر اللہ تک اور عرشِ اعظم تک پہنچ جائے ساتوں آسمان عبور کر کے۔

مولانا بدرِ عالم صاحب رحمۃ اللہ علیہ، ترجمان السنۃ میں لکھتے ہیں کہ **لاَ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ** کی رفتار اور کاٹ اتنی تیز ہے کہ ساتوں آسمان پار کر کے عرشِ اعظم پر اللہ سے ملتی ہے، اگر اللہ کو عرشِ اعظم پر نہ پاتی تو عرشِ اعظم سے بھی آگے بڑھ جاتی۔ اسی لیے شاعر کہتا ہے ؎

نظر وہ ہے جو اس کون و مکاں کے پار ہو جائے
مگر جب روئے تاباں پر پڑے بیکار ہو جائے

یہ **لاَ اِلٰہَ** کا ذکر ہو گیا اور **اِلَّا اللّٰہُ** میں یہ تصور ہو کہ اللہ تعالیٰ کے نور کا ستون ہمارے قلب میں لگا ہوا ہے اور عرشِ اعظم سے نور آ رہا ہے اور اللہ اللہ میں دو ضربیں ایک لطیفۂ قلب پر اور ایک لطیفۂ روح پر ہو۔ آخر میں جو ایک اللہ کی تسبیح ہے اس میں یہ تصور ہو کہ میرے بال بال اللہ کہہ رہے ہیں۔ یہ طریقہ میرے شیخ شاہ عبدالغنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے خواب میں بتایا کہ مولانا عبدالغنی اللہ اللہ اس طرح کہو کہ زبان سے اللہ نکلا اور دل سے بھی نکلا اور کھینچ کر کہو اللہ اور آہ بھی شامل کر لو اور یہ تصور کرو کہ میرے بال بال سے، ذرّہ ذرّہ سے، سمندر کے ہر قطرہ سے، درختوں کے ہر پتہ سے اور عالم کے ایک ایک ذرّہ سے اور سورج اور چاند سب ہمارے ساتھ اللہ کہتے ہیں۔ (مجلسِ ذکر، صفحہ:۱۶۔۱۷)

ذکر کے بعد دعا

اور ذکر کے بعد اللہ تعالیٰ سے پھر یہ دعا کرے کہ یا اللہ! اس ذکر کی برکت سے ذاکر کو مذکور تک پہنچا دے یعنی اپنی ذات تک مجھے پہنچا دے۔ میرے شیخ فرماتے تھے کہ ذکر، ذاکر کو مذکور تک پہنچا دیتا ہے۔ ذال، کاف، را، ذاکر میں بھی ہے مذکور میں بھی ہے، یہ ذکر واسطہ اور رابطہ ہے بندہ اور اللہ کے درمیان۔ (مجلسِ ذکر، صفحہ:۱۹)

حدیث نمبر ۸

﴿ اَللّٰھُمَّ ارۡحَمۡنِیۡ بِتَرۡکِ الۡمَعَاصِیۡ ﴾

(سنن الترمذی، کتاب الدعوات)

ترجمہ: اے اللہ! مجھ پر ایسی رحمت نازل فرمادیجئے کہ جس سے تمام گناہ چھوٹ جائیں۔

رحمتِ حق اور محرومی از رحمتِ حق کے دلائلِ منصوصہ

گناہ بُری چیز ہے اور بُری چیز کو جلد چھوڑنا چاہیے۔ جیسے اگر کپڑے میں کہیں پاخانہ لگ جائے تو جلدی سے صاف کرتے ہو کہ نہیں؟ لیکن آج کل لوگوں سے ایک بدنظری ہوتی ہے تو جلد توبہ نہیں کرتے۔ شیطان کہتا ہے ابھی تو راستہ میں بہت سی شکلیں نظر آئیں گی سب کو خوب دیکھ بھال لو، شام کو گھر جانا، جب سورج غروب ہوجائے تو اندھیرے میں رو دھو کر خوب تلافی کردینا۔ اُجالوں میں اندھیرے کام کرو اور اندھیرے میں اُجالے کام کرو۔ میں کہتا ہوں کہ اگر یہ شخص خوش نصیب ہے اور اس کے قلب پر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے اور یہ محرومِ رحمتِ الٰہیہ نہیں ہے تو ان شاء اللہ ایک سیکنڈ بھی برداشت نہیں کرے گا، صدورِ خطا کے بعد فوراً حق تعالیٰ سے استغفار و توبہ کرکے موردِ عطا ہوجائے گا۔ جو لوگ تسلسل کے ساتھ گناہوں میں مبتلا ہیں اور توبہ و استغفار کرکے اپنے کو صاف نہیں کرتے یہ حق تعالیٰ کی رحمتِ خاصّہ سے محروم ہیں۔ دلیل کیا ہے؟ اَللّٰھُمَّ ارۡحَمۡنِیۡ بِتَرۡکِ الۡمَعَاصِیۡ اے اللہ! مجھے وہ رحمت عطا فرمایئے جس سے میں گناہ چھوڑ دوں۔ معلوم ہوا کہ گناہ چھوڑنا اللہ کی رحمت کی دلیل ہے اور نفس کے شر سے وہی بچ سکتا ہے جو اللہ کی رحمت کے سائے میں ہوگا۔ اس کی دلیل اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیۡ ہے۔ یہ استثنیٰ اللہ تعالیٰ کا ہے، خالقِ نفسِ امارہ کا استثنیٰ ہے۔ نفسِ امارہ کے معنی ہیں کثیر الامر بالسوء جس کا ہندی ترجمہ میں نے کیا ہے کہ مہا دُشٹ یعنی زبردست خطرناک، انتہائی خراب اور السوء میں الف لام اسمِ جنس کا ہے۔ جنس وہ کُلّی ہے جو انواعِ مختلفُ الحقائق پر مشتمل ہو یعنی زمانۂ نزولِ قرآن سے لے کر قیامت تک گناہ کے جتنے بھی انواع و اقسام ایجاد ہوں گے سب اس السوء میں شامل ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے کلام کی بلاغت تو دیکھئے کہ الف لام جنس کا داخل فرما کر قیامت تک ہونے والے تمام گناہ ٹی وی، وی سی آر، ڈش انٹینا کی بدمعاشیاں، اَمارِد اور کتوں سے شادیاں وغیرہ وغیرہ سب اس میں شامل ہیں لیکن اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیۡ جو اللہ تعالیٰ کی رحمت کے سائے میں رہے گا وہ نفس کے شر سے محفوظ رہے گا۔ لہٰذا جس کو دیکھو کہ نفس کے شر سے محفوظ ہے، گناہوں میں مبتلا نہیں تو سمجھ لو کہ یہ سایۂ رحمتِ الٰہیہ میں ہے اور اس سایہ میں آپ بھی بیٹھ جایئے۔

مطلب یہ ہے کہ اہل اللہ کی صحبت میں رہو کیونکہ وہ لوگ سایۂ رحمتِ الٰہیہ میں ہیں۔ دلیل وہی ہے جو اوپر بیان ہوئی کہ وہ لوگ نفس کے شر سے محفوظ ہیں اور اگر کبھی بر بنائے غلبۂ بشریت ان سے خطا ہوجائے تو ان کی ندامت اور استغفار کا بھی وہ مقام ہوتا ہے کہ عوام الناس اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ جو مقرب ہوتے ہیں، عظیم الشان قرب جن کو عطا ہوتا ہے ان کی ندامت بھی عظیم الشان ہوتی ہے، ان کے آنسو بھی عظیم الشان ہوتے ہیں، جس مقام سے وہ استغفار و توبہ کرتے ہیں عوام کو اس کی ہوا بھی نہیں لگ سکتی، اللہ کے حضور میں وہ جگر کا خون پیش کرتے ہیں۔

اختر جو بات پیش کر رہا ہے یہ حاصلِ سلوک اور اولیاء صدیقین کی جو آخری سرحد ہے اس مقام تک پہنچانے والی ہے۔ جان لو، مان لو اور ٹھان لو کہ ایک لمحہ کو خدا کو ناراض نہیں کرنا ہے۔ گناہ نہ کرنے سے بالفرض اگر جان جاتی ہے تو جان فدا کردو۔

مبارک ہے وہ جان جو اللہ پر فدا ہو، مبارک ہے وہ جوانی جو خدا پر فدا ہو، مبارک ہیں وہ آنکھیں جو اللہ کے خوف سے اشکبار ہیں۔ باقی جتنے کام خدا کی مرضی کے خلاف ہیں وہ مومن کے لیے خسارہ ہیں۔ بس میری سارے عالم میں یہی صدا ہے کہ اللہ کے لیے اللہ کو خوش رکھو اور ایک لمحہ بھی اپنے مالک کو ناخوش کر کے حرام خوشی اپنے قلب و نفس میں نہ لاؤ۔ یہ غیرتِ بندگی کے بھی خلاف ہے، حیا کے بھی خلاف ہے، شرافت کے بھی خلاف ہے۔ اللہ کو ناراض کر کے اپنے نفس میں حرام خوشی لانے والے سے بڑھ کر کوئی بے غیرت کمینہ ناشکرا اور بین الاقوامی احمق نہیں ہے کیونکہ اتنی بڑی طاقت والے مالک کو ناراض کر کے اپنے نفس دشمن کو خوش کر رہا ہے۔ اگر اللہ کی صفت، ذوالانتقام کا ظہور ہوجائے تو یہ کیا کر سکتا ہے۔ (افضالِ ربانی، صفحہ: ۲۵۔۲۸)

ترکِ معاصی دلیلِ رحمت اور معصیت ذریعۂ شقاوت

چند دن کی فانی لذتوں کے لیے اپنے اللہ کو غضب ناک نہ کرو دوستو! اللہ تعالیٰ ہم لوگوں پر رحم کرے بہت بڑی رحمت ہے جو گناہ سے بچ جائے۔ اس لیے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے استقامت کے لیے دو دعائیں سکھائی ہیں، آپ لوگ یاد کرلیجئے **اَللّٰھُمَّ ارْحَمْنِیْ بِتَرْکِ الْمَعَاصِیْ** اے اللہ! ہم پر وہ رحمت نازل کردے جس سے گناہ چھوڑنے کی توفیق عطا ہوجائے، اے اللہ! وہ رحمت دے دے ہم کو جس سے ہم گناہ چھوڑ دیں، آپ کو ناراض کرنے کا سلسلہ ختم ہوجائے **وَلَا تُشْقِنِیْ بِمَعْصِیَتِکَ** اور اپنی نافرمانی سے مجھ کو بدنصیب اور بدبخت نہ بنائیے۔ یہ دعا بتا رہی ہے کہ گنہگار انسان سخت خطرے میں ہے اور کسی وقت وہ بدنصیب اور سوئے خاتمہ میں مبتلا اور خدا کے قہر میں گرفتار ہو سکتا ہے ورنہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یہ الفاظ کیوں استعمال فرماتے؟ اہلِ علم سے پوچھتا ہوں، آپ لوگ پڑھے لکھے ہیں یہ مضمون کیا بتا

رہا ہے؟ کہ اے خدا مجھ کو اپنی نافرمانی سے بد بخت نہ بنائیے۔ معلوم ہوا کہ گناہ میں خاصیت موجود ہے بدبختی اور بدنصیبی کی اگر توبہ نہ کی تو کتنے لوگ بصورتِ بایزید ننگِ یزید ہو کر مر گئے، وہیں دھر لیے گئے، فرشتوں نے عذاب میں انہیں دبالیا۔ یہ دو دعائیں یاد کر لیجئے:

(۱) اَللّٰھُمَّ ارْحَمْنِیْ بِتَرْکِ الْمَعَاصِیْ اے خدا ہم پر وہ رحمت نازل کر دے جس سے معصیت کو، گناہ کو چھوڑنے کی ہمت پیدا ہو جاتی ہے، رُوباہیت شیریت سے بدل جائے، ہمت میں ہم لومڑی ہیں اگرچہ صورت میں شیر ہیں۔ دنیاوی معاملات میں تو ایسا غصہ آئے گا کہ ان سے بڑھ کر کوئی طاقت والا نہیں لیکن نفس کی اتباع اور غلامی میں اس شخص سے بڑھ کر کوئی بزدل نہیں ہے، ایسے لوگوں سے اگر اللہ تعالیٰ ستاریت کا پردہ ہٹا دے تو پتہ چل جائے گا کہ اس سے بڑھ کر کوئی کمینہ کوئی بزدل نہیں ہے۔ اَللّٰھُمَّ ارْحَمْنِیْ بِتَرْکِ الْمَعَاصِی اے اللہ مجھ پر وہ رحمت نازل کر دے جس سے آپ گناہ چھوڑنے کی ہمت عطا کرتے ہیں۔ لومڑیوں کو شیر بنا دیتے ہیں روباہِ طریق کو شیرِ طریق بنا دیتے ہیں اور دوسری دعا ہے:

(۲) وَ لَا تُشْقِنِیْ بِمَعْصِیَتِکَ اور اپنی نافرمانی اور گناہوں سے ہم کو بدنصیب نہ بنا معلوم ہوا کہ گناہ میں شقاوت اور بدبختی کی خاصیت ہے ورنہ اگر معصیت میں یہ خاصیت نہ ہوتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عنوان سے کیوں پناہ مانگی؟ دوستو! ہمت سے کام لو، ڈھیلے مت بنو، ڈھیلا ہوا کہ ڈھیلا ہوا۔ اللہ نے ہمت دی ہے، ہمت چور نہ بنو، میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ جس نے ہمت کو استعمال کیا اللہ تعالیٰ کی مدد بھی آجاتی ہے۔ بعض لوگوں کو چالیس چالیس برس تک ایک گناہ کی عادت تھی، ہمت سے کام لیا، نجات پا گئے۔

(تجلیاتِ جذب، حصہ سوم، ۲۴۔۲۵)

حدیث نمبر ۹

﴿اَنْ تَعْبُدَ اللّٰہَ کَاَنَّکَ تَرَاہُ فَاِنْ لَّمْ تَکُنْ تَرَاہُ فَاِنَّہٗ یَرَاکَ﴾

(صحیحُ البخاری، کتابُ الایمان، باب سؤال جبریئل النبی ﷺ عن الایمان والاسلام، ج:۱، ص:۱۲)

ترجمہ: تم اللہ تعالیٰ کی ایسی عبادت کرو کہ گویا کہ تم اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہے ہو اور اگر تم اللہ کو نہیں دیکھتے ہو تو وہ یقیناً تمہیں دیکھ رہا ہے۔

کیفیتِ احسانی کے انعامات اور طریقۂ تحصیل

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں اَنْ تَعْبُدَ اللّٰہَ کَاَنَّکَ تَرَاہُ اس طرح عبادت کرو کہ گویا تم اللہ کو دیکھ رہے ہو فَاِنْ لَّمْ تَکُنْ تَرَاہُ فَاِنَّہٗ یَرَاکَ تم اگر اللہ کو نہیں دیکھتے ہو تو اللہ تو تمہیں دیکھتا ہے۔ بعض لوگوں نے اس سے یہ سمجھا کہ احسانی کیفیت کے دو درجے ہیں (۱) ہم اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہے ہیں

اور (۲) کہ اللہ تعالیٰ ہم کو دیکھ رہے ہیں مگر قطب العالم حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ دوسرا درجہ جو ہے وہ اس مراقبہ کی علّت ہے لہٰذا یہ دو درجے نہیں ہیں ایک ہی درجہ ہے کہ ہم اپنے اللہ کو دیکھ رہے ہیں کیونکہ اگر ہم نہیں دیکھتے تو اللہ تعالیٰ تو ہم کو دیکھ رہا ہے تو گویا ہم بھی دیکھ رہے ہیں۔ دنیا میں کَاَنَّکَ رہے گا اور جنت میں اللہ تعالیٰ کَاَنَّکَ کا کاف نکال دیں گے وہاں اَنَّکَ سے دیکھو گے۔ دنیا میں آنکھیں بنائی جارہی ہیں ایمان، تقویٰ اور غمِ تقویٰ سے یعنی حصولِ تقویٰ میں بندہ جو مجاہدات اور حسرت اور غم اُٹھاتا ہے اور خونِ تمنا پیتا ہے اسی خونِ تمنا سے آنکھیں بنائی جارہی ہیں اور جب آنکھیں بنائی جاتی ہیں تو پٹی بندھی رہتی ہے، اس وقت دیکھنے کی ڈاکٹر اجازت نہیں دیتا اور جب روشنی آجاتی ہے تو پٹی ہٹا دی جاتی ہے، جنت میں اللہ تعالیٰ یہ پٹی ہٹا دیں گے۔ وہاں کاف کی پٹی ہٹا دی جائے گی پھر اَنَّکَ سے اللہ تعالیٰ کو دیکھو گے۔ یہ تقریر میرے شیخ حضرت شاہ عبدالغنی صاحب پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ کی ہے جو ایک واسطے سے حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد ہیں۔

علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے فتح الباری شرح بخاری میں اس احسانی کیفیت کو بیان فرمایا ہے کہ احسان کیا ہے؟ فرماتے ہیں:

﴿اَنْ یَّغْلِبَ عَلَیْہِ مُشَاھَدَۃُ الْحَقِّ بِقَلْبِہٖ حَتّٰی کَاَنَّہٗ یَرَاہُ بِعَیْنِہٖ﴾

(فتحُ الباری لابن حجر، کتابُ الایمان، باب سؤال جبرئیل النبی ﷺ عن الایمان، ج: ۱، ص: ۱۲۰)

یعنی مشاہدۂ حق ایسا غالب ہو جائے کہ گویا وہ اپنی آنکھوں سے اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہا ہے۔

اس کیفیت کو مدارس سے، کتابوں سے، تبلیغ سے، تدریس سے کوئی نہیں پا سکتا۔ یہ کیفیت صرف اور صرف اہل اللہ کے سینوں سے سینوں میں منتقل ہوتی ہے۔ کیفیات کے حامل قلوب ہوتے ہیں، قوالب اور اوراقِ کتب نہیں ہوتے۔ کتابوں سے یہ چیز نہیں مل سکتی۔ کمیاتِ شرعیہ کتابوں سے ملتی ہیں لیکن کیفیاتِ احسانیہ کے حامل اوراقِ کتب نہیں ہو سکتے۔ یہ کیفیاتِ احسانیہ سینوں سے سینوں میں منتقل ہوتی چلی آرہی ہیں لہٰذا جب شیخ کے پاس جاؤ تو اضافۂ علم کی نیت نہ کرو، کیفیتِ احسانیہ کی ترقی کی نیت کرنا چاہیے۔ اعمال کی ترقی اور قبولیت احسان پر موقوف ہے کمیت پر موقوف نہیں جیسے جہاز میں لوہا کم ہوتا ہے اس کا حجم بھی کم ہوتا ہے اور ریل کا لوہا اور حجم زیادہ ہوتا ہے لیکن جہاز چھوٹا ہو چاہے ڈکوٹہ ہی ہو لیکن اپنی اسٹیم کی کیفیت کی وجہ سے یہاں سے چند گھنٹوں میں جدہ پہنچ جائے گا جبکہ ریل کو پہنچنے میں کئی دن لگ جائیں گے۔ لہٰذا اپنے بزرگوں کی خدمت میں ہم جائیں تو یہ نیت کریں کہ کیفیت کی اسٹیم لینے جارہے ہیں کیونکہ اگر علم کی نیت کی تو ممکن ہے وہاں ایک علم کی بار بار تکرار ہو۔ اس تکرار سے بعض نادان گھبراتے ہیں کہ میاں وہاں تو ایک ہی بات کو بار بار بیان کرتے ہیں ایسا سمجھنا سخت نادانی ہے تکرارِ علم قرآنِ پاک سے بھی ثابت ہے، ایک ہی

آیت کتنی جگہ نازل ہوئی ہے۔تکرارِ علم دلیلِ شفقت ہے۔ باپ اپنے بیٹوں سے بار بار کہتا ہے کہ بیٹا اس گلی سے نہ جانا وہاں غلط قسم کے لوگ رہتے ہیں۔ پھر دو تین دن کے بعد یہی کہتا ہے۔ بار بار ایک ہی آیت کا نزول حق تعالیٰ شانہ کی رحمت کی دلیل ہے۔ ایسے ہی شیخ اور مربی پر رحمت کا غلبہ ہوتا ہے تو بار بار کہتا ہے کہ دیکھو نظر بچانا۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ تکرارِ غذائے جسمانی میں آپ کو اعتراض کیوں نہیں ہوتا۔ روزانہ چائے پیتے ہو۔ یہاں کیوں نہیں کہتے کہ میاں کل بھی چائے پلائی آج پھر پلا رہے ہو۔ جس طرح تکرارِ غذائے جسمانیہ احب ہے اگر اللہ کی محبت پیدا ہو جائے گی تو تکرارِ علوم روحانیہ سے بھی مزہ آنے لگے گا۔

اسی طرح بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ ہم اپنے شیخ کی مجلس میں جو سنتے ہیں ہمیں تو کچھ یاد ہی نہیں رہتا ہمارا حافظہ کمزور ہے ہمارے پلے تو کچھ پڑتا ہی نہیں لہٰذا وہاں جانا بے کار ہے۔ حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر کچھ بھی یاد نہ رہے تب بھی فائدہ ہوتا ہے جیسے دو تین پہلے ہم نے کیا کھایا تھا یاد نہیں رہتا لیکن اس غذا سے جو خون بنا وہ ہماری رگوں میں دوڑ رہا ہے تو جس طرح نسیانِ غذا سے فوائدِ غذا کا فقدان لازم نہیں آتا اسی طرح شیخ کی مجلس میں اس کے علوم وملفوظات جو سنے چاہے وہ یاد نہ رہیں لیکن ان سے جو نور پیدا ہوگا وہ نور ہماری رگوں میں دوڑتا رہے گا کیونکہ قلب جہاں جسم میں خون سپلائی کرتا ہے اس کے ساتھ اللہ کا نور بھی سپلائی کرتا ہے، وہ خون جب آنکھوں میں روشنی پیدا کرتا ہے تو ساتھ ہی قلب سے آنکھوں میں اللہ کا نور بھی داخل ہوتا ہے۔ پھر اس کی آنکھوں کو کچھ اور نظر آتا ہے۔ جب نسبت عطا ہوتی ہے تو اس کے زمین و آسمان بدل جاتے ہیں، یہ زمین و آسمان تو کافر بھی دیکھتا ہے لیکن اللہ والوں کے زمین اور آسمان، سورج اور چاند کچھ اور ہی ہوتے ہیں ؎

اب وہ زماں نہ وہ مکاں اب وہ زمیں نہ آسماں
تو نے جہاں بدل دیا آ کے مری نگاہ میں

لہٰذا جب اپنے بزرگوں کے پاس جائے تو یہ نیت نہ کرے کہ ہمارے علم میں اضافہ ہوگا، معلومات بڑھیں گی بلکہ یہ مراقبہ کرے کہ ان کی احسانی کیفیت، ان کا ایمان و یقین اور ان کا تقویٰ وخشیت اور اللہ سے ان کی محبت ہمارے قلوب میں منتقل ہو رہی ہے اور اس انتقالِ نسبت کی کیا صورت ہوتی ہے؟ اس کو مولانا رومی بیان فرماتے ہیں ؎

کہ ز دل تا دل یقیں روزن بود
نے جدا و دور چوں دو تن بود

دلوں سے دلوں میں خفیہ راستے ہیں جیسے جسم الگ الگ ہیں لیکن دل الگ الگ نہیں ہوتے۔قلوب میں آپس میں روابط ہوتے ہیں جوضوابط سے بالاتر ہوتے ہیں۔دلیل کیا ہے؟فرماتے ہیں ؎

متصل نبود سفال دو چراغ
نورِ شاں ممزوج باشد در مساغ

دو چراغ آپس میں ملے ہوئے نہیں ہوتے ،ایک بلب وہاں جل رہا ہے ایک یہاں جل رہا ہے۔دس چراغ جل رہے ہیں ان کے جسم تو الگ الگ ہیں لیکن ان کی روشنی فضا میں مخلوط ہوتی ہے، ملی ہوئی ہوتی ہے۔اس لیے جہاں دس ولی اللہ بیٹھے ہوئے ہوں وہاں نور بڑھ جائے گا ؎

بست مصباح از یکے روشن تراست

کہیں ایک چراغ جل رہا ہو اور کہیں بیس چراغ جل رہے ہوں تو بیس چراغوں کی روشنی زیادہ ہوگی۔لہٰذا صالحین اور نیک بندوں کے اجتماع کو معمولی نہ سمجھیں۔ان کی مجلس میں ایمان ویقین کی روشنی بڑھ جائے گی۔کمزور کمزور بلب اگر قریب قریب جل رہے ہوں تو روشنی بڑھ جاتی ہے یا نہیں؟ جب صالحین کی صحبت نفع سے خالی نہیں تو اولیاء کاملین کی مجلس کیسے بے فیض ہوسکتی ہے لیکن اس میں ارادہ اور اخلاص کو بہت دخل ہے۔اللہ تعالیٰ نے یُرِیۡدُوۡنَ وَجۡهَهٗ کی قید لگا دی کہ فیضانِ نبوت ان ہی لوگوں کو ملتا ہے جو یَدۡعُوۡنَ رَبَّهُمۡ ہیں یعنی مجھے یاد کرتے ہیں لیکن وہ یُرِیۡدُوۡنَ وَجۡهَهٗ بھی ہیں ان کے قلب میں، میں مراد ہوں۔پس اصلی مرید وہ ہے جس کے قلب کی مراد اللہ ہو ورنہ وہ مرید نہیں ہے لہٰذا اس کی فکر کیجئے ، بار بار اپنے قلب کا جائزہ لو کہ ہم اپنے شیخ کے ساتھ کس لیے رہتے ہیں۔اگر کسی کو سیاحی مقصود ہے کہ مختلف شہروں کو دیکھیں گے اور مختلف دسترخوانوں کا ذائقہ چکھیں گے تو وہ اللہ کا مرید نہیں ہے وہ تو مریدِ غذا ہے، مریدِ چٹخارہ ہے، مریدِ سیاحی ہے اور اللہ پاک فرماتے ہیں یُرِیۡدُوۡنَ وَجۡهَهٗ قرآن پاک کی آیت ہے کہ میں اُنہیں کو ملتا ہوں جن کے دل میں، میں مراد ہوتا ہوں وہ مجھ کو پیار کرتے ہیں، میں ان کو پیار کرتا ہوں۔

تو دل میں صرف اللہ مراد ہو پھر صاحبِ نسبت شیخ کے پاس بیٹھو تو اس کی کیفیتِ احسانی، ایمان و یقین وحضور مع الحق آپ کے دل میں منتقل ہوجائے گا۔حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ اپنے بزرگوں سے یہ احسانی کیفیت ملنے سے پھر آپ کی دو رکعات ایک لاکھ رکعات کے برابر ہو جائیں گی اور اپنے بزرگوں کے بارے میں یہی حسنِ ظن رکھیں کہ ان کی دو رکعات ہماری ایک لاکھ رکعات سے افضل ہیں، ان کا ایک سجدہ ہمارے لاکھ سجدے سے افضل ہے، ان کا ایک اللہ کہنا ہمارے ایک لاکھ اللہ کہنے سے افضل ہے۔مثال کے طور پر فرض کرلیں کہ اللہ تعالیٰ تھوڑی دیر کے لیے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دنیا میں بھیج دیں اور ان کی مجلس میں اس امت کے تمام صحابہ اور اُمم سابقہ کے تمام صحابہ اور اس امت

کے تمام اکابر اولیاء اللہ اور اُمم سابقہ کے تمام اولیاء اللہ موجود ہوں اور حضرت صدیق اکبر ایک بار اللہ کہیں اور تمام صحابہ اور اولیاء اللہ ایک بار اللہ کہیں تو بتایئے حضرت صدیق اکبر کا اللہ سب سے بڑھ جائے گا یا نہیں؟ اس کی وجہ کیا ہے؟ کیونکہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جو کیفیتِ احسانی حاصل ہے وہ کسی کو حاصل نہیں۔ معلوم ہوا کہ کیفیتِ احسانیہ اصل چیز ہے۔ جس کی کیفیتِ احسانی جتنی قوی ہوتی ہے اسی اعتبار سے اس کا عمل مقبول ہوتا ہے اور جس کو یہ کیفیت جتنی زیادہ حاصل ہوتی ہے اتنی ہی تیزی سے وہ اللہ کا راستہ طے کرتا ہے جیسے بعض جہاز چھ گھنٹے میں جدہ پہنچتے ہیں اور بعض تین گھنٹے میں پہنچ جاتے ہیں بوجہ زیادہ اسٹیم کے۔ جس کی احسانی کیفیت قوی ہوتی ہے اس کی رفتارِ سلوک میں بہت تیزی آجاتی ہے وہ بہت جلد اللہ تک پہنچتا ہے اسی لیے بزرگوں نے فرمایا کہ اپنی تنہائیوں کی عبادتوں سے لاکھ درجہ بہتر سمجھو کہ کسی صاحبِ نسبت کے پاس تھوڑی دیر بیٹھ جاؤ وہاں تمہیں پکی پکائی مل جائے گی۔ مولانا رومی فرماتے ہیں کہ اگر سیب خریدنا ہو تو بازار اور منڈی سے مت خریدو سیب کے باغ میں چلے جاؤ۔ بازار میں تو باسی اور گلا سڑا سیب ملے گا اور بازار کے گرد و غبار اور دھوپ کی گرمی سے الگ سابقہ بڑے گا اور باغ میں تازہ تازہ سیب پا جاؤ گے۔ تو اللہ والوں کے پاس بیٹھنا گویا سیب کے باغ میں بیٹھنا ہے، اگر ان کے یہاں سوتے بھی رہو گے تو ان کی نسبت مع اللہ کے سیب کی خوشبو ملتی رہے گی۔ میرے شیخ حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب دامت برکاتہم فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص رات کی رانی کے نیچے چارپائی بچھا کر سو جائے تو صبح جب اُٹھے گا تو دماغ تازہ ملے گا۔

اسی طرح اولیاء اللہ کی خانقاہوں میں اگر کوئی سو بھی جائے، تہجد بھی نہ پڑھے تو بھی قلب میں نور پہنچ جائے گا۔ سائنس دانوں کے نزدیک تو انسانوں کی سانس میں کاربن ڈائی آکسائیڈ ہوتی ہے لیکن انبیاء علیہم السلام کی سانس میں اور اولیاء اللہ کی سانس میں صرف کاربن ڈائی آکسائیڈ نہیں ہوتی ان کے پاکیزہ انوار کو سائنس دان کیا جانیں۔ انفاسِ نبوت، صحابہ ساز ہوتے ہیں اور انفاسِ اولیاء اولیاء ساز ہوتے ہیں کیونکہ ان کے قلب میں اللہ کا نور بھرا ہوا ہے۔ جلے بُھنے دل سے جو سانس نکلتی ہے اس میں وہ انوار شامل ہوتے ہیں جو دوسرے دلوں میں نفوذ کر جاتے ہیں۔

لیکن صحبت اہل اللہ کے باوجود جن لوگوں کے سلوک میں دیر ہو رہی ہے، وصول الی اللہ، نصیب نہیں ہو رہا ہے وہ کسی نہ کسی گناہ میں مبتلا ہیں۔ ذکر بھی کرتے ہیں لیکن ذکر سے جہاں نور پیدا ہوا پھر بدنظری کر کے یا کوئی گناہ کر کے اسے بجھا دیا۔ مولانا رومی نے اس کی عجیب مثال دی ہے ایک حکایت سے۔ دو چور ایک گھر میں داخل ہوئے۔ آٹھ سو سال پہلے کی حکایت بیان فرما رہے ہیں۔ جب دو چقماق پتھر کو آپس میں رگڑ کر اندھیرے میں روشنی کی جاتی تھی۔ دونوں میں آپس میں یہ طے ہوا کہ ایک تو مال لوٹے گا اور دوسرا

یہ کام کرے گا کہ مالک مکان جب روشنی کے لیے پتھر رگڑے گا تو تم اس روشنی پر انگلی رکھتے رہنا تاکہ روشنی نہ ہونے پائے اور مالک مکان دیکھنے نہ پائے۔ چنانچہ مالک مکان کو شبہ ہوا کہ گھر میں چور آ گئے ہیں اور چوری ہو رہی ہے تو اس نے چقماق رگڑا کہ روشنی ہو تو دوسرے چور نے اس پر انگلی رکھ دی۔ جب وہ پتھر کو رگڑ کر روشنی کرنا چاہتا تھا چور اس پر انگلی رکھ دیتا تھا اور روشنی بجھ جاتی تھی۔ مولانا فرماتے ہیں کہ شیطان بھی اسی طرح بعضے سالکین کے نور پر انگلیاں رکھ رہا ہے۔ جب سالک نے اللہ اللہ کیا، تلاوت کی شیطان نے فوراً اس کی آنکھوں سے کسی عورت کو دِکھا دیا، کسی لڑکے کے عشق میں مبتلا کر دیا، دل میں گندے خیالات میں مبتلا کر دیا۔ لہٰذا گناہوں کی وجہ سے اور مستقل نافرمانی کے سبب عمر گذر گئی اور یہ شخص صاحبِ نسبت نہ ہو سکا۔ حالانکہ رات دن خانقاہوں میں ہے، اولیاء اللہ کے جھرمٹ میں رہتا ہے، ابدال اور اقاطیب کے ساتھ رہتا ہے، ذکر و تلاوت بھی کرتا ہے لیکن گناہوں سے نہیں بچتا اس لیے اس کا نور تام نہیں ہوتا اور یہ محروم رہ جاتا ہے۔ لہٰذا جو شخص چاہے کہ اس کا نور تام ہو جائے اور وہ اللہ والا ہو جائے وہ گناہ سے ایسے بچے جیسے کسی خوبصورت سانپ سے بچتا ہے۔ بزرگوں نے فرمایا کہ گناہ سے اس لیے بھی بچو کہ گناہ ہم کو محبوبِ حقیقی تعالیٰ شانہ سے دور کرتا ہے۔ مولانا رومی نے کتنے درد سے یہ دعا مانگی ہے ؎

یارِ شب را روزِ مہجوری مدہ

جن کو اے اللہ آپ نے راتوں میں اپنی یاد کی توفیق دی ان کو جدائی کا دن نہ دکھایئے یعنی رات میں جنہوں نے اللہ اللہ کیا تہجد پڑھی آپ کو یاد کیا اے اللہ دن میں ان کو گناہ سے بچایئے۔ ایسا نہ ہو کہ دن میں ہم آپ کی عظمتوں کے خلاف اپنی بندگی کو استعمال کر لیں، اپنی نگاہوں سے آپ کی مرضی کے خلاف دیکھ لیں۔ کیونکہ عبادت اللہ تعالیٰ کی محبت کا حق ہے اور گناہ سے بچنا اللہ تعالیٰ کی عظمت کا حق ہے اللہ تعالیٰ کے دونوں حق ادا کر لیجیے اور ولی اللہ بن جایئے۔ (افضالِ ربانی، صفحہ: ۳۶۔۴۴)

حدیث نمبر ۱۰

﴿اَللّٰھُمَّ ارْضِنَا وَ ارْضَ عَنَّا﴾

(سننُ الترمذی، کتابُ التفسیرعن رسول اللہ ﷺ، سورۃ المؤمنون، ج: ۲، ص: ۱۵۰)

ترجمہ: اے اللہ! آپ ہم کو خوش کر دیجیے اور ہم سے خوش ہو جایئے۔

حدیث اَللّٰھُمَّ ارْضِنَا......الخ کی تشریح کی الہامی تمثیل

حدیثِ پاک کی دعا ہے اَللّٰھُمَّ ارْضِنَا وَ ارْضَ عَنَّا اے اللہ! آپ ہم کو خوش کر دیجیے اور ہم

سے خوش ہو جائیے۔ سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس دعا میں بندہ کی خوشی کو مقدم فرمایا اور اللہ کی خوشی کو مؤخر فرمایا۔ وجہ یہ ہے کہ علومِ نبوت قرآن پاک سے ماخوذ اور مقتبس ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿اِرۡجِعِیۡۤ اِلٰی رَبِّکِ رَاضِیَۃً مَّرۡضِیَّۃً﴾

(سورۃُ الفجر، اٰیۃ: ۲۸)

اے اطمینان والی روح! تو اپنے رب کی طرف چل اس طرح کہ تو اس سے خوش اور وہ تجھ سے خوش۔ بندہ کی خوشی کو اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام میں مقدم فرمایا اور اپنی خوشی کو مؤخر فرمایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا میں وہی ترتیب رکھی جو قرآن پاک میں نازل ہے لہٰذا یہ حدیث قرآن پاک کی اس آیت سے مقتبس ہے۔

علامہ آلوسی نے اس آیت کی تفسیر میں ایک سوال قائم کیا کہ اللہ تعالیٰ کی خوشی تو اعلیٰ چیز ہے اور بندوں کی خوشی اس کے مقابلہ میں ادنیٰ چیز ہے تو پھر بندوں کی خوشی کو اللہ تعالیٰ نے کیوں مقدم کیا؟ اس کا جواب خود علامہ آلوسی نے دیا کہ اس کا نام ہے اَلتَّرَقِّیُ مِنَ الۡاَدۡنٰی اِلَی الۡاَعۡلٰی کہ ترقی ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف دی جاتی ہے جیسے انٹر کے طالب علم کو بی اے میں داخلہ دیا جاتا ہے۔ لیکن اس کی ایک مثال اللہ تعالیٰ نے میرے قلب کو عطا فرمائی کہ کبھی ابا اپنے چھوٹے بچے کو لڈو دیتا ہے اور کہتا ہے کہ خوش ہو جا اور میں بھی تجھ سے خوش ہوں جب ہی تو یہ لڈو دیا ہے، اگر ناراض ہوتا تو کیوں دیتا۔ تو جس طرح ابا اپنی خوشی کو مؤخر کرتا ہے اور بچہ کی رعایت سے اس کی خوشی کو مقدم کرتا ہے تو جب ابا کی شفقت کا یہ تقاضا ہے تو ہمارے ربّا نے بھی ہمارا دل خوش کرنے کے لیے ہماری خوشی کو پہلے بیان کر دیا۔ وہاں شفقتِ پدری ہے اور یہ شفقتِ ربوبیت ہے اور ماں باپ کہاں سے شفقت لائیں گے یہ بھی اللہ تعالیٰ کی شفقت کا ظہور ہے۔ مولانا رومی اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرماتے ہیں ؎

مادراں را مہر من آموختم

اے ماؤں کی محبت پر ناز کرنے والو! ماؤں کو محبت کرنا تو میں نے ہی سکھایا ہے، اگر میں ان کے جگر میں محبت نہ ڈالتا تو یہ کہاں سے محبت لاتیں تو سوچو کہ پھر میری رحمت کا کیا عالم ہوگا۔ یہ تو ایک حصۂ رحمت کا ظہور ہے جس سے سارے عالم میں مخلوق ایک دوسرے سے محبت کر رہی ہے، ننانوے حصۂ رحمت تو میرے پاس ہے جس کا ظہور قیامت کے دن ہوگا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ مزاج شناسِ الوہیت کون ہوسکتا ہے لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے کلام کی اتباع میں اسی ترتیب سے دعا مانگی کہ اے اللہ آپ ہمیں خوش کر دیجئے اور ہم سے خوش ہو جائیے۔ آہ! بچہ یہی کہتا ہے کہ ابا ہم کو خوش کر دیجئے اور آپ بھی خوش ہو جائیے۔

اور ایک دعا یہ بھی کرتا ہوں اور سکھاتا بھی ہوں کہ جب اللہ تعالیٰ سے کوئی خوشی مانگو تو یوں کہو کہ اے

اللہ ہم تو آپ کو خوش نہیں کر سکے بوجہ اپنی نالائقی اور ضعفِ بشریت کے لیکن آپ ہم کو خوش کر دیجئے کہ آپ ہماری طرف سے خوشیوں سے بے نیاز ہیں لہٰذا اگر آپ ہمیں خوش نہیں کریں گے تو ہم کہاں سے خوشی پائیں گے کیونکہ آپ کے سوا ہمارا کوئی دوسرا مولیٰ بھی تو نہیں۔ آپ کے سوا ہمارا ہے ہی کون۔ (افضالِ ربانی، صفحہ:۷۷-۷۹)

حدیث نمبر ۱۱

﴿سَبْعَةٌ يُظِلُّهُمُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِيْ ظِلِّهٖ يَوْمَ لاَ ظِلَّ اِلاَّ ظِلُّهٗ اِمَامٌ عَادِلٌ وَ رَجُلٌ قَلْبُهٗ مُعَلَّقٌ بِالْمَسَاجِدِ وَ شَابٌّ نَشَأَ فِيْ عِبَادَةِ رَبِّهٖ ...... الخ﴾

(صحیحُ البخاری، کتابُ المحاربین، باب فضل من ترک الفواحش، ج:۲، ص:۱۰۰۵)

ترجمہ: سات قسم کے لوگ ایسے ہیں جن کو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اپنے عرش کا سایہ نصیب فرمائیں گے جس دن سوائے اس کے کوئی اور سایہ نہ ہوگا، ان میں پہلا شخص ہے امامِ عادل۔ اور ایک وہ آدمی ہے جس کا دل مسجد میں اٹکا رہے۔ اور وہ جوان جو اپنے عالمِ شباب کو اللہ پر فدا کر دے۔

امامِ عادل کی عجیب الہامی شرح

حدیثِ پاک میں ہے **سَبْعَةٌ يُظِلُّهُمُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِيْ ظِلِّهٖ يَوْمَ لاَ ظِلَّ اِلاَّ ظِلُّهٗ** سات قسم کے لوگ ایسے ہیں جن کو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اپنے عرش کا سایہ نصیب فرمائیں گے جس دن سوائے اس کے کوئی اور سایہ نہ ہوگا۔ ان میں پہلا شخص ہے امامِ عادل۔ آپ کہیں گے کہ اس حصہ کو تو ہم حاصل نہیں کر سکتے کیونکہ امامِ عادل کے معنیٰ ہیں سلطان، بادشاہ اور امیر المومنین۔ ہم لوگ کیسے بادشاہ بن سکتے ہیں لہٰذا علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ بدرالدین عینی رحمۃ اللہ علیہ اور ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ شراحِ حدیث نے ایک ایسا نکتہ بتایا کہ ہم سب کے سب اس صف میں شامل ہو سکتے ہیں اور گھر کا ہر بڑا شخص اپنے گھر کا امام ہے۔ **وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا** حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہاں متقیوں کی امامت مقصود نہیں ہے بلکہ یہ کہنا ہے کہ اے اللہ ہم اپنے گھر کے امام تو ہیں ہی لیکن اگر میرے گھر والے نافرمان رہیں گے تو میں امامُ الفاسقین رہوں گا اور اگر آپ میرے گھر والوں کو نیک متقی اور نمازی بنا دیں تو میں امامُ المتقین ہوں گا۔ تو ہر بڑا اپنے گھر میں عدل قائم کرے جو اپنے چھوٹوں پر، متبعین پر عدل قائم کرے گا اس کو بھی یہ فضیلت حاصل ہو جائے گی۔

اس حدیث کی شرح میں اللہ تعالیٰ نے ایک مضمون میرے قلب کو عطا فرمایا کہ ہر انسان کے پاس دو گز کی مملکت موجود ہے جس میں دارالسلطنت بھی ہے اور صوبے بھی ہیں۔ دل دارالسلطنت ہے، آنکھوں کا صوبہ ہے، کانوں کا صوبہ ہے، زبان کا صوبہ ہے لہٰذا جو سر سے پیر تک اپنی دو گز کی مملکت پر اللہ کی مرضی کے

مطابق عدل قائم کردے یہ بھی امامِ عادل میں داخل ہوجائے گا۔عدل کیا چیز ہے؟ عدل کواس کے تضاد سے سمجھئے کیونکہ تُعْرَفُ الْاَشْیَاءُ بِاَضْدَادِ هَا ہر چیز اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہے۔دن کو پہچاننے کے لیے رات کی ضرورت ہے، ایمان کو پہچاننے کے لیے کفر ہے، گرمی کو پہچاننے کے لیے سردی کی ضرورت ہے، عدل کی پہچان ظلم سے ہوتی ہے۔ ہروہ کام جواللہ کی مرضی کے خلاف ہوظلم ہے۔ جواپنی نظروں کونافرمانی سے نہیں بچاتا یہ ظالم ہے عادل نہیں ہے، جواپنے کانوں کونافرمانی سے نہیں بچاتا یہ ظالم ہے، عادل نہیں ہے جواپنی زبان سے نافرمانی کرتا ہے یہ ظالم ہے عادل نہیں ہے لہٰذا اگر چاہتے ہو کہ امامِ عادل کا مقام مل جائے یعنی عرش کا سایہ تواپنے جسم کی مملکت پر عدل قائم کردو۔کانوں پر عدل قائم کرو یعنی کانوں پر ظلم نہ کرو، گانا نہ سنو، آنکھوں پر عدل قائم کرو یعنی نامحرموں کو، کسی کی بہو بیٹی اور لڑکوں کو نہ دیکھو، زبان پر عدل قائم کرو یعنی غیبت سے بچو، کسی کو ایذا نہ پہنچاؤ اسی طرح گالوں پر عدل قائم کرو یعنی ڈاڑھیوں کو نہ منڈاؤ اسی طرح ٹخنوں پر عدل قائم کرو یعنی پاجامہ اور لنگی ٹخنوں سے نیچے نہ لٹکاؤ۔خواتین بھی عدل قائم کریں یعنی بغیر برقع کے گھروں سے نہ نکلیں۔

لہٰذا ہر شخص امامِ عادل ہوسکتا ہے۔دوگز کی جوزمین ہمیں ملی ہے ہم اس کے امیر، امام اور بادشاہ ہیں۔سوال ہوگا کہ آنکھوں کے صوبہ میں بغاوت کیوں ہوئی، کیوں بدنظری کرتے تھے، کانوں کے صوبہ میں بغاوت کیوں ہوئی، گالوں کے صوبہ میں ڈاڑھی منڈا کر کیوں تم نے بغاوت ہونے دی، تم نے اپنے قلب کے ہیڈکوارٹر اور دارالسلطنت سے اپنی قوتِ ارادیہ کی فوج سے ان صوبوں پر کیوں کرفیو نہیں لگایا لہٰذا جسم کی دوگز زمین کی مملکت پر جوشخص اللہ کی نافرمانی کرتا ہے، صوبوں کی بغاوت کوکنٹرول نہیں کرتا وہ امامِ عادل نہیں امامِ ظالم ہے اور جوشخص اس مملکت کوتابعِ فرمانِ الٰہی کردیتا ہے قیامت کے دن ان شاء اللہ اس کوامامِ عادل کا مقام حاصل ہوگا۔

امامِ عادل کی جوشرح اللہ نے میرے قلب کوعطا فرمائی، حدیثوں کی ساری شرحیں پڑھ لیجئے، محدثین سے پوچھ لیجئے، پھر اختر کی بات کوغور سے سنئے تو معلوم ہوگا کہ اللہ تعالیٰ اختر کی زبان سے کیا کام لے رہا ہے وَلَا فَخْرَ یَا رَبِّیْ اے اللہ کوئی فخر نہیں، آپ کی رحمت کی بھیک ہے۔ جب ہمارے طلباء یہ حدیث پڑھائیں گے اور اس تقریر کوپیش کریں گے تو ان شاء اللہ تعالیٰ علماء بھی وجد کریں گے کہ آج ہم پہلی دفعہ ایسی تقریر سن رہے ہیں۔(افضالِ ربانی، صفحہ:۷۹۔۸۱)

حدیثِ پاک کے دوسرے جز کی شرح

مکان کی محبت مکین سے اشد محبت کی دلیل ہے

قیامت کے دن جن لوگوں کوسایہ عرش عطا ہوگا ان میں سے ایک ہے رَجُلٌ قَلْبُهٗ مُعَلَّقٌ

بِالْمَسَاجِدِ وہ آدمی جس کا دل مسجد میں اٹکا رہے۔ نماز پڑھ کر آ گیا اور مارکیٹ میں دوکان کے اندر بیٹھا ہے اور دل لگا ہوا ہے کہ کب دوسری اذان ہو اور اللہ کے گھر چلوں۔ اس کی شرح اللہ والوں نے یہ کی ہے کہ جس کا دل مسجد میں لٹکا ہوا ہے یعنی جس کو اللہ کے گھر سے اتنا پیار ہے تو اس کو خود اللہ سے کتنا پیار ہوگا۔ ایک تاجر نے کہا یہ کیسے ممکن ہے کہ ہم دوکان میں ہوں اور دل مسجد میں ہو تو حضرت حکیم الامت تھانوی نے فرمایا کہ یہ ایسے ہی ممکن ہے جیسے اس وقت ہے کہ تم مسجد میں ہوتے ہو اور دل دوکان میں ہوتا ہے۔ ابھی دوکان اور تجارت کی محبت غالب ہے تو جسم مسجد میں ہوتا ہے اور دل دوکان میں اٹکا رہتا ہے جب اللہ کی محبت غالب ہو جائے گی تو جسم دوکان میں ہوگا اور دل مسجد میں ہوگا جس کی محبت غالب ہوتی ہے پھر اسی کی یاد غالب ہو جاتی ہے۔ پھر دل میں بھی اللہ کا دھیان رہے گا اور زبان سے بھی بات بات میں اللہ کا نام لو گے۔ تاجر کو مال بھیجنا ہے تو کہو گے کہ ان شاء اللہ کل بھیج دوں گا، کوئی خوشی آئی تو کہو گے الحمدللہ، اے اللہ آپ کا احسان ہے، شکر ہے، کبھی سبحان اللہ کبھی ماشاء اللہ بات بات میں ان کا نام لو گے کیونکہ ؂

ان سے ملنے کو بہانہ چاہیے

اور نماز کے لیے پانچ وقت اللہ تعالیٰ کا مسجد میں بلانا یہ بھی اللہ کی رحمت ہے کسی کی ماں کہے بیٹا مجھے دن میں پانچ بار اپنا چہرہ دِکھا جایا کرو تو بیٹا کہتا ہے کہ میری ماں مجھ سے بہت پیار کرتی ہے تو کیا یہ اللہ تعالیٰ کا پیار نہیں ہے کہ پانچوں وقت ہمیں بلاتے ہیں اور حی علی الصلوٰۃ سے اعلان کراتے ہیں جس کا عاشقانہ ترجمہ یہ کرتا ہوں کہ اے میرے غلامو! جلدی جلدی وضو کر کے تیار ہو جاؤ مولائے کریم اپنے غلاموں کو یاد فرما رہے ہیں۔ اور جو ظالم اذان سن کر بھی مسجد کی طرف نہ جائے تو سمجھ لو کہ وہ کتنا محروم ہے کہ اتنا بڑا مالک بلا رہا ہے پھر بھی نہیں جاتا۔ یہ جس دنیا سے لپٹا ہوا ہے اور جس کی محبت میں یہ مسجد نہیں جا رہا ہے وہ دنیا ایک دن اس کو لات مار کر قبر میں دھکیل دے گی اس دن پتہ چلے گا کہ جس پر ہم مر رہے تھے وہ کام نہ آئی۔ اگر اللہ پر مرتے تو وہ اللہ زمین کے نیچے بھی ساتھ دیتا ہے قیامت کے دن بھی ساتھ دے گا۔ جنت میں بھی ساتھ دے گا۔ ایسے مالک کو خوش نہ کرنا اس سے بڑھ کر نادانی اور بے وفائی اور احسان فراموشی کیا ہو سکتی ہے۔ (انعاماتِ ربانی، صفحہ:۸۶۔۸۷)

حدیثِ پاک کے تیسرے جز کی شرح

سایۂ عرش حاصل کرنے کا طریقہ

جو اپنی جوانی کی اُٹھان کو اپنے رب کی عبادت میں استعمال کر لے اس کو قیامت کے دن عرش کا سایہ ملے گا۔ یہ بخاری شریف کا متن ہے مگر شارح بخاری علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ چودہ جلدوں کی شرح فتح الباری میں فرماتے ہیں کہ ایک روایت اور آئی ہے:

﴿شَابٌّ اَفْنٰی نَشَاطَهٗ وَ شَبَابَهٗ فِیْ عِبَادَةِ رَبِّهٖ﴾

جو جوان اپنی جوانی کو اپنے رب پر جلا کر خاک کر دے، اپنی خواہشات کا غلام نہ بنے اور بری بری خواہشوں سے یہ اعلان کر دے ؎

جلا کے راکھ نہ کردوں تو داغ نام نہیں

اے نفس! مجال نہیں ہے کہ تو مجھ پر غالب آ جائے، میں اپنے مولیٰ کو ناراض نہیں کروں گا چاہے میری جوانی رہے یا نہ رہے، ایک جوانی کیا چیز ہے اگر ہم ایک کروڑ جوانی بھی اللہ پر فدا کر دیں تو اس کا حق ادا نہیں ہوسکتا۔ تو ابن حجر عسقلانی یہ روایت نقل فرماتے ہیں کہ جو جوان اپنی جوانی کو اللہ پر فدا کر دے اور جوانی کی حرام خوشیوں کو فنا کر دے تو اس کو بھی عرش کا سایہ ملے گا اور علامہ بدر الدین عینی نے شرح بخاری عمدۃ القاری میں لکھا ہے:

﴿شَابٌّ جَمِیْلٌ دَعَاهُ الْمَلِکُ لِیَتَزَوَّجَ بِنْتَهٗ بِهٖ فَخَافَ اَنْ یَّرْتَکِبَ بِهِ الْفَاحِشَةَ فَامْتَنَعَ﴾

ایک خوبصورت جوان کو بادشاہ نے بلایا تاکہ اس سے اپنی بیٹی کا نکاح کر دے مگر وہ بادشاہ عادت کا اچھا نہ تھا، اس نوجوان کو ڈر لگا کہ یہ بیٹی تو دے گا مگر میرے حسن کو غلط استعمال کرے گا، میرے ساتھ بدفعلی کرے گا لہٰذا اس نے انکار کر دیا کہ ہم آپ کی بیٹی سے شادی نہیں کرنا چاہتے تو علامہ بدر الدین عینی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کو بھی عرش کا سایہ دے گا کیونکہ اس نے اپنی جوانی کو اللہ پر فدا کر دیا۔

حسن کا شکر کیا ہے؟

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ سورۂ یوسف کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ حسن کا شکریہ کیا ہے؟ اگر خدائے تعالیٰ کسی کو حسین پیدا کریں تو حسن کا شکریہ کیا ہے؟ فرماتے ہیں:

﴿فَاِنَّ شُکْرَ الْحُسْنِ اَنْ لَّا یُشَوِّهَ فِیْ مَعَاصِی اللّٰهِ تَعَالٰی شَانُهٗ﴾

جس کو اللہ حسین پیدا کرے اس کے حسن کا شکریہ یہ ہے کہ اپنے حسن کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں استعمال نہ کرے، جس نے حسن دیا ہے اُسی پر حسن کو فدا کرے، جس نے دردِ دل دیا ہے اُسی پر دردِ دل کو فدا کرے۔ اب رہ گیا کہ جوانی اللہ پر کیسے فدا ہو تو اس کے لیے علمِ دین حاصل کرنے میں جان گھلائے، بہترین جید عالمِ دین بنے، حاشیہ دیکھے، شروح دیکھے، متن کو حل کرے یہاں تک کہ اعراب بھی دیکھے کہ کس باب سے ہے، جو اس غم میں گھل جائے وہ بہترین عالمِ دین ہوگا لیکن جوانی میں تین کام ایسے ہیں کہ جوان تین کاموں سے بچ جائے گا اس کی جوانی مرتے دم تک جوان رہے گی، اس کے بال سفید ہو جائیں گے مگر اس پر عالمِ شباب کی کیفیت طاری رہے گی کیونکہ اس نے اپنے شباب کو اللہ پر فدا کیا ہے۔ (طریق الی اللہ،ص:۱۱)

حدیث نمبر۱۲

﴿فَلَکَ الْحَمْدُ وَ لَکَ الشُّکْرُ﴾

(سنن ابی داؤد، کتابُ الادب، باب ما یقول اذا اصبح، ج: ۲، ص: ۳۳۶)

ترجمہ: اے اللہ! تمام تعریفیں آپ کے لیے ہیں اور آپ کا شکر ہے۔

ایک صاحب نے مجھ سے کہا کہ بہت لوگ میرے مرید ہو رہے ہیں کہیں میرے دل میں بڑائی نہ آ جائے۔ میں نے کہا جب بہت زیادہ مرید ہوں یا لوگ آپ کی تعریف کریں تو فوراً کہو **اَللّٰھُمَّ لَکَ الْحَمْدُ وَ لَکَ الشُّکْرُ** کہ اے اللہ! تمام تعریفیں آپ کے لیے ہیں۔ شکر ہے آپ کا۔ ہم تو مٹی ہیں بس آپ کے کرم کے سورج کی شعاعیں پڑ گئیں جو یہ مٹی چمک رہی ہے۔ یہ تو آپ کا کمال ہے، ہمارا کیا ہے۔ اگر مٹی چمکتی ہے سورج کی شعاعوں سے تو یہ مٹی کا کمال نہیں ہے، یہ سورج کی شعاعوں کا کمال ہے۔ اگر مٹی کو ناز ہو جائے اور سورج اپنا رُخ پھیر لے تب پتہ چلے گا کہ مٹی میں کیا چمک ہے۔ لہٰذا تکبر کا بہترین علاج یہی ہے کہ جب کبھی کوئی تعریف کرے تو فوراً پڑھو **اَللّٰھُمَّ لَکَ الْحَمْدُ وَ لَکَ الشُّکْرُ** شکر سے قرب ہوتا ہے اور تکبر سے دوری ہوتی ہے یعنی شکر سببِ قرب ہے اور کبر سببِ بُعد ہے اور سببِ قرب اور سببِ بُعد کا جمع ہونا محال ہے لہٰذا اللہ کا شکر کرتے ہی تکبر بھاگ جائے گا جیسا کہ ایک مچھر نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی عدالت میں مقدمہ دائر کیا کہ جب اپنا پیٹ بھرنے کے لیے میں خون چوستا ہوں تو ہوا مجھے اُڑا کر لے جاتی ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ عدالت میں مدعی اور مدعا علیہ دونوں کا موجود ہونا ضروری ہے لہٰذا تم مدعی ہو میں ابھی مدعا علیہ کو بلاتا ہوں اور ہوا کو حاضر ہونے کا حکم دیا۔ جب ہوا آئی تو یہ بھاگ گیا اور کہا کہ میں بھاگا نہیں ہوں بھگایا گیا ہوں کیونکہ ہوا کے سامنے میں ٹھہر نہیں سکتا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ہوا سے فرمایا کہ تو چلی جا۔ جب مچھر آیا تو آپ نے ڈانٹ کر فرمایا کہ جب مدعا علیہ آیا تو تم کیوں بھاگ گئے۔ اس نے کہا یہی تو رونا ہے کہ جب ہوا آتی ہے تو میرا وجود نہیں رہتا اور میرا پیٹ نہیں بھرتا۔ میں خون چوسنے میں لگا ہوتا ہوں کہ ہوا آتی ہے اور مجھے بھگا دیتی ہے۔ مولانا رومی نے اس واقعہ کو بیان کر کے فرمایا کہ جب اللہ اپنی تجلیاتِ خاصہ سے تمہارے دل میں متجلی ہوگا تو تمہارے اندھیرے خود ہی نہیں رہیں گے ۔

می گریزد ضدہا از ضدہا
شب گریزد چوں بر افروزد ضیا

جب آفتاب نکلتا ہے تو رات خود بھاگتی ہے، اُسے بھگانا نہیں پڑتا لہٰذا ظلمات کو بھگانے کی فکر نہ کرو آفتاب

سے دوستی کرلو، اندھیرے خود بخود بھاگ جائیں گے۔ لہٰذا جب مخلوق تعریف کرے تو کہیے **اَللّٰھُمَّ لَکَ الْحَمْدُ وَ لَکَ الشُّکْرُ** اللہ تعالیٰ کے شکر سے اپنے اوپر سے نظر ہٹ جائے گی اور اللہ کی عطا پر ہو جائے گی جس سے اللہ کا قرب نصیب ہوگا اور قرب اور بُعد کا جمع ہونا محال ہے لہٰذا جب شکر پیدا ہوگیا تو تکبر خود بھاگ جائے گا۔ (افضالِ ربانی، ص:۲۸)

حدیث نمبر ۱۳

﴿اِتَّقِ الْمَحَارِمَ تَکُنْ اَعْبَدَ النَّاسِ﴾

(سننُ الترمذی، کتابُ الزھد، باب من اتقی المحارم فھو اعبد الناس، ج: ۲، ص: ۵٦)

ترجمہ: حرام سے بچو تم سب سے بڑے عبادت گذار ہو جاؤ گے۔

چوبیس گھنٹے کا عبادت گذار

ذکر کا سب سے اونچا مقام یہ ہے کہ اپنے مالک کو ایک سانس اور ایک لمحہ کو ناراض نہ کرو۔ کوئی شخص چوبیس گھنٹے کمّاً و کیفاً، زماناً و مکاناً کیسے ذکر کرسکتا ہے لیکن جو شخص تقویٰ سے رہتا ہے، گناہ سے بچتا ہے وہ چوبیس گھنٹے ذاکر ہے، اس سے بڑا اللہ کو یاد کرنے والا کوئی اور نہیں ہوسکتا۔ اسی لیے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے **اِتَّقِ الْمَحَارِمَ تَکُنْ اَعْبَدَ النَّاسِ** حرام سے بچو تم سب سے بڑے عبادت گذار ہو جاؤ گے۔ ایک آدمی دس پارہ تلاوت کرتا ہے، بیس رکعات نفل پڑھتا ہے، ہر ماہ عمرہ کرتا ہے لیکن تقویٰ والے کو سب سے بڑا عبادت گذار کیوں فرمایا گیا؟ کیونکہ عابد زیادہ سے زیادہ آٹھ گھنٹے عبادت کرلے گا، دس گھنٹے عبادت کرلے گا اس کے بعد دماغ ماؤف ہو جائے گا اور عبادت پر قادر نہ ہو سکے گا۔ عابد کو کبھی عبادتِ زمانیہ حاصل ہوتی ہے، کبھی عبادتِ مکانیہ حاصل ہوتی ہے کسی زمانے میں عبادت کرے گا اور کسی زمانے میں نہیں کر پائے گا، کسی مکان میں عبادت کرے گا اور کسی میں نہیں کر پائے گا لہٰذا اس کا کوئی زمانہ عبادت سے معمور ہوگا، کوئی زمانہ خالی ہوگا، کوئی مکان عبادت والا ہوگا اور کوئی عبادت سے خالی ہوگا لیکن متقی یعنی گناہ نہ کرنے والا زماناً و مکاناً کمّاً و کیفاً چوبیس گھنٹے عبادت میں ہے، چوبیس گھنٹے ذاکر ہے کیونکہ اللہ کو ناراض نہیں کررہا ہے اس لیے **اَعْبَدَ النَّاسِ** ہے اگرچہ کچھ نہیں کررہا ہے، نہ نفل پڑھ رہا ہے، نہ تلاوت کررہا ہے، نہ ذکر کررہا ہے خاموش بیٹھا ہے لیکن عبادت میں ہے کیونکہ کوئی گناہ نہیں کررہا ہے۔ سو رہا ہے تو بھی عبادت میں ہے، بیوی بچوں سے بات کررہا ہے تو بھی عبادت میں ہے کیونکہ کسی گناہ میں مبتلا نہیں ہے اس لیے اس کا ہر زمان اور ہر مکان نورِ تقویٰ سے مشرف ہے، لہٰذا متقی کو ذکرِ دوام اور عبادتِ دائمہ حاصل ہے۔ بتایئے اللہ کو ناراض نہ کرنا کیا عبادت نہیں ہے؟ یہی وہ عبادت ہے کہ بہ نصِ قطعی جس سے اللہ کی

ولایت اور دوستی نصیب ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿اِنْ اَوْلِیَآؤُہٗ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ﴾

(سورۃ الانفال، اٰیۃ: ۳۴)

صرف متقی بندے اللہ کے اولیاء ہیں۔ تقویٰ غلامی کے سر پر ولایت کا تاج رکھتا ہے۔ لیکن متقی کے معنی یہ نہیں ہیں کہ کبھی اس سے خطا ہی نہ ہوگی احیاناً کبھی صدورِ خطا بھی ہوسکتا ہے لیکن وہ خطا پر قائم نہیں رہ سکتا اور گریہ و زاری، اشکباری اور آہ زاری سے پھر اللہ کی یاری حاصل کر لیتا ہے۔ یہ صاحبِ خطا بہ برکتِ استغفار و توبہ صاحبِ عطا ہو جاتا ہے۔ ایسا شخص بھی متقین کے زُمرہ میں شمار ہوگا۔ حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ متقی رہنا اتنا ہی آسان ہے جتنا باوضو رہنا۔ وضو ٹوٹ جائے تو دوبارہ وضو کر کے آدمی باوضو ہو جاتا ہے اسی طرح اگر کبھی تقویٰ ٹوٹ جائے تو پھر توبہ و استغفار کر لو آپ متقی کے متقی ہیں۔ خطا پر ندامت و آہ، آپ کو دائرۂ تقویٰ سے خارج نہیں ہونے دے گی۔ (انعاماتِ ربانی، صفحہ: ۳۲-۳۴)

عابدین کی عبادت وقتیہ محدود یہ ہے، وہ اللہ تعالیٰ کو خوش کرنے کی عبادت میں ایک محدود وقت تک ہی رہ سکتے ہیں مثلاً نوافل، ذکر و تلاوت ایک محدود وقت تک ہی کر سکتے ہیں لیکن جو شخص تقویٰ سے رہتا ہے، گناہ سے بچتا ہے وہ ہر وقت عبادت میں ہے۔ اس کا ہر منٹ ہر سیکنڈ، ہر سانس اللہ تعالیٰ کو ناراض نہ کرنے کی عبادت میں مشغول ہے۔ اس لیے متقی چوبیس گھنٹہ کا عبادت گذار ہے کیونکہ چوبیس گھنٹے وہ اللہ کو ناراض نہ کرنے کی عبادت میں ہے۔ قلباً و قالباً وعیناً، ایک لمحہ بھی اللہ کو ناراض نہیں کرتا اسی لیے اس حدیثِ پاک میں متقی کو سب سے بڑا عبادت گذار فرمایا گیا۔ اور اگر کبھی خطا ہو جائے تو جب تک توبہ و استغفار سے، اشکبار آنکھوں سے اللہ کو راضی نہیں کر لیتا اس کو چین نہیں آتا۔ حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ متقی رہنا اتنا ہی آسان ہے جتنا باوضو رہنا کہ وضو اگر ٹوٹ جائے تو دوبارہ وضو کر لو۔ اسی طرح تقویٰ اگر کبھی ٹوٹ جائے تو توبہ کر کے دوبارہ متقی ہو جاؤ۔ بس شرط یہی ہے کہ توبہ کرتے وقت توبہ توڑنے کا ارادہ نہ ہو، پکا ارادہ ہو کہ اب یہ گناہ کبھی نہیں کروں گا۔ اگر وسوسہ آئے کہ تو پھر یہ گناہ کرے گا تو وسوسہ کا اعتبار نہیں۔ وسوسۂ شکستِ توبہ، عزمِ شکستِ توبہ نہیں ہے۔ اس کے باوجود بالفرض اگر آئندہ کبھی نفس سے مغلوب ہو کر توبہ ٹوٹ گئی تو اس سے پہلی توبہ باطل نہیں ہوئی وہ ان شاء اللہ قبول ہے۔ پھر دوبارہ توبہ کر لو اور پھر عزم کرو کہ آئندہ کبھی توبہ نہ توڑوں گا، کبھی یہ گناہ نہ کروں گا۔

تو میں نے گذارش کی کہ قلب میں اللہ تعالیٰ کی محبت کا دریائے لازوال وغیر محدود حاصل کرنے کا یعنی منتہائے اولیاء صدیقین تک پہنچنے کا راستہ یہ ہے کہ حواسِ خمسہ کے راستوں سے حرام لذت کا ایک ذرّہ

داخل نہ ہونے دو اور ارادہ کرلو کہ اولیاء صدیقین کی آخری سرحد تک پہنچ کر مریں گے اور دعا بھی کرو کہ اے اللہ ہم سب کو اولیاء صدیقین کی خطِ انتہا تک پہنچا دے، ہم کو بھی، ہمارے بال بچوں کو بھی، ہمارے احبابِ حاضرین اور غائبین کو بھی۔

اب سوال یہ ہوتا ہے کہ اولیاء صدیقین کون ہیں؟ تو علامہ آلوسی نے صدیق کی تین تعریف کی ہے:

(۱) اَلَّذِیْ لَا یُخَالِفُ قَالُہٗ حَالَہٗ جس کا قول اور حال ایک ہو یعنی دل و زبان ایک ہو، جس کا دل اس کی زبان کے ساتھ ہو یعنی زبان اس کے دل کی ترجمان ہو۔ اس کے قول و حال اور دل اور زبان میں فاصلے نہ ہوں۔ اور صدیق کی دوسری تعریف ہے:

(۲) اَلَّذِیْ لَا یَتَغَیَّرُ بَاطِنُہٗ مِنْ ظَاھِرِہٖ جس کا باطن ظاہری حالات سے متاثر نہ ہو۔ اور صدیق کی تیسری تعریف ہے:

(۳) اَلَّذِیْ یَبْذُلُ الْکَوْنَیْنِ فِیْ رِضَا مَحْبُوْبِہٖ (تفسیر روح المعانی، ج: ۱۱) صدیق وہ ہے جو دونوں جہان اللہ پر فدا کر دے۔ دنیا فدا کرنا تو سمجھ میں آتا ہے لیکن آخرت کیسے فدا کریں؟ یعنی جنت کے لالچ میں نیک عمل مت کرو اللہ کی خوشی کے لیے کرو اور جنت کو ثانوی درجہ میں رکھو۔ دلیل اس کی ہے:

﴿ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ رِضَاکَ وَالْجَنَّۃَ وَاَعُوْذُ بِکَ مِنْ سَخَطِکَ وَالنَّارِ ﴾

(تفسیر اللباب لابن عادل)

سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا جنت کو موخر کرنا دلیل ہے کہ اے اللہ کے عاشقو! پہلے اللہ کو خوش کرنے کے لیے روزہ نماز کرو، جنت کو ثانوی درجہ میں رکھو اور گناہ جب چھوڑو تو پہلے اللہ کی ناراضگی کے خوف سے چھوڑو اور اس کی دلیل ہے وَاَعُوْذُ بِکَ مِنْ سَخَطِکَ وَالنَّارِ اے خدا پہلے میں تیری ناخوشی سے پناہ چاہتا ہوں پھر دوزخ سے۔ اور جہنم کو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ثانوی درجہ میں کر دیا کیونکہ اے اللہ تیرا ناراض ہونا جہنم سے کم نہیں۔ اس دعا میں اُمت کو آپ نے تعلیم دے دی کہ اے اللہ آپ کو ناخوش کرنا، گناہ کر کے حرام خوشی لانا اور حسینوں کے نمک حرام کو چکھنا یہ آپ کی ناراضگی کا سبب ہے اس لیے ہم آپ کی ناخوشی سے بچنا چاہتے ہیں، ہم اپنی خوشیوں پر لعنت بھیجتے ہیں۔

(۴) صدیق کی تین تعریفیں تو آپ نے سن لیں اور چوتھی تعریف اللہ تعالیٰ نے اختر کو اپنے مبداء فیض سے براہِ راست عطا فرمائی بہ دعائے بزرگاں بطفیل اہل اللہ۔ جس مبداء فیاض سے علامہ آلوسی کو عطا ہوا اس مبداء فیاض سے اگر اختر کو بھی عطا ہو جائے تو کیا تعجب ہے۔ وہ چوتھی تعریف یہ ہے کہ جو بندہ اپنی ہر

سانس کواللہ پر فدا کرے اور ایک سانس بھی اللہ کو ناخوش کر کے حرام خوشیاں اپنے اندر نہ لائے یہ بھی صدیق ہے۔اللہ تعالیٰ اپنے کرم سے یہ مقام ہم سب کو عطا فرمائے اور ولایتِ صدیقیت کی انتہا تک محض اپنے کرم سے ہم سب کو پہنچادے اگرچہ ہمارے سینے اس کے اہل نہیں لیکن اے اللہ آپ تو اہل ہیں ہم نااہلوں کو اہل بنانے پر بھی قادر ہیں لہٰذا ہم نالائقوں پر اپنے کرم کی موسلا دھار بارش برسا دیجیے، آمین یارب العالمین۔

(درسِ مثنوی مولانا روم، صفحہ:۱۷۴-۱۷۹)

حدیثِ پاک اِتَّقِ الْمَحَارِمَ تَكُنْ اَعْبَدَ النَّاسِ کا ترجمہ یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ارشاد فرمایا کہ اے ابو ہریرہ! تم اگر گناہ سے بچو، اللہ تعالیٰ کو ناراض نہ کرو تو تم سب سے بڑے عبادت گذار ہو جاؤ گے، متقی کو سب سے بڑا عبادت گذار اس لیے فرمایا چونکہ تقویٰ چوبیس گھنٹہ کی عبادت ہے۔نوافل و ذکر و تلاوت کوئی چوبیس گھنٹہ نہیں کر سکتا لیکن گناہ نہ کرنے کی عبادت چوبیس گھنٹے جاری رہتی ہے۔

حق ربوبیت اور تقاضائے بندگی

خدائے تعالیٰ کو ناراض نہ کرنا حق تعالیٰ کی پرورش اور احسان کا بھی تقاضا ہے اور شرافتِ بندگی کا بھی تقاضا ہے کہ اپنے پالنے والے کو ناراض کر کے ہم لذتوں کو اپنے قلب میں نہ لائیں اور یہ حقیقت وہ ہے کہ لائق بچے بھی جس پر عمل پیرا ہیں کہ محلّہ کا کوئی لڑکا اگر کہتا ہے کہ چلو آج سینما دیکھیں تو شریف بچہ کہتا ہے کہ نہیں ابا ناراض ہو جائیں گے۔ اگر وہ کہتا ہے کہ آج ابا کی فکر چھوڑو، ابا کو ناراض ہونے دو تو جو لائق بیٹا ہوتا ہے وہ یہی کہتا ہے کہ ابا نے ہمیں پالا ہے ہم تمہارے مشورہ پر عمل کر کے اپنے پالنے والے کو ناراض نہیں کریں گے۔اللہ تعالیٰ رب العلمین ہیں سارے عالم کو پال رہے ہیں وہ اس کے زیادہ حقدار ہیں کہ ہم ان کو ایک لمحہ کے لیے ناراض نہ کریں۔وہ سارے عالم کے پروردگار ہیں، سارے عالم کی پرورش کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ لی ہے اور ہم سب اجزائے عالم ہیں، تو جو سارے عالم کو پال سکتا ہے وہ جزوِ عالم کو نہیں پال سکتا؟ لہٰذا شیطان کی دھمکی سے مت متأثر ہو کہ تم کہاں سے کھاؤ گے۔کہیں ایسا نہ ہو کہ شیطان کی چال میں آ کر رزق کے معاملہ میں تم حرام وحلال کی پروانہ کرو۔اللہ تعالیٰ نے ہمارے ذمہ رزق نہیں رکھا ہے، ہر جاندار کے رزق کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے خود لی ہے بس تھوڑا سا سبب تو اختیار کرنا پڑے گا مثلاً دوکان کھولنی پڑے گی لیکن گاہک اللہ تعالیٰ بھیجے گا اس لیے ان کو ناراض کر کے نہ رزق کماؤ نہ کوئی ایسا کام کرو جوان کی ناراضگی کا سبب ہو۔

چھوٹے بچوں سے وفاداری کا سبق

لہٰذا جب دل میں کوئی خواہش پیدا ہو تو اللہ تعالیٰ کے نام پر اختر اپیل کرتا ہے اور گو عجمی ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اس وقت عرب میں مقرر ہوں ورنہ اگر مالک آپ لوگوں کے دلوں میں محبت نہ ڈالتا تو میری بات آپ کیوں سنتے۔ اس لیے دردِ دل سے کہتا ہوں کہ جب دل میں کوئی خواہش پیدا ہو تو فوراً ایک چھوٹے بچے سے سبق لے لو۔ بعض بچے ایسے مہذب اور تربیت یافتہ ہوتے ہیں کہ اگر کوئی ان کو ٹافی پیش کرتا ہے کہ لو یہ ٹافی تو وہ بچہ اپنے ابا کو دیکھتا ہے کہ ابا کا کیا اشارہ ہے۔ جب ابا آنکھ سے اشارہ کر دیتا ہے کہ لے لو تو وہ بچہ لے لیتا ہے ورنہ نہیں لیتا۔ اسی طرح جب آپ کے دل میں بھی کوئی خواہش پیدا ہو اور شیطان حسین شکلوں کی ٹافی پیش کرے تو آسمان کی طرف دیکھو کہ ربا کیا چاہتا ہے، وہ اس بات سے خوش ہے یا نہیں۔ کیا ابا سے حق ربا کا زیادہ نہیں ہے؟ باپ نے یہ آنکھیں نہیں بنائی بِجَمِیۡعِ اَعۡضَائِنَا وَ بِجَمِیۡعِ اَجۡزَائِنَا وَ بِجَمِیۡعِ کَمِّیَاتِنَا وَ بِجَمِیۡعِ کَیۡفِیَّاتِنَا۔ ہم اللہ تعالیٰ کے غلام ہیں۔ ہمارا کوئی عضو اور کوئی جز، ہماری کوئی کیفیت اور کوئی خواہش ان کی غلامی سے آزاد نہیں ہے لہٰذا جب دل میں کوئی خواہش پیدا ہو خواہ نظر کی ہو یا زبان کی ہو، ہاتھ کی ہو یا پیر کی ہو تو ایک چھوٹے بچے سے سبق لے لو کہ وہ ابا کے اشارہ کے بغیر ایک ٹافی تک نہیں لیتا۔ آہ! ہم ایک چھوٹے بچے سے بھی گئے گذرے ہیں کہ ربّا کا اشارہ نہیں دیکھتے اور اپنی خواہش پر عمل کر لیتے ہیں لہٰذا شرافت بندگی کا تقاضا ہے کہ جب دل میں کوئی خواہش پیدا ہو تو ربا کا اشارہ دیکھو کہ وہ خوش ہے یا نہیں اور اپنے دل سے فتویٰ لے لو۔ اگر آپ کا دل فیصلہ کر دے کہ اے دل! تجھ کو تو مزہ آئے گا مگر اللہ تعالیٰ اس بات سے خوش نہیں ہوں گے تو بس پھر اپنی خوشیوں کا خون کرنا سیکھ لو۔ اسی خونِ آرزو سے وہ ملتے ہیں۔

عالمِ شباب کو اللہ تعالیٰ پر فدا کرنے کا انعام

اپنی مٹی کو ان مٹی کے کھلونوں پر مٹی مت کرو۔ جس اللہ تعالیٰ نے عالمِ شباب عطا فرمایا ہے اپنے شباب کو اسی پر فدا کرو کیونکہ بخاری شریف کی حدیث ہے کہ جس جوان نے اپنی جوانی اللہ تعالیٰ پر فدا کی اور نافرمانی سے جوانی کا عیش نہیں لیا اس کو قیامت کے دن سایۂ عرشِ الٰہی کا وعدہ ہے۔ بخاری شریف کی روایت ہے شَابٌ نَشَأَ فِیۡ عِبَادَةِ رَبِّهٖ جس جوان کی جوانی اپنے رب کی عبادت میں پروان چڑھی اور دوسری روایت ہے شَابٌ نَشَأَ فِیۡ عِبَادَةِ اللهِ اور تیسری روایت فتح الباری شرح بخاری میں علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کی ہے جس کو اختر آپ کے سامنے پیش کر رہا ہے کہ شَابٌ اَفۡنٰی شَبَابَهٗ وَ

نَشَاطَهُ فِیْ عِبَادَۃِ اللّٰہِ جس جوان نے اپنی جوانی کی نشاط اور خوشیاں سب اللہ تعالیٰ کی عبادت میں فنا کردیں اس کو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ عرش کا سایہ عطا فرمائیں گے جس دن اس سائے کے علاوہ کوئی سایہ نہ ہوگا۔

اور میرے شیخ فرماتے تھے کہ جو اپنی خواہشات کو جلا کر خاک کرتا ہے اور گناہوں سے بچتا ہے اور خونِ آرزو کرتا ہے، شکستِ تمنا کرتا ہے اس کا جلا بُھنا دل اور ایمان اس قدر خوشبودار ہوتا ہے کہ شامی کباب اس کے مقابلہ میں کیا چیز ہے۔ جدھر سے یہ گذر جائے گا کافر بھی کہہ اُٹھے گا کہ بھئی یہ کوئی اللہ والا جارہا ہے۔ اللہ تعالیٰ ارحم الراحمین ہیں، وہ کسی بندے کی محنت اور مجاہدۂ شکستِ آرزو اور خونِ تمنا کو رائیگاں نہیں کرتے۔ وہ دیکھتے ہیں کہ اسی روئے زمین پر کتنے بندے ہیں جو وی سی آر، سینما، ڈش انٹینا اور بدنظری کی لعنت میں مبتلا ہیں لیکن انہیں میں کچھ بندے ایسے بھی ہیں جو میری لعنت سے بچنے کے لیے اپنی نظر کی حفاظت کرتے ہیں، ان کا دل ہزاروں زخمِ حسرت کھاتا رہتا ہے مگر یہ وہ بندے ہیں جو مجھ کو ناراض کرکے حرام لذت کو استیرادنہیں کرتے، درآمد نہیں کرتے۔

زُحل، مُشتری اور مریخ کے متعلق سائنس دانوں کی تحقیق ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زحل اور مشتری کو چار چاند، مریخ کو چھ چاند اور دنیا کو ایک چاند دیا ہے اور عطارد کو ایک چاند بھی نہیں دیا کیونکہ سورج کے بالکل قریب ہے اس لیے سورج کی روشنی سے ہر وقت چمکتا رہتا ہے۔ اسی پر میں کہتا ہوں کہ آفتاب ایک مخلوق ہے اس کے قریب رہنے والے سیارہ کو اللہ نے چاندوں سے مستغنی کردیا تو اللہ تعالیٰ کے خاص بندے جو اپنے قلب میں خالقِ آفتاب اور خالقِ شمس وقمر کی تجلیاتِ خاصہ رکھتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کے نور کی تجلی ان کو زمین کے چاندوں سے مستغنی نہ کردے گی؟ یہی وجہ ہے کہ وہ مٹی کے رنگ و روغن سے، مٹی کے ڈسٹمپروں سے، مٹی کے کھلونوں سے نہیں بکتے۔ یہی دلیل ہے کہ ان کا قلب غیر اللہ سے مستغنی ہے، یہی علامت ہے کہ یہ شخص صاحبِ نسبت ہے۔ یہی علامت ہے کہ یہ صاحبِ ولایت ہے، یہی علامت ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا ولی اور دوست ہے۔ جب تک قلب غیر اللہ سے مستغنی نہ ہوا اور دنیا کے چاندوں پر مر رہا ہو تو سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ کی تجلیاتِ خاصہ سے ابھی محروم ہے۔ (فیضانِ حرم، صفحہ:۲۰)

حدیث نمبر ۱۴

﴿اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْعَبْدَ الْمُؤْمِنَ الْمُفَتَّنَ التَّوَّابَ﴾

(مسند احمد، مسند علی بن ابی طالب، ج: ۱، ص: ۸۰)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ محبوب رکھتا ہے اس بندہ کو جو مومن ہے لیکن بار بار خطا میں مبتلا ہوجاتا ہے مگر بکثرت توبہ بھی

کرتا ہے۔

خوفِ شکستِ توبہ اور عزمِ شکستِ توبہ کا فرق

جب انسان توبہ کرتا ہے کہ اے اللہ! اب میں اس غلطی کو دوبارہ نہیں کروں گا تو اس کا دل بھی اس کو ملامت کرتا ہے اور شیطان بھی اس کے کان میں کہتا ہے کہ تمہاری توبہ بارہا دیکھ چکا ہوں، بارہا تم نے ارادہ کیا کہ کسی کی بہو بیٹی کو نہیں دیکھوں گا، بدنظری نہیں کروں گا لیکن تم نے ہر بار توبہ توڑی ہے، تمہاری توبہ زبانی ہے اور قبول نہیں۔ کیونکہ قبولیتِ توبہ کے لیے شرط یہ ہے کہ **اَنْ یَّعْزِمَ عَزْمًا جَازِمًا اَنْ لَّا یَعُوْدَ اِلَیْھَا اَبَدًا** ارادہ پکا ہو کہ دوبارہ ہم اس خطا کو نہیں کریں گے اور بار بار توبہ کا ٹوٹنا تو پکے ارادے کے خلاف ہے لہٰذا تم کیا توبہ کرتے ہو، بارہا میں تمہارا تماشہ دیکھ چکا ہوں ؎

یہ بازو مرے آزمائے ہوئے ہیں

اس طرح شیطان مایوسی پیدا کرتا ہے کہ ہمارا عزمِ توبہ شاید قبول نہیں۔ اس کا جواب اللہ تعالیٰ نے میرے قلب کو عطا فرمایا کہ گناہ نہ کرنے کا یہ پکا ارادہ بھی قبول ہے بشرطیکہ اس ارادہ کے وقت شکستِ ارادہ کا ارادہ نہ ہو یعنی توبہ کرتے وقت توبہ توڑنے کا ارادہ نہ ہو۔ جس آدمی کی توبہ بار بار ٹوٹتی رہتی ہے وہ جب اللہ سے کہتا ہے کہ اے اللہ اب کبھی یہ گناہ نہ کروں گا تو اس کو اپنی توبہ کے ٹوٹنے کا خوف ہوتا ہے تو یہ خوفِ شکستِ توبہ ہے عزمِ شکستِ توبہ نہیں ہے۔ یعنی یہ توبہ ٹوٹنے کا خوف ہے توبہ توڑنے کا ارادہ نہیں ہے۔ توبہ ٹوٹنے کا خوف اور چیز ہے اور توبہ توڑنے کا ارادہ اور چیز ہے توبہ کے ٹوٹنے کا خوف عزمِ توبہ کے خلاف نہیں ہے اور قبولیتِ توبہ میں حائل نہیں ہے، مانع نہیں ہے۔ بس توبہ کرتے وقت دل میں پکا ارادہ ہو کہ اب کبھی یہ گناہ نہیں کروں گا اور توبہ کو نہیں توڑوں گا تو اس کی توبہ قبول ہے لیکن پھر بھی دل میں توبہ ٹوٹنے کا خوف آئے تو یہ خوف کچھ مضر نہیں بلکہ عین عبدیت، عین بندگی، عین اعترافِ قصور اور اپنی کمزوری کا اقرار ہے۔ اللہ بھی اس بندہ سے خوش ہوگا کہ میرا بندہ توبہ تو کر رہا ہے لیکن اپنے ضعفِ بشریت کی وجہ سے شکستِ توبہ سے ڈر بھی رہا ہے۔

اور اس خوف کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ توبہ توڑنے کا ارادہ رکھتا ہے جبکہ اس کے دل میں پکا ارادہ بھی ہے کہ میں آئندہ ہرگز یہ گناہ نہیں کروں گا۔ اس پکے ارادہ کے مقابلہ میں جب پکا ارادہ توبہ توڑنے کا ہو گا تب توبہ ٹوٹے گی۔ اگر وسوسہ آ گیا تو بھی توبہ نہیں ٹوٹی کیونکہ یقین کو یقین زائل کرسکتا ہے۔ وسوسہ اور وہم وگمان یقین کو نہیں زائل کرسکتا جیسے اگر کسی کو شبہ ہو جائے کہ میرا وضو ٹوٹ گیا تو جب تک یقین نہ ہو وضو نہیں ٹوٹتا۔ اتنا یقین ہو کہ وہ قسم کھالے کہ میرا وضو ٹوٹ گیا تب بے وضو ہوتا ہے۔ اسی طرح خوف و

وسوسۂ شکستِ توبہ، عزمِ شکستِ توبہ نہیں ہے۔

لہٰذا خوفِ شکستِ توبہ کا ہونا محمود اور عین بندگی ہے کیونکہ اس خوف میں اظہارِ عاجزی، اظہارِ کمزوری اور اظہارِ قصورِ بندگی ہے بلکہ جس کو یہ خوف نہ ہو وہ خطرہ میں ہے۔ یہ خوف نہ ہونا دلیل ہے کہ اس کو اپنے دست و بازو پر بھروسہ ہے وہ اللہ سے مدد کا کیا طالب ہوگا اور جس کو توبہ کے ٹوٹنے کا خوف ہے وہ اللہ سے استمداد کرے گا۔ **یَا مُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ ثَبِّتْ قَلْبِیْ عَلٰی دِیْنِکَ** پڑھے گا اور اللہ سے کہے گا کہ اے اللہ اپنے نفس سے مجھے ڈر معلوم ہوتا ہے کہ کہیں میرا نفس پھر توبہ نہ توڑ دے لہٰذا اس توبہ پر قائم رہنے کی آپ سے امداد مانگتا ہوں۔ اگر ہم اپنی استقامت میں اللہ تعالیٰ کی اعانت کے محتاج نہ ہوتے تو **اِیَّاکَ نَعْبُدُ** کے بعد **وَ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ** نازل نہ ہوتا۔ **وَ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ** نازل فرما کر ہمیں بتا دیا کہ تم اپنی ادائے بندگی میں میری عطائے خواجگی کے محتاج ہو، میری مدد اور اعانت کے محتاج ہو لہٰذا **اِیَّاکَ نَعْبُدُ** تو کہو کہ اے اللہ ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں لیکن فوراً **وَ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ** سے میری اعانت مانگو کیونکہ بغیر میری مدد کے تم میری بندگی نہیں کر سکتے پس جو شخص خوفِ شکستِ توبہ رکھتا ہے یہ دلیل ہے کہ وہ اپنے دست و بازو پر بھروسہ نہیں رکھتا بلکہ اپنی استقامت کو اللہ کی اعانت کا محتاج سمجھتا ہے لہٰذا اس کو دو قرب حاصل ہے، خوفِ شکستِ توبہ کا قرب الگ اور عزم علی التقویٰ کا قرب الگ ۔

کبھی طاعتوں کا سرور ہے کبھی اعترافِ قصور ہے
ہے ملک کو جس کی نہیں خبر وہ حضور میرا حضور ہے

سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

﴿اِنَّ اللہَ یُحِبُّ الْعَبْدَ الْمُؤْمِنَ الْمُفَتَّنَ التَّوَّابَ﴾

(مسند احمد، مسند علی بن ابی طالب، ج: ۱، ص: ۸۰)

اللہ تعالیٰ محبوب رکھتا ہے اس بندہ کو جو مومن ہے لیکن بار بار خطا میں مبتلا ہو جاتا ہے مگر توّاب بھی ہے، کثیر التوبہ ہے، بار بار توبہ کرتا ہے، توبہ میں انتہائی مبالغہ کرتا ہے، ندامت سے قلب و جگر اللہ کے حضور پیش کرتا ہے، سجدہ گاہ کو آنسوؤں سے تر کر دیتا ہے یہ بھی اللہ کا محبوب ہے، بندۂ مومن مبتلائے فتنہ، کثرتِ توبہ کی برکت سے اللہ تعالیٰ کے دائرۂ محبوبیت سے خارج نہیں ہوتا۔ اگر کسی سے ایک کروڑ زِنا ہو گیا، ایک کروڑ وی سی آر اور ننگی فلمیں دیکھ لیں، بے شمار بدنظری کر لی وہ بھی مایوس نہ ہو۔ ایک دفعہ دو رکعات توبہ پڑھ کر اشکبار آنکھوں سے، تڑپتے ہوئے دل سے اللہ سے معافی مانگ لے اللہ تعالیٰ اسی وقت تمام گناہ معاف کر دیتے ہیں۔ پھر کبھی سوچو بھی مت کہ گناہوں کی تعداد کیا ہے۔ سمندر کا ایک قطرہ جو نسبت سمندر سے رکھتا ہے اللہ تعالیٰ کی غیر محدود شانِ غفاریت کے سامنے ہمارے گناہوں کی اتنی بھی حقیقت نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ

کی ہر شان غیر محدود اور بے شمار ہے اور ہمارے گناہوں کے شمارے محدود ہیں۔ اسی لیے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

﴿اَللّٰهُمَّ مَغْفِرَتُكَ اَوْسَعُ مِنْ ذُنُوْبِیْ﴾

(المستدرک للحاکم، کتابُ المناسک، ج: ۱، ص: ۵۴۳)

اے اللہ! آپ کی مغفرت ورحمت میرے گناہوں سے وسیع تر ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ توبہ کرتے وقت توبہ توڑنے کا ارادہ نہ ہو، بس پکا ارادہ ہو کہ آئندہ یہ گناہ نہ کروں گا تو وہ توبہ قبول ہے چاہے لاکھ خوف ہو کہ آئندہ کہیں میری توبہ ٹوٹ جائے چاہے وسوسہ بھی آئے کہ میری توبہ ٹوٹ جائے گی تو یہ خوف اور وسوسۂ قبولیتِ توبہ کے لیے کچھ مضر نہیں۔ ہرگز مایوس نہ ہوں۔ اور اگر بالفرض ضعفِ بشریت سے آئندہ توبہ ٹوٹ بھی گئی تو پھر توبہ کرلے اور توبہ ٹوٹنے سے پہلی توبہ غیر مقبول نہیں ہوئی۔ اللہ تعالیٰ کریم ہیں جب ایک بار قبول فرمالیتے ہیں پھر اس کو غیر مقبول نہیں فرماتے پس وہ توبہ قبول ہے۔ لہٰذا لاکھ بار خطا ہو لاکھ بار معافی مانگو، رو رو کر اللہ تعالیٰ کو منالو وہ کریم مالک اپنے بندوں کی آہ وزاری کو رد نہیں فرماتا۔ اسی کو خواجہ صاحب فرماتے ہیں ؎

جو ناکام ہوتا رہے عمر بھر بھی
بہر حال کوشش تو عاشق نہ چھوڑے
یہ رشتہ محبت کا قائم ہی رکھے
جو سو بار ٹوٹے تو سو بار جوڑے

آخر میں ایک بات کہتا ہوں کہ ٹی بی کے زخم کی شفا کے لیے یہاں مری کی پہاڑیوں پر بھیجتے ہیں۔ کچھ جڑی بوٹیاں ہوتی ہیں جن کے ماحول میں ٹی بی کا زخم اچھا ہو جاتا ہے۔ بار بار توبہ ٹوٹنے کا جو زخم ہے اگر اہل اللہ کی صحبت میں کچھ عرصہ رہ لو تو اللہ کا یقین، اللہ کی محبت اور اللہ کا خوف دل میں آئے گا اور یہ زخم اچھا ہو جائے گا۔ جڑی بوٹیوں میں تو یہ اثر ہو کہ زخم اچھا ہو جائے اور اللہ والوں کی صحبت میں یہ اثر نہ ہو کہ غفلت کا، بار بار شکستِ توبہ کا زخم اچھا نہ ہو۔ (انعاماتِ ربانی، صفحہ: ۶۰-۶۴)

توبہ کرنے والا بھی اللہ کا محبوب ہے

بعض گنہگاروں کو شیطان بہکاتا ہے، مایوس کرتا ہے کہ تم سے اللہ تعالیٰ کیسے محبت کرے گا کہ تم نے تو دھندہ بنا رکھا ہے گناہ کا اور دھندہ بھی کیسا جو کبھی مندا نہیں ہوتا، تو کیسا بندہ ہے تو؟ اس کا جواب سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دیا کہ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْعَبْدَ الْمُؤْمِنَ الْمُفَتَّنَ التَّوَّابَ اللہ تعالیٰ محبوب رکھتا

ہے اور آئندہ بھی محبوب رکھے گا اس بندہ کو جو مومن ہے، کیسا مومن ہے اَلْمُفَتَّنَ جس سے بار بار گناہ ہو جاتا ہے، فتنۂ گناہ میں بار بار مبتلا ہوتا ہے مگر ایک خوبی اس میں ایسی ہے جو سبب ہے اس کی محبوبیت کا اور وہ اس کی فائنل رپورٹ ہے وہ کیا ہے؟ التَّوَّابَ وہ بہت زیادہ توبہ کرنے والا بھی ہے، اللہ تعالیٰ سے رو رو کر معافی مانگتا ہے، گناہ کر کے خوش نہیں ہوتا، پچھتاتا ہے کہ آہ! میں نے کیوں اللہ تعالیٰ کو ناراض کیا۔ اس لیے نادم ہو کر دل کی گہرائی سے توبہ کرتا ہے اور توبہ کی چار شرطوں کے ساتھ توبہ کرتا ہے:

توبہ سے محبوبیت کی ایک عجیب تمثیل

گناہ سے فوراً بھاگ جاتا ہے، گناہ سے علیحدہ ہو کر فوراً توبہ کرتا ہے اگرچہ بار بار فتنہ میں مبتلا ہوتا ہے لیکن توبۂ صادقہ کی برکت سے یہ بھی اللہ تعالیٰ کا محبوب ہے۔ یہ بتاؤ اگر ماں کے سینہ پر چھوٹا بچہ پاخانہ کر دے تو کیا اماں اسے چاقو سے ذبح کر دیتی ہے یا نہلا دھلا کر پھر پیار کرتی ہے، نیا کپڑا پہناتی ہے یا نہیں؟ تو اللہ تعالیٰ بھی ایسے بندوں کو تقویٰ کا نیا نیا لباس پہناتے رہتے ہیں اللہ تعالیٰ کے ہاں لباس کی کمی نہیں ہے، ماں تو تھک سکتی ہے کہ اب میرے پاس چڈی نہیں ہے، پمپر (Pamper) بھی نہیں ہے، اب تجھے کیا پہناؤں لیکن اللہ تعالیٰ نہیں تھکتے، تقویٰ کے بے شمار لباس ان کے پاس ہیں۔ جب بندہ نے توبہ کی کہ اے اللہ تعالیٰ مجھ سے غلطی ہوگئی معاف کر دیجیے اس حرام مزہ سے میں سخت نادم و شرمندہ ہو کر معافی چاہتا ہوں تو اللہ تعالیٰ فوراً معاف فرما دیتے ہیں۔ توبہ کی پہلی شرط یہ ہے:

۱۔ گناہ سے الگ ہو گیا۔

۲۔ شرمندہ ہو گیا۔ دل کو دُکھ پہنچ گیا کہ آہ میں نے کیوں گناہ کیا، قلب میں ندامت پیدا ہوگئی۔

۳۔ آئندہ کے لیے پکا ارادہ کرتا ہے کہ اے اللہ! اب آپ کو آئندہ کبھی ناراض نہیں کروں گا اگرچہ دل کہتا ہے کہ تو پھر کرے گا لیکن دل کی بات نہ ماننے کا عزم رکھتا ہے، اگرچہ شیطان وسوسہ ڈالتا ہے کہ تو پھر مبتلا ہوگا۔ شیطان یہ وسوسہ ڈالے تو کہہ دو کہ اگر دوبارہ گناہ کر بیٹھوں گا تو پھر اللہ تعالیٰ سے معافی مانگوں گا۔ ان کے در کے علاوہ اور کوئی در بھی تو نہیں ہے۔ کیا ماں نہیں جانتی کہ میرا بچہ دوبارہ پاخانہ کرے گا۔ ماں کو یقین ہے کہ ابھی ایک سال کا بچہ ہے یہ تو دوبارہ پاخانہ کرے گا لیکن وہ اپنے بچہ کی صفائی کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ بھی توفیق توبہ دے کر اپنے گنہگار بندوں کو معاف کر دیتا ہے اگرچہ جانتا ہے کہ یہ ظالم پھر گناہ کرے گا۔ اس حدیثِ پاک کی شرح کر رہا ہوں کہ اللہ تعالیٰ محبوب رکھتا ہے ان بندوں کو جو بار بار گناہ کے فتنہ میں مبتلا ہو جاتے ہیں مگر توبہ بھی زبردست کرتے ہیں۔

ندامت کے آنسوؤں کی کرامت

تَوَّاب ہیں کثیر التوبہ ہیں یعنی بہت زیادہ روتے ہیں، بہت زیادہ اللہ سے معافی مانگتے ہیں۔ ان کے یہ آنسو اللہ کے خزانے میں جمع ہو جاتے ہیں۔ ایسا بندہ کبھی رائیگاں نہیں ہوگا ان شاء اللہ، چاہے شیطان ونفس اس کو گناہوں کے جنگل میں اللہ سے کتنے ہی دور لے جائیں لیکن وہ جو پہلے اللہ تعالیٰ سے رویا تھا کہ اے اللہ! میری حفاظت کرنا، گناہوں سے مجھے ضائع نہ ہونے دینا اس کے وہ سابقہ آنسو اللہ کی بارگاہ میں محفوظ تھے اللہ تعالیٰ ندامت کے ان آنسوؤں کو رائیگاں نہیں کرتا۔ پھر ان آنسوؤں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی رحمت اپنے بندہ کو تلاش کرتی ہے کہ اے فرشتو! میرا بندہ مجھ سے بہت دور ہو گیا تم جا کے پھر اس کے دل میں توفیق ڈالو کہ توبہ کر کے پھر میرے پاس آجائے لہٰذا جو لوگ روتے ہیں کہ اللہ ہمیں اپنی حفاظت میں رکھنا، ہمیں ضائع نہ ہونے دینا، خاتمہ ہمارا ایمان پر کرنا اور ہمارے گناہوں کو معاف کر دیجئے ایسے رونے والے بندے ضائع نہیں ہوتے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ ان کا خاتمہ خراب نہیں ہوگا۔ جس کا خاتمہ خراب ہوتا ہے اس کو رونے کی توفیق نہیں ملتی۔ اسی لیے محدثین نے لکھا ہے کہ ابلیس کو کبھی اپنے گناہ پر ندامت نہیں ہوئی اس ظالم نے ہمیشہ اَنْظِرْنِیْ کہا کہ مجھے مہلت دیجئے میں آپ کے بندوں کو گمراہ کروں گا۔ بزرگانِ دین فرماتے ہیں کہ یہ ظالم اگر اُنْظُرْ اِلَیَّ کہہ دیتا کہ مجھ پر ایک نظر ڈال دیجئے تو معاف ہو جاتا اُنْظُرْ اِلَیَّ نہیں کہا اَنْظِرْنِیْ کہتا رہا کہ مہلت دیجئے تاکہ میں آپ کے بندوں کو بہکاتا رہوں، اس کو اُنْظُرْ اِلَیَّ کی توفیق نہیں ہوئی کیونکہ یہ مردود تھا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ کی نظرِ عنایت مانگنے کی توفیق نہیں ہوئی، اللہ تعالیٰ جس کو مقبول رکھتا ہے اس کو نظرِ عنایت مانگنے کی توفیق دیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ غلطی ہو گئی، نالائق ہوں مگر آپ کا ہوں، آپ ہی ہمارے واحد خدا ہیں، آپ کا دروازہ چھوڑ کر کہاں جاؤں کہ کوئی دوسرا خدا نہیں ہے، اگر گنہگاروں کا الگ خدا ہوتا، نیک بندوں کا الگ خدا ہوتا تو وہاں چلا جاتا لیکن آپ ہی ایک خدا ہیں، نیکوں کے بھی آپ خدا ہیں اور گنہگاروں کے بھی آپ ہی خدا ہیں لہٰذا آپ کا دروازہ نہیں چھوڑوں گا۔ اگر گناہ نہیں چھوٹتے تو آپ کو بھی نہیں چھوڑوں گا۔ اگر کسی کو بار بار دست آرہے ہیں تو ہر دفعہ استنجا بھی کرتا ہے اور کپڑے بھی بدلتا ہے۔ لہٰذا اگر بار بار گناہ ہوتے ہیں تو بار بار توبہ کرتے رہو، ایک دن ایسا آئے گا کہ اللہ آپ کو توبہ کی توفیق دے دے گا کہ میرا بندہ ہمیشہ رو رو کے مجھ سے معافی مانگتا ہے تو ان کو بھی رحم آجائے گا کہ لاؤ اب اس ظالم کو گناہ کرنے ہی نہ دو۔ اللہ تعالیٰ ایسی ہمت اور ایسی توفیق دے گا کہ ان شاء اللہ پھر مرتے دم تک ایک گناہ بھی نہیں کرو گے لیکن ہمارا کام رونا ہے روتے رہو، روتے رہو، روتے رہو، یہاں تک کہ ان کو رحم آجائے۔ خوب سمجھ لو یہ اللہ تعالیٰ کا راستہ ہے اس میں ناامیدی نہیں، یہاں امیدوں کے ہزاروں آفتاب روشن ہیں۔

(امیدِ مغفرت و رحمت، صفحہ: ۱۸۔۲۱)

حدیث نمبر ۱۵

﴿اِنَّ لِرَبِّکُمْ فِیْ اَیَّامِ دَھْرِکُمْ نَفَحَاتٍ فَتَعَرَّضُوْا لَہٗ لَعَلَّہٗ اَنْ یُّصِیْبَکُمْ نَفْحَۃٌ مِنْھَا فَلاَ تَشْقَوْنَ بَعْدَھَا اَبَدًا﴾

(الجامع الصغیر لسیوطی، ج:۱، ص:۹۵)

ترجمہ: بے شک تمہارے رب کی طرف سے تمہارے زمانے ہی کے دنوں میں نفحات آتے ہیں، ان کو تم تلاش کرو، اگر تم ان کو پا گئے تو اس کے بعد تم کبھی شقی نہیں ہو گے۔

تجلیاتِ جذب کے زمان ومکان

سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں **اِنَّ لِرَبِّکُمْ فِیْ اَیَّامِ دَھْرِکُمْ نَفَحَاتٍ فَتَعَرَّضُوْا لَہٗ لَعَلَّہٗ اَنْ یُّصِیْبَکُمْ نَفْحَۃٌ مِنْھَا فَلاَ تَشْقَوْنَ بَعْدَھَا اَبَدًا** اے لوگو! تمہارے رب کی طرف سے تمہارے زمانے ہی کے دنوں میں نفحات آتے ہیں، ان کو تم تلاش کرو، اگر تم ان کو پا گئے تو اس کے بعد تم کبھی بدنصیب نہیں ہو گے۔ تمہاری شقاوتِ ازلی سعادتِ ابدی سے تبدیل ہو جائے گی یعنی دائمی خوش نصیبی نصیب ہو جائے گی۔

نفحات کے کیا معنی ہیں؟ دیہاتی زبان میں اس کا ترجمہ ہے اللہ پاک کی رحمت کی ہواؤں کے جھونکے۔ اور شہری زبان میں اللہ تعالیٰ کی نسیمِ کرم اور بزبانِ محدثِ عظیم ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ شرح مشکوٰۃ میں نفحات کے معنی ہیں جذبات یعنی اللہ کی جذب کرنے کی تجلیات:

﴿اَللّٰہُ یَجْتَبِیْٓ اِلَیْہِ مَنْ یَّشَآءُ﴾

(سورۃ الشوریٰ، اٰیۃ:۱۳)

یہاں جذبات مراد ہیں۔ یہ حدیث اس آیت کی شرح ہے۔ **اَلْاِجْتِبَاءُ مِنَ الْجَبْیِ وَالْجَبْیُ ھُوَ الْجَذْبُ**۔ جبی کے معنی جذب کے ہیں۔ اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے اپنی طرف کھینچ لیتا ہے، وہ مقناطیس کا خالق ہے۔ جو اتنا زبردست مقناطیس پیدا کر سکتا ہے کہ زمین کا چوبیس ہزار میل کا گولہ جس کے نیچے کوئی کالم نہیں فضاؤں میں معلق ہے۔

اسی طرح بے شمار عالم سیارات ونجوم اور ہزاروں شمس وقمر سب بلا ستون فضاؤں میں معلق ہیں اور اپنے راستوں میں تیر رہے ہیں تو اتنا زبردست مقناطیس پیدا کرنے والا جس کو کھینچے گا وہ کیسے بغیر کھنچے رہ سکتا ہے، بندے کو جذب کرنا ان کے لیے کیا مشکل ہے۔ تو نفحات کے معنی ہیں جذبات یعنی کھینچنے کی مقناطیسی لہریں۔

اور حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے نفحات کا ترجمہ کیا ہے اَلتَّجَلِّیَاتُ الْمُقَرِّبَاتُ اللہ کی وہ تجلیات جو بندوں کو اللہ سے قریب کر دیتی ہیں، وہ تجلیات جو بندہ پر پڑ جائیں تو وہ اللہ کا پیارا اور مقرب ہوجاتا ہے۔ اب سوال یہ ہوتا ہے کہ ان تجلیات کا زمانہ تو معلوم ہوگیا لیکن مکان بھی تو معلوم ہو کہ ان تجلیات کو کہاں ڈھونڈیں، کدھر جائیں؟ اس کا جواب اللہ تعالیٰ نے میرے قلب کو عطا فرمایا کہ ان کا مکان بخاری شریف کی حدیث میں ہے:

﴿هُمُ الْجُلَسَآءُ لاَ يَشْقٰى جَلِيْسُهُمْ﴾

(صحیحُ البخاری، کتابُ الدعوات، باب فضل ذکر اللہ عزَّ وجلَّ، ج: ۲، ص: ۹۴۸)

ہمارے پیارے اور خاص بندوں کی یعنی ہمارے اولیاء کی شان یہ ہے کہ جو ان کے پاس بیٹھ جاتا ہے، جو ان کا جلیس و ہم نشین ہوتا ہے کبھی شقی اور بدنصیب نہیں رہ سکتا، اپنے پیاروں کے صدقہ میں ہم اس کی شقاوت کو سعادت سے بدل دیتے ہیں، شقی کو سعید کر دیتے ہیں معلوم ہوا کہ اہل اللہ کی صحبت اور مجالس ان تجلیات کا مکان ہیں۔ شقاوت کو دور کرنے کے لیے اور سعادتِ دائمی حاصل کرنے کے لیے اہل اللہ کی صحبت میں یہ ہوائیں ملتی ہیں جہاں یہ تجلیات نازل ہوتی ہیں۔ (انعاماتِ ربانی، صفحہ: ۶۵۔۶۷)

شرحِ حدیثِ بالا بعنوانِ دِگر

تجلیاتِ جذب کے زمان ومکان

جذب کے راستے کیا ہیں؟ یہ بھی بتائے دیتا ہوں۔ کوئی اگر چاہے کہ اللہ تعالیٰ ہم کو بھی جذب عطا فرما دے تو سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کا ایک مکان اور ایک زمان دو چیزیں بتائی ہیں۔ زمان کیا ہے:

﴿اِنَّ لِرَبِّكُمْ فِيْ اَيَّامِ دَهْرِكُمْ نَفَحَاتٍ فَتَعَرَّضُوْا لَهٗ لَعَلَّهٗ اَنْ يُّصِيْبَكُمْ نَفْحَةٌ مِنْهَا فَلاَ تَشْقَوْنَ بَعْدَهَا اَبَدًا﴾

(الجامع الصغیر لسیوطی، ج: ۱، ص: ۹۵)

اے لوگو! اے میری امت والو! تمہارے اس زمانہ کے دن ورات میں اللہ تعالیٰ کے جذب کی تجلیات اور ان کے قرب کی ہوائیں آتی رہتی ہیں۔ فَتَعَرَّضُوْا لَهَا پس ان کو تلاش کرو، غافل نہ رہو وہ تجلی اگر تم کو مل گئی فَلاَ تَشْقَوْنَ بَعْدَ هَا اَبَدًا تو تم کبھی بدبخت و بدنصیب نہیں ہوگے، ہمیشہ کے لیے ولی اللہ بن جاؤ گے۔ نفس وشیطان تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے۔ اب سوال یہ ہے کہ دن ورات میں یہ تجلیات کب آتی ہیں؟ اگر کوئی بتا دے کہ جمعہ کے دن ایک عظیم نعمت آنے والی ہے تو آدمی پوچھے گا کہ کہاں؟ کراچی کہ

حیدرآباد کہ لاہور؟ لہٰذا اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیجئے کہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بخاری شریف میں اس کا مکان بھی بتادیا کہ وہ تجلی کہاں نازل ہوتی ہے؟ **فِیۡ اَیَّامِ دَھۡرِکُمۡ** تو اس حدیث میں وارد ہے کہ تمہارے زمانہ کے دنوں میں اللہ کی رحمت کی وہ ہوائیں آتی ہیں۔ نفحات کا ترجمہ عام علماء نے کیا ہے کہ نسیمِ کرم کے جھونکے، اللہ کی نسیمِ کرم کے جھونکے جو دنیا میں آسمان سے آتے ہیں۔ بعض بزرگوں نے ترجمہ کیا جذبات یعنی جذب کرنے والی تجلیات۔ ملاعلی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ نفحات کا ترجمہ جذبات ہے یعنی اللہ جذب کرنے والی تجلی دنیا میں بھیجتا ہے جس کو لگ جاتی ہے وہ جذب ہوجاتا ہے۔ پس ایک طبقہ نے ترجمہ کیا نسیمِ کرم، ملاعلی قاری نے کیا جذبات یعنی کھینچنے والی تجلیات۔ حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے التشرف فی احادیث التصوف میں نفحات کا ترجمہ کیا التجلیات المقربات اللہ کے وہ جلوے وتجلیات جس سے بندہ کو اللہ تعالیٰ اپنا پیارا اور مقرب کرلیتے ہیں لیکن **اَیَّامِ دَھۡرِکُمۡ** سے آپ کو زمانہ معلوم ہوا لیکن یہ کیسے پتہ چلے گا کہ یہ تجلیات کہاں ملتی ہیں۔ مکان بھی تو معلوم ہونا چاہیے۔ کوئی کہہ دے کہ اس زمانہ میں بھی ولی اللہ رہتے ہیں تو زمانہ تو معلوم ہوا لیکن یہ بھی پتہ چلے وہ کس شہر میں ہیں، کس ملک میں ہیں۔ بولیے خالی زمانہ معلوم ہونے سے آپ تلاش کرسکتے ہیں؟ اس حدیث سے آج کوئی شخص ان تجلیات کا مکان تلاش نہیں کرسکتا تھا۔ سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا امت پر احسان ہے کہ آپ نے فرمایا کہ اللہ کے مقبول بندے جہاں رہتے ہوں تم ان کے پاس جاؤ، ان کے پاس بیٹھو:

﴿ھُمُ الۡجُلَسَآءُ لَا یَشۡقٰی جَلِیۡسُھُمۡ﴾

(صحیحُ البخاری، کتابُ الدعوات، باب فضل ذکر اللہ عزَّ وجلَّ، ج: ۲، ص: ۹۴۸)

ان کی صحبت کی برکت سے تمہاری شقاوت تمہاری بدبختی و بدنصیبی خوش نصیبی سے بدل جائے گی۔ یہی ہے **لَا تَشۡقَوۡنَ بَعۡدَھَا اَبَدًا** اس حدیث میں تجلیاتِ جذب کا زمانہ بتایا گیا کہ اس دنیا کے شب وروز میں جس کو وہ تجلی مل گئی وہ شقی نہیں رہ سکتا اور بخاری کی اس حدیثِ پاک **لَا یَشۡقٰی جَلِیۡسُھُمۡ** میں ان تجلیات کا مکان بتایا گیا کہ وہ اللہ والوں کی جگہ ہے جہاں وہ تجلیات جذب کی آتی ہیں، جہاں اللہ والے رہتے ہیں ان پر اللہ تعالیٰ ہر وقت جذب کی تجلیات نازل کرتا ہے۔

مولانا قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کو ایک شخص پنکھا جھل رہا تھا۔ اس نے پوچھا کہ حضرت! اللہ والوں کے پاس بیٹھنے سے اللہ کی رحمت دوسروں کو کیسے ملے گی کیونکہ عمل تو ان کا اچھا ہے، ان پر فضل ہونا تو سمجھ میں آتا ہے لیکن دوسرے تو نالائق بیٹھے ہیں ان کو رحمت کیسے ملی گی؟ فرمایا کہ تو مجھے پنکھا جھل رہا ہے یا ان سب کو؟ کہا میں تو آپ ہی کو جھل رہا ہوں، فرمایا کہ یہ جتنے میرے پاس بیٹھے ہیں ان کو ہوا لگ رہی ہے یا

نہیں۔ جب اللہ کی رحمت کسی پر برستی ہے اس کے پاس بیٹھنے والوں کو بھی وہ رحمت ملتی ہے۔ لہٰذا تجلیاتِ مقربات، تجلیاتِ جذب اگر آپ لوگ چاہتے ہیں تو بروایت بخاری شریف اللہ کے خاص بندوں کے پاس بیٹھیے، ان کی صحبت اختیار کیجئے۔

خاص بندوں کی پہچان

آپ کو کیسے معلوم ہو کہ یہ خاص بندے ہیں۔ جو امت کے خاص بندے ہیں وہ ان کو خاص سمجھتے ہوں اور کسی بزرگ کی اس نے صحبت اٹھائی ہو۔ شریعت اور سنت پر چل رہا ہو۔ علمائے دین بھی اس کی تصدیق کررہے ہوں۔ خالی عوام کا مجمع نہ ہو۔

تو آخر میں میں نے بتا دیا کہ جذب کیسے ملے گا۔ زمانہ بھی بتا دیا اور مکان بھی بتا دیا۔ ایک حدیثِ پاک میں زمانہ بتایا گیا کہ پورے زمانے میں قیامت تک اللہ تعالیٰ کی تجلیات برستی رہیں گی **اِنَّ لِرَبِّکُمْ فِیْ اَیَّامِ دَھْرِکُمْ نَفَحَاتٍ** تمہارے رب کی طرف سے تمہارے زمانہ کے دن رات میں یہ تجلیات جن سے اللہ اپنے بندوں کو جذب کرتا ہے نازل ہوتی رہیں گی۔ ان کو تلاش کرتے رہو، اگر کوئی تجلی حاصل ہوگئی تو پھر کبھی شقی نہیں ہوسکتے۔ مگر ان کا مکان کہاں ہے، یہ کہاں ملیں گی تو دوسری حدیثِ پاک **لَا یَشْقٰی جَلِیْسُھُمْ** میں بتا دیا گیا کہ اللہ والوں کی صحبت میں ملیں گی جہاں اللہ تعالیٰ بندوں کو اپنی طرف جذب کرلیتا ہے اور ان کا جلیس وہم نشین کبھی بدبخت وشقی نہیں رہ سکتا۔ معلوم ہوا کہ شقاوت سے محفوظ رکھنے والی تجلیات جذب کا مکان اہل اللہ کی مجالس ہیں۔ (تجلیاتِ جذب، حصہ چہارم، صفحہ:۳۳۔۳۸)

مزید شرح حدیثِ بالا

تجلیاتِ جذب کے زمان ومکان

ارشاد فرمایا کہ ہر شخص یہ سمجھے کہ مجھ سے برا دنیا میں کوئی نہیں ہے۔ اگر اللہ کی ستاری کا پردہ نہ ہوتا تو میں کسی کو منہ نہیں دکھا سکتا تھا مگر اللہ کی ذات میں تمام شانیں اور خوبیاں موجود ہیں جس سے بندوں کی ہر خرابی دور ہوجائے اور ان کی بگڑی بن جائے۔ مایوس ہونے کی کوئی بات نہیں، اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی منتہائے تخریب کو اپنے ارادۂ تعمیر کے نقطۂ آغاز سے درست کرسکتے ہیں اس لیے کتنی ہی خراب حالت ہو اللہ سے ناامید نہ ہو، دعا کرتا رہے اور اللہ والوں کی صحبت میں رہے کیونکہ یہ صحبتیں قسمت ساز ہوتی ہیں، قسمتیں ان اللہ والوں کے صدقہ میں بنتی ہیں۔ اللہ والوں کے پاس بیٹھنے سے ایک نہ ایک دن اللہ تعالیٰ کی نسیمِ کرم کے جھونکے لگ جاتے ہیں۔ جامع صغیر کی روایت ہے **اِنَّ لِرَبِّکُمْ فِیْ اَیَّامِ دَھْرِکُمْ نَفَحَاتٍ**

اے لوگو! تمہارے اسی زمانے میں تمہارے رب کی طرف سے نسیمِ کرم کے جھونکے آتے ہیں، اگر تم ان کو پا گئے تو فَلاَ تَشْقَوْنَ بَعْدَھَا اَبَدًا تم کبھی بد بخت نہیں ہوگے، مگر یہ جھونکے ملتے کہاں ہیں؟ زمانہ تو معلوم ہوگیا کہ یہ جھونکے اسی دنیا میں آتے ہیں لیکن ان کا مکان کہاں ہے؟ بخاری شریف کی حدیث سے ان کا مکان معلوم ہوا کہ یہ اللہ والوں کے پاس ملتے ہیں:

﴿هُمُ الْجُلَسَآءُ لاَ يَشْقَى بِهِمْ جَلِيْسُهُمْ﴾

(صحيح البخاري، كتاب الدعوات، باب: فضل ذكر الله عزوجل)

یہ ایسے مبارک بندے ہیں کہ ان کے پاس بیٹھنے والا نامراد اور بدقسمت نہیں رہتا۔ ایک حدیث سے تجلیاتِ جذب کا زمانہ معلوم ہوا اور دوسری حدیث سے ان تجلیات کا مکان معلوم ہوگیا مگر نظر اللہ پر رہے، شیخ دروازہ ہے، صرف دروازہ ہے، دینے والا کوئی اور ہے اور وہ اللہ تعالیٰ ہے مگر دروازہ سے ہی دیتے ہیں عادۃ اللہ یہی ہے کہ اللہ والوں کے دروازہ ہی سے نسبت مع اللہ کی نعمتیں ملتی ہیں، دروازہ کو چھوڑ کر کوئی جائے تو نہیں دیتے مگر نظر دینے والے پر رکھو اور دروازہ کا ادب کرو۔ اللہ سے دعا کرو کہ اے اللہ میں دروازہ پر پہنچ گیا مگر دینے والے آپ ہیں، آپ ہی میری اصلاح فرما دیجیے۔ (پردیس میں تذکرۂ وطن، ص:١٥١)

حدیث نمبر ١٦

﴿اَنَا خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ لاَ نَبِيَّ بَعْدِيْ﴾

(المعجم الكبير لطبراني)

ترجمہ: میں آخری نبی ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔

صحبت یافتہ اور فیض یافتہ

جس بادشاہ کو اپنی بادشاہت کا علم نہ ہو وہ بادشاہ نہیں ہے۔ جس ڈپٹی کمشنر کو معلوم نہ ہو کہ میں اس حلقہ کا ڈپٹی کمشنر ہوں وہ ڈپٹی کمشنر بھی نہیں ہے۔ ایسے ہی جس پیغمبر کو اپنی نبوت کا علم نہ ہو وہ نبی نہیں ہوسکتا۔ سب سے پہلے نبی کو اپنی نبوت پر ایمان لانا فرض ہوتا ہے۔ کوئی نبی دنیا میں ایسا نہیں گذرا جس نے کہا ہو کہ مجھے نہیں معلوم کہ میں نبی ہوں یا نہیں بلکہ ہر نبی نے اپنی نبوت کا بانگ دہل اعلان فرمایا جس طرح خاتم النبیین سید الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے غزوۂ حنین میں فرمایا کہ اَنَا النَّبِيُّ لاَ كَذِبْ اَنَا بْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبْ اور قیامت تک کے لیے اعلان فرما دیا اَنَا خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ لاَ نَبِيَّ بَعْدِيْ کہ میں خاتم النبیین ہوں اب میرے بعد قیامت تک کوئی نبی نہیں آئے گا۔ لہٰذا اب قیامت تک جو نبی ہونے کا دعویٰ کرے وہ جھوٹا، کذّاب اور دجّال ہے۔ انبیاء کو تو وحی سے اپنی نبوت کا یقینی علم ہو جاتا ہے لیکن اولیاء اللہ کو بھی حالات

وقرآئن سے معلوم ہوجاتا ہے کہ میرے قلب میں وہ مولیٰ اپنی تجلی خاصہ سے متجلی ہوگیا، ولایتِ خاصہ عطا ہوگئی جس کو اپنے قلب میں اس مولیٰ کا قربِ خاص محسوس نہ ہو وہ ولی نہیں، اس کا دل خالی ہے۔ ناممکن ہے کہ دریا میں پانی ہو اور اس کو محسوس نہ ہو کہ میرے اندر پانی ہے۔ اگر دریا خاک اُڑا رہا ہے یہ دلیل ہے کہ اس دریا میں پانی نہیں ہے چاہے وہ لاکھ دعویٰ کرے کہ میں لبالب بھرا ہوا ہوں اور سینہ تان کر بہہ رہا ہوں لیکن اس کا خاک آمیز ماحول بتائے گا کہ یہ پانی سے محروم ہے، یہ ڈینگ ہانک رہا ہے اور لاف زنی کررہا ہے جب دریا لبالب بہتا ہے تو بہت دور تک اس کی ٹھنڈک فضاؤں میں داخل ہوجاتی ہے۔ کئی میل دور سے معلوم ہوجاتا ہے کہ اس طرف دریا ہے کیونکہ ادھر سے جو ہوا آتی ہے وہ پانی سے لگ کر آتی ہے۔ پانی کی صحبت یافتہ ہوا اور ٹھنڈی ہوا، جو ہوا ٹھنڈی نہ ہو تو دلیل ہے کہ یہ پانی کی صحبت یافتہ نہیں ہے۔ اگر صحیح معنوں میں صحبت یافتہ ہوتی اور پانی کی ٹھنڈک کو صحیح معنوں میں جذب کیا ہوتا تو ضرور ٹھنڈی ہوتی۔ صحبت یافتہ کے معنی خالی صحبت یافتہ نہیں بلکہ فیض یافتہ صحبت ہے۔ اس لیے خالی یہ نہ دیکھئے کہ یہ شخص شیخ کے ساتھ رہتا ہے بلکہ یہ دیکھئے کہ اس کے اندر شیخ کا فیض کتنا آیا ورنہ وہ صحبت یافتہ تو ہے فیض یافتہ نہیں کیونکہ اِھۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِیۡمَ کا بدل الکل من الکل صِرَاطَ الَّذِیۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَیۡھِمۡ ہے یعنی انعام والے بندوں کا راستہ پکڑو تب صراطِ مستقیم پاؤ گے اور انعام والے بندے کون ہیں؟ ان کو دوسری آیت میں بیان فرمایا:

﴿وَمَنۡ یُّطِعِ اللہَ وَالرَّسُوۡلَ فَاُولٰٓئِکَ مَعَ الَّذِیۡنَ اَنۡعَمَ اللہُ عَلَیۡھِمۡ مِنَ النَّبِیّٖنَ وَالصِّدِّیۡقِیۡنَ وَالشُّھَدَآءِ وَالصّٰلِحِیۡنَ وَ حَسُنَ اُولٰٓئِکَ رَفِیۡقًا﴾

(سورۃُ النّسآء، اٰیۃ: ۶۹)

پس اگر انعام والے بندوں کے ساتھ رہنے کے باوجود کوئی ان کی صفات کا حامل نہیں تو کہا جائے گا کہ یہ فیض یافتہ صحبتِ منعم علیہم نہیں ہے، اس کے حسنِ رفاقت میں کوئی کمی ہے وَحَسُنَ اُولٰٓئِکَ رَفِیۡقًا سے معلوم ہوا کہ صرف رفاقت کافی نہیں حسنِ رفاقت مطلوب ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس کے حسنِ رفاقت میں کوئی کمی ہے اور وہ کمی کیا ہے؟ مثلاً شیخ کے ارشادات پر عمل نہ کرنا۔ بے برکتی کا سبب بے عملی اور بے فکری ہے۔ شیخ نے مشورہ دیا کہ غصہ نہ کرنا، مخلوقِ خدا پر رحمت وشفقت کرنا تو شیخ کی بات کو مان لو اور زندگی بھر غصہ کو قریب نہ آنے دو۔ اگر شیخ کے مشوروں پر عمل کی توفیق نہیں تو وہ فیض یافتۂ صحبت نہیں ہے خواہ وہ لاکھ دعویٰ کرے کہ مجھے فیضِ صحبت حاصل ہے لیکن اگر تمہارے قلب میں نسبت مع اللہ کا دریا بہہ رہا ہے تو مغلوبیتِ نفس کی خاک کیوں اُڑ رہی ہے؟ یہ غصہ سے تمہارا مغلوب ہوجانا دلیل ہے کہ دل اللہ کے تعلقِ خاص سے محروم ہے کیونکہ اللہ کی محبت کی لازمی علامت تواضع، اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائی اَذِلَّۃٍ عَلَی الۡمُؤۡمِنِیۡنَ کہ یہ لوگ مومنین کے لیے بچھے جاتے ہیں، تواضع سے پیش آتے ہیں۔ جس شاخ میں پھل آجاتا ہے وہ جھک جاتی

رہے اور یہ تمہارا اکڑ کے چلنا اور ہر کسی سے لڑنا اور ہر وقت طبیعت سے شکست کھا کر گر پڑنا دلیل ہے کہ تمہارے اندر اللہ کی محبت کی کمی ہے اور شیخ کا فیض صحبت تمہیں نہیں ملا اور ملا تو بہت ہی کم ملا۔

شیخ کے فیض کے جذب کی صلاحیت دو چیزوں سے ملتی ہے، نمبر۱۔ ذکر اللہ پر مداومت، نمبر۲۔ تقویٰ پر استقامت۔ ذکر اللہ سے حیاتِ ایمانی ملتی ہے اور فیض زندوں کو پہنچتا ہے مردہ آدمی کو فیض کیا پہنچے گا۔ حدیثِ پاک میں ہے کہ ذاکر مثل زندہ کے ہے اور غیر ذاکر کی مثال مردہ کی سی ہے۔ ملا علی قاری فرماتے ہیں فَاِنَّ مُدَاوَمَةَ ذِكْرِ الْحَيِّ الَّذِیْ لَا یَمُوْتُ تُوْرِثُ الْحَیٰوةَ الْحَقِیْقِیَّةَ الَّتِیْ لَا فَنَاءَ لَهَا ذکر پر مداومت مورث ہے حیاتِ حقیقی کی جس کو کبھی فنا نہیں۔ جو ذکر نہیں کرتا وہ مثل مردہ کے ہے اور جذبِ فیضِ شیخ سے محروم رہتا ہے۔ صحبت یافتہ ہونے کے باوجود جن کو فیض نہیں ملا اس کے دو سبب ہیں نمبر(۱) اللہ کو یاد نہ کرنا، (۲) تقویٰ سے نہ رہنا یعنی گناہ سے نہ بچنا۔ ہر شخص کو صحبت کا فیض بقدرِ مجاہدہ کے ہوتا ہے۔ اگر تل کو گلاب کے پھولوں میں بسایا ہوا ہے مگر وہ تل مجاہدہ سے نہیں گذرا، رگڑ رگڑ کے اس کی موٹی کھال یعنی بھوسی نہیں چھڑائی گئی تو ایسا تل پھولوں کا صحبت یافتہ ہوگا فیض یافتہ نہیں ہوگا۔ اس کی موٹی موٹی کھال کے پردوں کی وجہ سے پھول کی خوشبو اس میں نفوذ نہیں کرے گی اور اسی تل کو اگر رگڑ رگڑ کر اس کی بھوسی چھڑا دی جائے یہاں تک کہ ہلکا سا ایک غلاف رہ جائے جس میں سے تیل نظر آتا ہے کہ اگر سوئی چبھو دو تو تیل باہر آجائے اتنا مجاہدہ کرا کے اب گلاب کے پھولوں میں اگر اس تل کو بسا دو گے تو اب گلاب کا فیض پہنچے گا اور گلاب کی خوشبو تل کے تیل میں نفوذ کر جائے گی۔ معلوم ہوا کہ اگر صحبت یافتہ ہے لیکن مجاہدہ کر کے دل سے غفلت کے پردوں کو نہیں ہٹاتا، گناہ سے بچنے کا غم نہیں اُٹھاتا تو شیخ کا فیض اس کے دل میں نفوذ نہیں کرے گا۔ صحبت یافتہ ہونا اور ہے، فیض یافتہ ہونا اور ہے۔

لہٰذا ذکر پر مداومت اور تقویٰ پر استقامت یعنی نظر کی حفاظت اور اللہ کے راستہ کا غم اٹھانے سے، گناہوں سے بچنے کا غم اٹھانے سے جذبِ فیضِ مرشد کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے ورنہ قیامت تک شیخ کے ساتھ رہو گے تو زماناً صحبت یافتہ ہونے کے باوجود فیض یافتہ نہ ہوگے۔ صحبت کا کچھ نہ کچھ فائدہ تو ضرور ہوگا لیکن نامکمل فائدہ ہوگا۔ اگر مکمل فائدہ اور شیخ کا فیضِ کامل چاہتے ہو تو دل کے پردوں کو مٹاؤ، اللہ کے راستہ کا غم اٹھاؤ اور شیخ کا بتایا ہوا ذکر کرتے رہو، ان شاء اللہ جذبِ فیضِ شیخ کی صلاحیت پیدا ہو جائے گی اور شیخ کے رنگ میں رنگ جاؤ گے۔ (انعاماتِ ربانی، صفحہ: ۸۴-۹۰)

کیفیتِ احسانی اور صحبتِ اہل اللہ

لہٰذا صحبتِ شیخ کو نعمتِ عظمیٰ سمجھو اور اپنی تمام نفلی عبادات واذکار سے زیادہ شیخ کی صحبت کے ایک

لمحہ کو غنیمت سمجھو۔ اگر صحبت ضروری نہ ہوتی اور علم کافی ہوتا تو قرآن پاک پڑھ کر ہم سب صحابی ہو جاتے۔ تلاوتِ قرآن پاک سے صحابی نہیں ہوتا، نگاہِ نبوت سے صحابی ہوتا ہے۔ نگاہِ نبوت سے صحابہ کو وہ کیفیتِ احسانی حاصل ہوئی تھی کہ ان کا ایک مد جو صدقہ کرنا، ہمارے اُحد پہاڑ کے برابر سونا صدقہ کرنے سے افضل ہے۔ یہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ اور اب حضور صلی اللہ علیہ وسلم جیسا حاملِ کیفیتِ احسانیہ قیامت تک کوئی نہیں آئے گا لہٰذا اب کوئی شخص صحابی نہیں ہوسکتا۔ اس حدیثِ پاک میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بتا دیا کہ تمہارا اُحد کے برابر سونا خرچ کرنا اس کیفیتِ احسانیہ کے ساتھ نہیں ہوگا جس کیفیتِ احسانی سے میرا صحابی ایک مد جو اللہ کے راستہ میں دے گا۔

اور کیفیتِ احسانی کیا ہے؟ اَنْ تَعْبُدَ اللّٰہَ کَاَنَّکَ تَرَاہُ قلب کو ہر وقت یہ کیفیت راسخہ حاصل ہو جائے کہ اللہ مجھے دیکھ رہا ہے۔ میرے شیخ فرماتے تھے کہ جس کو یہ کیفیتِ راسخہ حاصل ہوگئی اس کا ایمان بھی حسین ہو جاتا ہے، اس کا اسلام بھی حسین ہو جاتا ہے۔ احسان بابِ افعال سے ہے اور بابِ افعال کبھی معنی میں اسمِ فاعل کے ہوتا ہے۔ احسان معنی میں محسن کے ہے۔ معنی یہ ہوئے کہ احسان ایمان کو بھی حسین کر دیتا ہے، اسلام کو بھی حسین کر دیتا ہے، اس کی بندگی ہر وقت حسین رہتی ہے۔ جس کو ہر وقت یہ استحضار ہو کہ میرا اللہ مجھ کو دیکھ رہا ہے اس کا ایمان حسین نہیں ہوگا؟ اس کو تو ہر وقت حضوری حاصل ہوگی، ایمان بالغیب نام کا ایمان بالغیب رہ جائے گا اور اس کا اسلام بھی حسین ہو جائے گا یعنی اس کی نماز، اس کی تلاوت اس کا سجدہ سب حسین ہو جائے گا۔

لہٰذا شیخ کے پاس اضافۂ علم کی نیت سے نہ جاؤ، اس نیت سے جاؤ کہ اس کے قلب کی کیفیتِ احسانی، اللہ تعالیٰ کا تعلق، قرب و حضوری، ہمتِ تقویٰ و ایمان و یقین کا اعلیٰ مقام ہمارے قلب میں منتقل ہو جائے۔ نفع لازم کی فکر کرو، نفع متعدی کی نیت بھی نہ کرو کہ یہ بھی غیر اللہ ہے اور نفع لازم کو نفع متعدی لازم ہے جیسے کہیں کوئی کباب تلا جا رہا ہے۔ تلنے سے کباب خود لذیذ ہو رہا ہے۔ نفع لازم حاصل کر رہا ہے لیکن اس کی خوشبو جب دور دور پہنچے گی تو لوگ اس کی خوشبو سے مست ہو کر خود دوڑیں گے کہ آہا کہیں کباب تلا جا رہا ہے، چلو اس کو حاصل کریں۔ اسی طرح جو عالم کسی اللہ والے کے زیرِ تربیت مجاہدات کی آگ میں تلا جاتا ہے وہ لاکھ اپنے آپ کو چھپائے اس کی خوشبو دور دور جاتی ہے۔ ایک عالَم اس سے مستفید ہوتا ہے لیکن شرط یہی ہے کہ کسی اللہ والے کی تربیت میں وہ مجاہدہ کرے۔ وہ اللہ والا جانتا ہے کہ اس کو کتنی دیر تک تلنا ہے، کتنی آنچ دینی ہے۔ بغیر صحبتِ اہل اللہ کے مجاہدہ بھی کافی نہیں۔ اس کی دوسری مثال یہ ہے کہ تلی کتنا ہی مجاہدہ کر لے اور کہے کہ مجھے میرے مجاہدات کافی ہیں، مجھے پھولوں کی صحبت میں رہنے کی ضرورت نہیں تو

ایسی تلی کو لاکھ رگڑ و اور کولہو میں اس کی ہڈی پسلی ایک ہو جائے لیکن رہے گا تلی ہی کا تیل، روغنِ گل نہیں ہوسکتا کیونکہ پھولوں کی خوشبو میں نہیں بسا۔ اسی طرح جو شخص مشائخ سے مستغنی ہوکر مجاہدات کرتا ہے اس کا قلب نسبت مع اللہ کی خوشبو سے محروم رہتا ہے اور جو کسی شیخ کامل کی صحبت میں رہ کر مجاہدہ کرے تو اس مجاہدہ کی برکت سے اس میں جلبِ نور کی استعداد پیدا ہوتی ہے اور شیخ کی نسبت مع اللہ اور کیفیتِ احسانی کی خوشبو اس کے قلب کے ذرہ ذرہ میں نفوذ کر جاتی ہے اور وہ صاحبِ نسبت اور حاملِ کیفیتِ احسانی ہو جاتا ہے۔ یہ ہے صحبت کی اہمیت۔

لہٰذا اہلِ علم اپنے علم پر ناز نہ کریں، علم کا پندار توڑ کر کسی اللہ والے کے قدموں میں اپنے کو مٹا دیں پھر اے علماء! آپ کے کمیاتِ علمیہ شرعیہ حاملِ کیفیاتِ احسانیہ ہوں گے۔ اور آپ کے علم میں وہ انوار پیدا ہوں گے کہ سارا عالم حیران ہوگا اور ایک عالم آپ سے سیراب ہوگا۔ (افضالِ ربانی، صفحہ:۱۲۔۱۵)

دنیا میں حق تعالیٰ کی معیتِ خاصہ، مشاہدۂ حق اور توجہ الی اللہ کو حدیثِ احسان میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا اَنْ تَعْبُدَ اللّٰہَ کَاَنَّکَ تَرَاہُ فَاِنْ لَّمْ تَکُنْ تَرَاہُ فَاِنَّہٗ یَرَاکَ اللہ تعالیٰ کی ایسی عبادت کرو کہ گویا تم اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہے ہو پس اگر تم اس کو نہیں دیکھتے تو اللہ تو تمہیں دیکھ رہا ہے۔ پس جب اللہ تمہیں دیکھ رہا ہے تو گویا تم بھی اللہ کو دیکھ رہے ہو۔ اس حدیث کی شرح علامہ ابن حجر عسقلانی نے یہ فرمائی ہے اَنْ یَّغْلِبَ عَلَیْہِ مُشَاھَدَۃُ الْحَقِّ بِقَلْبِہٖ حَتّٰی کَاَنَّہٗ یَرَاہُ بِعَیْنِہٖ اللہ تعالیٰ کی حضوری قلب پر ایسی غالب ہو جائے کہ گویا بندہ اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہا ہے۔ یہی توجہ الی اللہ ہے کہ حضورِ قلب اور توجہ کاملہ کے ساتھ میری طرف متوجہ رہو۔ (درسِ مثنوی مولانا روم، صفحہ:۱۴۔۱۵)

حدیث نمبر ۱۷

﴿اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِکَ مِنْ جَھْدِ الْبَلَآءِ وَ دَرْکِ الشَّقَآءِ وَسُوْءِ الْقَضَآءِ وَشَمَاتَۃِ الْاَعْدَآءِ﴾

(صحیحُ البخاری، کتابُ القدر، باب من تعوذ باللہ، ج:۲، ص:۹۷۹)

ترجمہ: اے اللہ! میں آپ کی پناہ چاہتا ہوں سخت ابتلاء سے اور بد بختی کے پکڑ لینے سے اور سوئے قضاء سے اور دشمنوں کے طعن و تشنیع سے۔

حدیثِ پاک کی یہ دعا اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِکَ مِنْ جَھْدِ الْبَلَآءِ وَدَرْکِ الشَّقَآءِ وَسُوْءِ الْقَضَآءِ وَشَمَاتَۃِ الْاَعْدَآءِ روزانہ مانگنے کا معمول بنا لیں۔ اس کی برکت سے ان شاء اللہ تعالیٰ سخت مصیبت سے، شقاوت و بد بختی سے، سوء قضا سے اور دشمنوں کے طعن و تشنیع سے حفاظت رہے گی۔

جَھْدِ الْبَلَآءِ کے جیم پر ضمہ اور فتحہ دونوں پڑھنا جائز ہے لیکن فتحہ کو ترجیح ہے کیونکہ فتحہ اخف

الحرکات ہے۔ یہ مرجح بھی بیان ہوگیا۔

جَھْدِ الْبَلَآءِ کی محدثین نے دوشرح کی ہے۔ایک معنی ہیں ایسی سخت بلاء اور مصیبت جس سے آدمی موت کی تمنا کرنے لگے۔ایک مریض کا واقعہ میرا خود اپنا چشم دید ہے کہ دمہ کی وجہ سے اس کی سانس اندر نہیں جارہی تھی اور وہ کہہ رہا تھا کہ مجھے موت کا انجکشن لگادو۔اللہ تعالیٰ ہم سب کو ایسی بیماری اور مصیبت سے محفوظ فرمائے، آمین۔

اور دوسری شرح حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی ہے کہ قِلَّةُ الْمَالِ وَ کَثْرَةُ الْعَيَالِ یعنی مال کم ہو اور اولاد زیادہ ہو۔ مال کی کمی کی وجہ سے ان کی پرورش اور کھانے پینے میں سخت پریشانی ہوتی ہے یہ بھی جَھْدِ الْبَلَآءِ ہے جس سے پناہ مانگی گئی۔اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اموال کو اولاد پر مقدم فرمایا:

﴿اِسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًاo يُّرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًاo وَيُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ وَ يَجْعَلْ لَّكُمْ جَنّٰتٍ وَّ يَجْعَلْ لَّكُمْ اَنْهٰرًاo﴾

(سورۃ نوح، ۱۲-۱۱-۱۰)

اپنے رب سے معافی چاہو وہ بہت بخشنے والا ہے۔آسمان سے تم پر پانی برسائے گا اور استغفار کی برکت سے تمہارے مال اور تمہاری اولاد کو بڑھادے گا۔اموال کو مقدم فرمایا تاکہ بندے گھبرا نہ جائیں کہ اولاد زیادہ ہوئی تو کہاں سے کھلاؤں گا۔

وَدَرْكِ الشَّقَآءِ شین پر زبر ہے جس کے معنی بدبختی اور بدنصیبی کے ہیں۔اس وقت تو ہم چین و آرام سے ہیں لیکن پناہ چاہتے ہیں کہ آئندہ کوئی بدبختی ہم کو پکڑ لے لہٰذا اے اللہ ہمارے مستقبل کو شقاوت و بدنصیبی سے تحفظ عطا فرما۔اور گناہوں کو شقاوت و بدنصیبی میں بڑا دخل ہے گناہوں سے شقاوت پیدا ہوتی ہے، اس کی دلیل حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی یہ دعا ہے:

﴿اَللّٰهُمَّ ارْحَمْنِيْ بِتَرْكِ الْمَعَاصِيْ وَ لَا تُشْقِنِيْ بِمَعْصِيَتِكَ﴾

اے اللہ! مجھ پر وہ رحمت نازل فرما کہ جس سے میں گناہوں کو چھوڑ دوں اور مجھے میرے گناہوں کی وجہ سے بدبخت نہ ہونے دیجئے۔معلوم ہوا کہ گناہوں میں شقاوت اور بدبختی کی خاصیت ہے۔اس لیے گناہوں کو جلد چھوڑ دینا چاہیے ورنہ کہیں ایسا نہ ہو کہ گناہوں کی نحوست سے شقاوت مقدر ہو جائے۔اس دعا میں دَرْكِ الشَّقَآءِ سے پناہ مانگی گئی تاکہ ہمارا مستقبل شقاوت سے محفوظ ہو جائے۔

وَسُوْءِ الْقَضَآءِ میں ماضی کی بدنصیبی سے پناہ مانگی جارہی ہے کہ اگر ماضی میں آپ نے میری تقدیر میں کوئی شقاوت اور سوء قضا لکھ دی ہو تو اس کو حسنِ قضا سے تبدیل فرمادیجیے۔جو فیصلے میرے حق میں

برے ہیں ان کو اچھے فیصلوں سے تبدیل فرما دیجئے۔ یہاں سوء کی نسبت قاضی کی طرف نہیں مقضی کی طرف ہے، اللہ تعالیٰ کا کوئی فیصلہ سوء ہو ہی نہیں سکتا لیکن جس کے خلاف وہ فیصلہ ہے اس کے حق میں بُرا ہے۔ ورنہ اللہ تعالیٰ کا ہر کام حکمت سے خالی نہیں اسی کو مولانا فرماتے ہیں ؎

کفر ہم نسبت بہ خالق حکمت است

اگر قضا اور فیصلہ کی تبدیلی اللہ کو منظور نہ ہوتی اور سوء قضا کا حسن قضا سے مبدل ہونا محال ہوتا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا نہ سکھاتے۔ یہ جو کہا جاتا ہے کہ قضاء الٰہی کو تبدیل کرنا محال ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ بندوں کے لیے محال ہے، اللہ تعالیٰ کے لیے کچھ مشکل نہیں۔ وہ حاکمِ مطلق ہیں جب چاہیں اپنے فیصلہ کو تبدیل فرما سکتے ہیں۔ اسی کو مولانا رومی عاشقانہ انداز میں مانگتے ہیں کہ اے اللہ! اگر میری قسمت میں کوئی سوء قضا آپ نے لکھ دی ہو تو اس سوء قضا کو حسنِ قضا سے تبدیل فرما دیجئے کیونکہ قضا آپ کی محکوم ہے، آپ پر حاکم نہیں ہوسکتی۔ آپ کا فیصلہ آپ پر حکومت نہیں کرسکتا، آپ کے فیصلوں کو آپ پر بالا دستی حاصل نہیں بلکہ آپ کو اپنے فیصلوں پر بالا دستی حاصل ہے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے مٰلِکِ یَوۡمِ الدِّیۡنِ فرمایا کہ میں قیامت کے دن کا مالک ہوں۔ قیامت کے دن میری حیثیت قاضی اور جج کی نہیں ہوگی، قاضی اور جج تو قانونِ مملکت کا پابند ہوتا ہے۔ قانون کے خلاف وہ کوئی فیصلہ نہیں کرسکتا، کہہ دیتا ہے کہ صاحب کیا کریں قانونی مجبوری ہے لیکن مجھے کوئی قانونی مجبوری نہیں ہوسکتی کیونکہ میں قیامت کے دن کا مالک ہوں، قاضی اور جج کی طرح قانون کا پابند نہ ہوں گا۔ جس کو چاہوں گا اپنے شاہی رحم سے بخش دوں گا اسی لیے اللہ تعالیٰ نے عرشِ اعظم کے سامنے یہ عبارت لکھوائی ہوئی ہے کہ سَبَقَتۡ رَحۡمَتِیۡ عَلٰی غَضَبِیۡ میری رحمت اور غضب کی دوڑ میں میری رحمت میرے غضب پر سبقت لے گئی۔ موضح القرآن کے مصنف حضرت شاہ عبدالقادر محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ یہ عبارت از قبیل مراحمِ خسروانہ ہے یعنی بطور شاہی رحم کے ہے۔ دنیا میں بھی ہم دیکھتے ہیں کہ سپریم کورٹ سے جب کوئی مجرم ہار جاتا ہے تو اخباروں میں آجاتا ہے کہ مجرم نے شاہ سے رحم کی اپیل کردی لہٰذا جو گنہگار جہنم کا مستحق ہوگا اللہ تعالیٰ جس کو چاہیں گے اپنے شاہی رحم سے، اپنے مراحمِ خسروانہ سے بخش دیں گے۔ یہ بات تفسیر موضح القرآن میں ہے اور یہ تفسیر چودہ سال میں لکھی گئی اور جس پتھر پر شاہ صاحب کہنی سے ٹیک لگا کر لکھا کرتے تھے اس پتھر پر نشان پڑ گیا تھا۔ یہ بات میرے شیخ شاہ عبدالغنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مجھے بتائی لہٰذا ہم اسی دنیا میں یہ دعا مانگ لیں کیونکہ آخرت دارالجزاء ہے وہاں کوئی نہیں مانگ سکتا، وہاں کوئی عمل نہیں کرسکتا۔ یہ دنیا دارالعمل ہے لہٰذا ہم یہاں پہلے ہی اللہ تعالیٰ سے رحم کی اپیل کردیں کہ اے اللہ ہمیں قیامت کے دن اپنے مراحمِ خسروانہ سے

بخش دیجئے۔

وَ شَمَاتَةِ الْاَعْدَآءِ اور دشمنوں کی طعنہ زنی سے پناہ مانگنا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سکھا رہے ہیں مثلاً جو شخص امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتا ہو اور کسی مصیبت میں مبتلا ہو جائے تو دشمن طعنہ دیتے ہیں کہ دیکھئے ہمیں کہا کرتے تھے اب خود کیسی مصیبت میں گرفتا ہیں لہٰذا وَشَمَاتَةِ الْاَعْدَآءِ سے پناہ مانگو کہ اے اللہ دشمنوں کو ہم پر طعنہ زنی کا موقع نہ دے۔ اور دوسری دعا ہے:

﴿اَللّٰهُمَّ اِنِّیۡ اَعُوۡذُ بِکَ مِنۡ زَوَالِ نِعۡمَتِکَ وَتَحَوُّلِ عَافِیَتِکَ وَ فُجَاءَ ةِ نِقۡمَتِکَ وَ جَمِیۡعِ سَخَطِکَ﴾

(صحیح مسلم، کتابُ الذکر والدعا، باب اکثر اهل الجنة الفُقرآء، ج: ۲، ص: ۳۵۲)

اس کا ترجمہ دلالتِ التزامی سے یہ ہے کہ اے اللہ! ہمیں ہر گناہ سے بچا جو سبب ہے آپ کی ناراضگی کا۔

(انعاماتِ ربانی، صفحہ: ۹۶۔۱۰۰)

حدیثِ بالا کی شرح دوسرے عنوان سے

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی اُمت کو سکھایا کہ اللہ تعالیٰ سے فیصلے بدلوالو، تقدیریں بدلوالو۔ تقدیر مخلوق نہیں بدل سکتی مگر خالق اپنے فیصلے کو بدل سکتا ہے بس اللہ ہی سے فریا کرو اَللّٰهُمَّ اِنِّیۡ اَعُوۡذُ بِکَ مِنۡ جَهۡدِ الۡبَلَآءِ وَ دَرۡکِ الشَّقَآءِ وَسُوۡءِ الۡقَضَآءِ وَشَمَاتَةِ الۡاَعۡدَآءِ اس حدیثِ پاک میں سوءِ قضا سے پناہ مانگی گئی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اے اللہ اگر میری تقدیر میں کوئی شقاوت، بدبختی اور سوءِ قضا یعنی وہ فیصلے جو میرے حق میں بُرے ہیں لکھ دیئے گئے ہیں تو آپ ان کو اچھے فیصلوں سے تبدل فرما دیجئے، شقاوت کو سعادت سے اور سوءِ قضا کو حسنِ قضا سے تبدیل فرما دیجئے۔ یہاں سوء کی نسبت قاضی کی طرف نہیں مقضی کی طرف ہے یعنی برائی کی نسبت حق تعالیٰ کی طرف نہیں ہے کیونکہ حق تعالیٰ کا کوئی فیصلہ بُرا نہیں ہوسکتا لیکن جس کے خلاف وہ فیصلہ ہے اس کے حق میں بُرا ہے جیسے جج کسی مجرم کو پھانسی کی سزا دیتا ہے تو جج کا فیصلہ بُرا نہیں، یہاں برائی کی نسبت جج کی طرف نہیں کی جائے گی کیونکہ اس نے تو انصاف کیا ہے لیکن جس مجرم کے خلاف یہ فیصلہ ہوا ہے اس کے حق میں بُرا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا کوئی فعل حکمت سے خالی نہیں، وہ خالقِ خیر وشر ہے جس طرح تخلیقِ خیر حکمت سے خالی نہیں اسی طرح تخلیقِ شر بھی حکمت سے خالی نہیں مثلاً ظلمت سے نور کی، کفر سے ایمان کی معرفت ہوتی ہے وغیرہ لہٰذا اللہ تعالیٰ کے کسی فعل کی طرف سوء کی نسبت نہیں کی جاسکتی۔ کفر کو پیدا کرنا اللہ پاک کی عین حکمت ہے لیکن جب کفر کی نسبت بندہ کی طرف ہوتی ہے اور بندہ اس کو اختیار کرتا ہے تو کفر اس کے لیے آفت و بدنصیبی وشقاوت ہے۔

معلوم ہوا کہ جزا وسزا کسب پر ہے۔ جو ایمان کو کسب کرتا ہے اچھی جزا پاتا ہے اور جو کفر کا مرتکب

ہوتا ہے سزا پاتا ہے۔اس کی مثال میرے شیخ شاہ ابرار الحق صاحب دامت برکاتہم نے عجیب دی کہ جیسے حکومت نے بجلی بنائی اور بتا دیا کہ فلاں فلاں سوئچ کو دبانا لیکن فلاں سوئچ کو نہ دبانا۔ پھر اگر کوئی ممنوعہ سوئچ کو دباتا ہے تو پکڑا جاتا ہے کہ تم نے وہ سوئچ دبایا کیوں۔اسی طرح اللہ تعالیٰ خالقِ خیر وشر ہیں اور حکم دے دیا کہ خیر کو اختیار کرو اور شر سے بچو پھر اگر کوئی شر اختیار کرتا ہے تو اسی پر مؤاخذہ اور پکڑ ہے کہ جب ہم نے منع کر دیا تھا تو تم نے اسے کیوں اختیار کیا۔اسی کو حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ سوء کی نسبت قاضی کی طرف نہیں مقضی کی طرف ہے۔

اور حدیثِ پاک میں سوءِ قضا سے پناہ کی درخواست سے معلوم ہوا کہ اگر سوءِ قضا کا حسنِ قضا سے تبدیل ہونا محال ہوتا یا منشاءِ الٰہی کے خلاف ہوتا تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم امت کو یہ دعا نہ سکھاتے۔ آپ کا سوءِ قضا سے پناہ مانگنا دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ سوءِ قضا کو حسنِ قضا سے مبدل فرما دیتے ہیں اور یہ درخواست عین منشاءِ الٰہی کے مطابق ہے۔اور جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ تقدیر کو کوئی نہیں بدل سکتا تو اس کے معنی یہ ہیں کہ مخلوق نہیں بدل سکتی، اللہ اپنے فیصلہ کو بدل سکتا ہے۔اللہ کے فیصلوں کو اللہ پر بالا دستی حاصل نہیں، اللہ کو اپنے فیصلوں پر بالا دستی حاصل ہے اسی کو مولانا رومی نے فرمایا کہ اے اللہ قضا آپ کی محکوم ہے آپ پر حاکم نہیں لہٰذا سوءِ قضا کو حسنِ قضا سے تبدیل فرما دیجئے۔

اور اسی لیے اللہ تعالیٰ نے مٰلِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ فرمایا کہ قیامت کے دن میری حیثیت قاضی اور جج کی نہیں ہوگی کہ وہ تو قانونِ مملکت کے پابند ہوتے ہیں، قانون کے خلاف کوئی فیصلہ نہیں کر سکتے، کسی مجرم کو قانون کے خلاف رہا نہیں کر سکتے، لیکن اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں مالک ہوں قیامت کے دن کا، میں قاضی اور جج کی طرح پابندِ قانون نہ ہوں گا۔ جو گنہگار قانون کی رو سے جہنم کا مستحق ہوگا تو میں قانون سے مجبور نہ ہوں گا کہ اسے جہنم ہی میں ڈال دوں جس کو چاہوں گا اپنے مراحمِ خسروانہ سے، اپنی رحمتِ شاہانہ سے بخش دوں گا۔ (محبت و معرفت، صفحہ:۳۶۰۔۳۶۳)

شرحِ حدیث بعنوانِ دگر

معلوم ہوا کہ اگر سوءِ قضاء کا حسنِ قضاء سے تبدیل ہونا محال ہوتا تو حدیثِ پاک میں اُمت کو یہ دعا آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تعلیم نہ فرماتے اور یہ جو مشہور ہے کہ تقدیر کو کوئی بدل نہیں سکتا تو اس کا یہ مطلب ہے کہ مخلوق نہیں بدل سکتی اللہ تعالیٰ تقدیر کو بدل سکتے ہیں جیسا کہ مولانا رومی نے مثنوی میں فرمایا کہ اے اللہ آپ کو اپنے فیصلوں پر بالا دستی حاصل ہے، قضا آپ کی محکوم ہے آپ پر حاکم نہیں، آپ کے فیصلوں کو آپ پر بالا دستی حاصل نہیں لہٰذا جو فیصلے میرے حق میں برے ہیں ان کو اچھے فیصلوں سے تبدیل فرما دیجئے۔

کیونکہ آپ کا کوئی فیصلہ بُرا نہیں کہ وہ تو عین عدل وانصاف اور عین حکمت ہے لیکن میری شامتِ عمل سے کیونکہ وہ میرے حق میں برا ہے اس لیے اس کو بدل دیجیے تاکہ میں تباہی و ہلاکت سے بچ جاؤں جیسے عادل جج کسی مجرم کو پھانسی کا حکم سناتا ہے تو فی نفسہٖ یہ فیصلہ بُرا نہیں کیونکہ عدل وانصاف پر مبنی ہے لیکن جس کے خلاف یہ فیصلہ اس کے جرائم کی وجہ سے ہوا ہے اس مجرم کے لیے برا ہے۔ اسی لیے حضرت حکیم الامت تھانوی نے فرمایا کہ یہاں سوء کی نسبت قاضی کی طرف نہیں مقضی کی طرف ہے یعنی برائی کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف نہیں ہے بلکہ جس کے خلاف وہ فیصلہ ہے اس کی طرف ہے، فیصلہ برا نہیں لیکن جس کے خلاف ہے اس کے لیے برا ہے اور جس طرح جب مجرم عدلیہ سے مایوس ہوجاتا ہے تو بادشاہِ وقت یا صدرِ مملکت سے رحم کی اپیل کرتا ہے لہٰذا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اُمت کو یہ دعا تعلیم فرمادی کہ سوءِ قضا سے حفاظت مانگ کر اللہ تعالیٰ سے اپنی تقدیریں بدلوالو کہ عدل کے اعتبار سے تو ہم مستحقِ سزا ہیں لیکن آپ سے آپ کے فضل اور آپ کے مراحمِ خسروانہ سے رحم کی بھیک مانگتے ہیں کہ ہماری بری تقدیر کو محض اپنے رحمِ شاہی کے صدقہ میں اچھی تقدیر سے بدل دیجیے۔

اہل اللہ کی رفاقت اور ان سے محبت للّٰہی سوءِ قضا سے حفاظت کا ذریعہ ہے کیونکہ **وَامۡتَازُوا الۡیَوۡمَ اَیُّھَا الۡمُجۡرِمُوۡنَ** کا خطاب انہیں کو سننا پڑے گا جو قلباً وقالباً واعتقاداً عباد صالحین سے نہ ہوں گے، وہی مجرمین ہوں گے۔ جب حضرت یوسف علیہ السلام **اَلۡحِقۡنِیۡ بِالصّٰلِحِیۡنَ** کی اللہ تعالیٰ سے درخواست کررہے ہیں تو پھر غیر نبی کا کیا منہ ہے جو الحاق بالصالحین کی اہمیت کا منکر ہو۔

اہل اللہ کی رفاقت سوءِ قضا سے حفاظت کا ذریعہ ہے اس کی دلیل بخاری شریف کی حدیث ہے کہ تین باتیں ایسی ہیں کہ جس کے اندر ہوں گی وہ ایمان کی حلاوت پالے گا جن میں سے ایک یہ ہے کہ جو صرف اللہ کے لیے کسی بندہ سے محبت کرے اس کو حلاوتِ ایمانی عطا ہوجائے گی اور حضرت ملاعلی قاری مرقاۃ میں نقل کرتے ہیں کہ ایمان کی حلاوت جس قلب میں داخل ہوتی ہے پھر کبھی نہیں نکلتی اور اس میں حسنِ خاتمہ کی بشارت ہے کیونکہ جب ایمان قلب سے نکلے گا ہی نہیں تو خاتمہ ایمان ہی پر ہوگا۔ لہٰذا اہل اللہ سے محبت قلب میں حلاوتِ ایمانی پانے کا ذریعہ ہے اور حلاوتِ ایمانی کا قلب میں داخل ہونا سوءِ خاتمہ سے حفاظت کا ذریعہ ہے، **اَللّٰھُمَّ ارۡزُقۡنَا مِنۡہُ**۔ (فغانِ رومی، صفحہ:۴۸۔۵۱)

حدیث نمبر ۱۸

﴿**سُئِلَ ابۡنُ عُمَرَ ھَلۡ کَانَ اَصۡحَابُ رَسُوۡلِ اللہِ ﷺ یَضۡحَکُوۡنَ؟ قَالَ نَعَمۡ وَ الۡاِیۡمَانُ فِیۡ**

قُلُوْبِهِمْ اَعْظَمُ مِنَ الْجَبَلِ﴾

(مشکوٰۃُ المصابیح، کتابُ الاداب، بابُ الضحک، ص: ۴۰۶)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے پوچھا گیا کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ ہنسا کرتے تھے تو فرمایا کہ ہاں مگر ایمان ان کے دلوں میں پہاڑ سے بھی زیادہ ہوتا تھا۔

حدیثِ پاک میں کثرتِ ضحک سے دل مردہ ہونے کی جو وعید وارد ہوئی ہے اس سے مراد وہ ہنسی ہے جو غفلت کے ساتھ ہو۔ یہ بات ملا علی قاری نے مرقاۃ میں حدیث اِنَّ کَثْرَۃَ الضِّحْکِ تُمِیْتُ الْقَلْبَ کی شرح میں لکھی ہے۔ جو لوگ شرح نہیں دیکھتے وہ مطلق ہنسی کو بُرا سمجھتے ہیں۔ اگر حدیثِ پاک کے یہ معنی ہوتے جو یہ متقشف لوگ سمجھتے ہیں تو ہنسنا ثابت ہی نہ ہوتا حالانکہ بہت سی احادیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اتنا ہنسے حَتّٰی بَدَتْ نَوَاجِذُہٗ کہ آپ کی ڈاڑھیں کھل گئیں اور صحابہ کرام بھی ہنسا کرتے تھے کَانُوْا یَضْحَکُوْنَ وَ الْاِیْمَانُ فِیْ قُلُوْبِهِمْ اَعْظَمُ مِنَ الْجَبَلِ صحابہ کرام خوب ہنستے تھے لیکن ایمان ان کے دلوں میں پہاڑوں سے بھی زیادہ تھا۔

حضرت مفتی شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ مفتی اعظم پاکستان نے بتایا کہ ایک بار خواجہ صاحب نے ہم لوگوں کو خوب ہنسایا پھر ہم لوگوں سے دریافت فرمایا کہ بتاؤ اس وقت ہنسی کی حالت میں کس کس کا دل اللہ سے غافل تھا۔ حضرت مفتی صاحب نے فرمایا کہ ہم لوگ خاموش رہے تو خواجہ صاحب نے فرمایا کہ الحمدللہ میرا دل اس وقت بھی اللہ تعالیٰ کے ساتھ مشغول تھا پھر یہ شعر پڑھا ؎

ہنسی بھی ہے گو لبوں پہ ہر دم اور آنکھ بھی میری تر نہیں ہے
مگر جو دل رو رہا ہے پیہم کسی کو اس کی خبر نہیں ہے

اور ایک مثال اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں ڈالی کہ کسی باپ کے بہت سے بچے ہوں جو باپ کے نہایت فرماں بردار ہوں اور باپ ان سے خوش ہو وہ جب آپس میں ہنستے ہیں تو باپ خوش ہوتا ہے کہ میرے بچے کیسے ہنس رہے ہیں اور نافرمان بچے جن سے باپ ناخوش ہے وہ جب ہنستے ہیں تو باپ کو غصہ آتا ہے کہ مجھے ناخوش کیا ہوا ہے اور نالائق ہنس بھی رہے ہیں۔ جن بندوں نے اللہ کو راضی کیا ہوا ہے اور جو اللہ کو ناخوش نہیں کرتے، اپنی آرزوؤں کو توڑ دیتے ہیں لیکن اللہ کے قانون کو نہیں توڑتے ان کے ہنسنے سے اللہ تعالیٰ خوش ہوتے ہیں اور جو غافل اور نافرمان ہیں ان کی ہنسی بھی اللہ کو ناپسند ہے دونوں کے ہنسنے میں زمین و آسمان کا فرق ہے، غافل کی ہنسی اور ہے ذاکر کی ہنسی اور ہے۔ اس پر میرا شعر ہے ؎

دل ہے خنداں، جگر میں ترا درد و غم
تیرے عاشق کو لوگوں نے سمجھا ہے کم

حضرت حکیم الامت مجدد الملت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جو لوگ زیادہ سنجیدہ ہوتے ہیں اکثر متکبر ہوتے ہیں اور فرمایا کہ ہنستا بولتا آدمی اچھا ہوتا ہے، اس میں تکبر نہیں ہوتا۔ میں بھی بچپن سے خاموش طبع، فکر مند جو ہر وقت کچھ سوچتا رہتا ہو ایسے لوگوں سے دور بھاگتا تھا۔ مجھے بھی خوش طبع اور ہنسنے بولنے والے لوگوں سے مناسبت ہوتی ہے۔ زیادہ خاموش اور سنجیدہ قسم کے لوگوں سے وحشت ہوتی ہے۔ ایک شخص خوب ہنستا بولتا رہتا ہے لیکن جب کوئی حسین شکل سامنے آتی ہے نابینا بن جاتا ہے، آنکھ بند کر لیتا ہے، نظر اُٹھا کر نہیں دیکھتا۔

جب آ گئے وہ سامنے نابینا بن گئے
جب ہٹ گئے وہ سامنے سے بینا بن گئے

ایک گناہ نہیں کرتا بتایئے یہ شخص اچھا ہے یا وہ جو بالکل خاموش آنکھیں بند کیے باخدا بنا ہوا ہے لیکن جیسے ہی کوئی کشتی نظر آئی ناخدا بن گیا اور سوار ہو گیا یعنی بدنگاہی کرنے لگا۔ اکثر وہ لوگ جو سنجیدہ اور مقدس بنتے ہیں کسی سے بات نہیں کرتے تجربہ ہے کہ یہی لوگ ہیں جن کے بارے میں اکبر الٰہ آبادی نے کہا تھا۔

خلافِ شرع شیخ تھوکتا بھی نہیں
اندھیرے اُجالے مگر چوکتا بھی نہیں

میں کہتا ہوں کہ اس زمانہ میں اپنے اللہ والے دوستوں میں رہو، ان سے خوب ہنسو بولو بس نافرمانی کے قریب بھی نہ جاؤ۔ جب کوئی حسین شکل سامنے آئے اب ہمت سے کام لو نفس کے گھوڑے کی لگام کس دو کہ نالائق تجھے ہرگز نہیں دیکھنے دوں گا۔ اللہ والے دوستوں میں دن خوب عیش سے گذر جائیں گے اور نافرمانی سے بچ جاؤ گے ورنہ اگر لوگوں سے بھاگ کر خلوت اختیار کی تو یہ وہ زمانہ ہے کہ شیطان پہنچ جائے گا۔ اگر کچھ نہ کر سکا تو تنہائی میں پرانے گناہوں کی رِیل چلا کر دل کو تباہ کر دے گا۔ پرانے گناہوں کو یاد دلائے گا یا نئے گناہوں کی اسکیم بنائے گا۔ لہٰذا اس زمانہ میں زیادہ تنہائی میں رہنا سخت خطرناک ہے، اللہ والے دوستوں میں رہنے میں ہی فائدہ ہے کیونکہ خلوۃ مع الرحمٰن مفید ہے خلوۃ مع الشیطان نہیں۔ (انعاماتِ ربانی، صفحہ:۱۱۰-۱۱۳)

حدیث نمبر ۱۹

﴿اَللّٰھُمَّ اِنِّیۡ اَعُوۡذُ بِکَ اَنۡ اُشۡرِکَ بِکَ وَ اَنَا اَعۡلَمُ وَ اسۡتَغۡفِرُکَ لِمَا لَا اَعۡلَمُ﴾

(عمل الیوم و اللیلۃ لابن السنی، باب الشرک، ص: ۱۴۲)

ترجمہ: اے اللہ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں اس سے کہ تیرے ساتھ شریک کروں اور اس کو میں جانتا ہوں اور تجھ

سے معافی چاہتا ہوں اس کی کہ میں نہ جانتا ہوں۔

حدیثِ پاک میں ہے کہ قیامت کے دن ایک شہید کو بلایا جائے گا اور اللہ تعالیٰ پوچھیں گے کہ کس لیے شہید ہوا؟ کہے گا کہ اے اللہ آپ کے لیے میں نے جان دے دی۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ تو جھوٹ کہتا ہے تو اس لیے شہید ہوا تا کہ کہا جائے کہ تو بڑا بہادر ہے۔ حکم ہوگا کہ اس کو جہنم میں ڈال دو۔ اسی طرح ایک قاری کو بلایا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ پوچھیں گے کہ تم قاری کس لیے بنے؟ کہے گا کہ اے اللہ آپ کے لیے۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ تو جھوٹ بولتا ہے۔ تو نے قراءت اس لیے کی تا کہ کہا جائے کہ تو بہت بڑا قاری ہے۔ اس کو بھی جہنم میں ڈالنے کا حکم ہوگا۔ پھر ایک سخی کو بلایا جائے گا اللہ تعالیٰ اس سے پوچھیں گے کہ مال کس لیے خرچ کیا؟ کہے گا کہ اے اللہ آپ کے لیے۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے جھوٹ کہتا ہے تو نے اس لیے خرچ کیا تا کہ کہا جائے کہ تو بہت بڑا سخی ہے۔ اس کو بھی جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔ معلوم ہوا کہ دِکھاوا اتنا خطرناک مرض ہے کہ ایک شہید کی شہادت قبول نہیں ہوئی، ایک قاری کی قراءت قبول نہیں ہوئی اور ایک سخی کی سخاوت قبول نہیں ہوئی۔ جان بھی گئی، مال بھی گیا، قراءت سیکھنے کی محنت بھی گئی اور جنت بھی نہ ملی۔ لہٰذا دل کو ٹٹولنا چاہیے کہ ہم کس لیے عمل کر رہے ہیں اور اس مرض کے علاج کی فکر کرنی چاہیے۔

رِیا سے حفاظت کا اور اخلاص کے حاصل کرنے کا کیا طریقہ ہے؟ حضرت مفتی شفیع صاحب مفتی اعظم پاکستان نے اپنے شیخ و مرشد حضرت حکیم الامت مجدد الملت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے اس شعر کے متعلق پوچھا کہ حضرت شاعر نے جو یہ کہا ہے کہ ایک منٹ کی صحبتِ اہل اللہ سو سال کی اخلاص والی عبادت سے بہتر ہے تو کیا یہ مبالغہ نہیں ہے۔ حضرت حکیم الامت تھانوی نے فرمایا کہ مفتی صاحب یہ مبالغہ نہیں ہے بلکہ شاعر نے کم بیان کیا ہے کہ ؎

یک زمانے صحبتِ با اولیاء
بہتر از لکھ سالہ طاعتِ بے ریا

شاعر کو یوں کہنا چاہیے تھا ؎

یک زمانے صحبتِ با اولیاء
بہتر از لکھ سالہ طاعتِ بے ریا

اللہ والوں کی صحبت ایک لاکھ سال کی اخلاص والی عبادت سے افضل ہے اور اس کی وجہ حضرت نے ملفوظات حسن العزیز میں بیان فرمائی کہ شیطان نے ہزاروں سال عبادت کی لیکن مردود ہونے سے نہ بچ سکا لیکن اللہ والوں کا صحبت یافتہ مردود نہیں ہوتا، گناہ کا اس سے صدور تو ہوسکتا ہے لیکن دائرۂ اسلام سے خروج نہیں

ہوسکتا۔ ایمان ان شاء اللہ اس کا سلامت رہے گا۔ حسنِ خاتمہ نصیب ہوگا اور اللہ والوں کا صحبت یافتہ گناہوں پر قائم بھی نہیں رہ سکتا، توفیقِ توبہ ان کی برکت سے نصیب ہوجاتی ہے۔ تو فرمایا کہ صحبتِ اہل اللہ میں جب یہ اثر ہے کہ وہ دائرۂ اسلام سے خروج سے حفاظت کی ضامن ہے تو پھر وہ اس عبادت سے کیوں افضل نہ ہوگی جس میں یہ اثر نہ ہو۔

حضرت حکیم الامت نے اس کی کوئی دلیل نقل نہیں فرمائی لیکن اللہ تعالیٰ نے ایک حدیث مجھے یاد دلائی جو حضرت حکیم الامت کے ارشاد کی دلیل ہے۔ بخاری شریف کی حدیث ہے:

﴿مَنْ اَحَبَّ عَبْدًا لاَ یُحِبُّہٗ اِلاَّ لِلّٰہِ﴾

(صحیحُ البخاری، کتابُ الایمان، باب من کرہ ان یعود فی الکفر، ج: ۱، ص: ۸)

جو شخص کسی بندے سے صرف اللہ کے لیے محبت کرے تو اس کو حلاوتِ ایمانی نصیب ہوگی اور اللہ والوں سے اللہ ہی کے لیے محبت ہوتی ہے کیونکہ اپنا خاندان نہیں ہوتا ہے، بعض وقت اپنی زبان بھی نہیں ہوتی اور بعض وقت کوئی رشتہ بھی نہیں ہوتا، نہ کسی تجارت اور بزنس کا تعلق ہوتا ہے صرف اللہ ہی درمیان میں ہوتا ہے لہٰذا اللہ والوں سے محبت للّٰہی بدرجۂ کمال ہوتی ہے اس لیے اہل اللہ کی محبت پر بھی حلاوتِ ایمانی کا وعدہ ہے جس پر حسنِ خاتمہ موعود ہے۔ (فیوض ربانی، صفحہ: ۲۲-۲۳)

ملا علی قاری فرماتے ہیں وَ قَدْ وَرَدَ اَنَّ حَلاَ وَۃَ الْاِیْمَانِ اِذَا دَخَلَتْ قَلْباً لاَ تَخْرُجُ مِنْہُ اَبَدًا وَفِیْہِ اِشَارَۃٌ اِلٰی بَشَارَۃِ حُسْنِ الْخَاتِمَۃِ یعنی حلاوتِ ایمانی جس قلب کو عطا ہوتی ہے پھر کبھی اس دل سے نہیں نکلتی اور جب ایمان کبھی دل سے نکلے گا ہی نہیں تو اس میں حسنِ خاتمہ کی بشارت موجود ہے۔ اور دوسری دلیل بھی بخاری شریف کی ہے:

﴿ھُمُ الْجُلَسَآءُ لاَ یَشْقٰی جَلِیْسُھُمْ﴾

(صحیحُ البخاری، کتابُ الدعوات، باب فضل ذکر اللہ عزَّ وجلَّ، ج: ۲، ص: ۹۴۸)

یہ اللہ والے ایسے ہم نشین ہیں کہ ان کے پاس بیٹھنے والا شقی اور بد بخت نہیں رہ سکتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُمت کو ایک دعا تعلیم فرمائی، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ تم یہ دعا پڑھ لیا کرو تو تم دکھاوے کے مرض سے نجات پا جاؤ گے مِنْ قَلِیْلِہٖ وَکَثِیْرِہٖ وَصَغِیْرِہٖ وَکَبِیْرِہٖ چاہے تھوڑی ریا ہو یا زیادہ ہو، چھوٹا دِکھاوا یا بڑا دِکھاوا ہو ہر قسم کے دِکھاوے اور ریا سے نجات پا جاؤ گے وہ دعا یہ ہے:

﴿اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِکَ اَنْ اُشْرِکَ بِکَ وَ اَنَا اَعْلَمُ وَ اَسْتَغْفِرُکَ لِمَا لاَ اَعْلَمُ﴾

اے اللہ! میں پناہ چاہتا ہوں کہ آئندہ تیرے ساتھ دِکھاوا اور شرک کروں اور مجھے اس کی خبر بھی ہو لیکن ماضی میں جو کچھ ہو چکا اے اللہ اس سے بھی میں معافی چاہتا ہوں کہ دِکھاوا ہو گیا اور مجھے پتہ بھی نہ چلا۔ لہٰذا اعوذ

بک سے پاکی مل گئی اور اَسْتَغْفِرُکَ سے معافی مل گئی تو پاکی بھی ملی اور معافی بھی ملی اور کیا چاہیے یعنی بندہ رِیا سے پاک کر دیا گیا اور جو کچھ دِکھاوا ماضی میں ہو چکا اس کی معافی مل گئی۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جو یہ دعا سکھائی اس میں رِیا، دِکھاوا اور شرکِ خفی سے پاکی بھی ہے اور معافی بھی ہے۔

لیکن اگر کوئی دعا کرتا رہے کہ اے اللہ مجھے اولاد دے دے اور شادی نہ کرے تو کیا اس کو اولاد ملے گی؟ ایسے ہی ریاء سے بچنے کی یہ دعا جب قبول ہوگی جب اللہ والوں کی صحبت میں رہو۔ قطب العالم حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اللہ والوں کی صحبت میں رہنا سو برس کی اخلاص کی عبادت سے افضل ہے۔ پھر ہنس کر فرمایا کہ مگر ایک منٹ کی اخلاص کی عبادت نصیب نہیں ہوگی جب تک اللہ والوں کی صحبت میں نہیں جاؤ گے۔ اخلاص ملتا ہی ہے اللہ والوں کی صحبت سے۔

اب اگر کوئی یہ اِشکال کرے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تو صرف دعا سکھائی، صحبتِ اہل اللہ کی قید تو نہیں لگائی تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ جن کو یہ دعا سکھائی جارہی تھی وہ بھی تو صحبت یافتہ تھے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے۔ جن کو صحبتِ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حاصل تھی ان کو یہ دعا بتائی گئی۔ معلوم ہوا کہ اللہ والوں کی صحبت بھی حاصل رہے اور یہ دعا بھی رہے تو پھر ان شاء اللہ تعالیٰ کام بن جائے گا۔ (انعاماتِ ربانی، صفحہ:۱۱۳۔۱۱۶)

حدیث نمبر ۲۰

﴿اَلرَّجُلُ عَلٰی دِیْنِ خَلِیْلِہٖ فَلْیَنْظُرْ اَحَدُکُمْ مَنْ یُّخَالِلُ﴾

(سننُ الترمذی، کتابُ الزھد، باب ما جآء فی اخذ المال بحقه، ج:۲، ص:۶۳)

ترجمہ: آدمی اپنے گہرے دوست کے دین پر ہوتا ہے۔ پس چاہیے کہ تم میں سے ہر ایک غور کرلے اس شخص کے متعلق کہ جس کو دوست بنائے۔

پیر کی کتنی محبت ہونی چاہیے اس مضمون کے متعلق ایک بہت بڑا راز اللہ تعالیٰ نے میرے قلب پر مکشوف فرمایا اور وہ یہ ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اَلْمَرْءُ عَلٰی دِیْنِ خَلِیْلِہٖ فَلْیَنْظُرْ اَحَدُکُمْ مَنْ یُّخَالِلُ انسان اپنے خلیل اور گہرے دوست کے دین پر خود بخود ہو جاتا ہے۔ تو اگر شیخ سے اتنی محبت ہو جائے کہ وہ ہمارے قلب میں خلیل ہو جائے تو اس کی تمام ادائیں ہمارے اندر خود بخود آجائیں گی اور جب تک یہ ادائیں اس کے اندر نہیں آرہی ہیں تو صحبتِ شیخ اس کے لیے نفع کامل کا ذریعہ نہیں بن رہی ہے بوجہ اس کی نالائقی اور عدم اتباع کے۔ شیخِ کامل کی صحبت سے نفع کامل حاصل کرنے کے لیے تفسیر روح المعانی کا ایک جملہ ہے کہ خَالِطُوْھُمْ لِتَکُوْنُوْا مِثْلَھُمْ اتنا ساتھ رہو کہ تم بھی اپنے شیخ کی

طرح ہو جاؤ، وہی دردِ دل، وہی آہ وفغاں، وہی غضِ بصر، وہی تقویٰ تمہارے اندر بھی منتقل ہو جائے۔ اس حدیث کی رو سے کہ اَلْمَرْءُ عَلٰی دِیْنِ خَلِیْلِهٖ اگر شیخ تمہارا خلیل ہوتا اور علیٰ سبیلِ خلت تم کو شیخ کی محبت نصیب ہوتی تو شیخ کی راہ میں اور تمہاری راہ میں فرق نہ ہوتا۔ معلوم ہوا کہ تمہاری رفاقت میں حسن نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں وَحَسُنَ اُولٰٓئِکَ رَفِیْقًا یہ خالی جملۂ خبریہ نہیں ہے اس میں جملۂ انشائیہ پوشیدہ ہے۔ یہ بہت اچھے رفیق ہیں اس خبر میں یہ انشاء موجود ہے کہ ان کے ساتھ حسین رفاقت اختیار کرو۔ جب تک شیخ کے راستہ میں اور مرید کے راستہ میں فرق ہے تو اللہ تعالیٰ سے شیخ کی محبت علیٰ سبیلِ خلت مانگو کہ اے اللہ! شیخ کو میرے قلب میں اتنا محبوب کر دے کہ وہ میرا خلیل ہو جائے اور میں علیٰ دین خلیلہ ہو جاؤں پس جب شیخ کی محبت خلت کے درجہ میں پہنچ جائے گی تو اس کے مشورہ پر اتباعِ کامل کی توفیق ہوگی اور پھر خود بخود شیخ کے تمام اخلاق آپ کے اندر منتقل ہو جائیں گے۔ یہ شرح اللہ تعالیٰ نے ابھی میرے دل کو عطا فرمائی۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں اَلْمَرْءُ عَلٰی دِیْنِ خَلِیْلِهٖ اس حدیث میں شیخ کی محبت کی تعلیم ہے اور بخاری شریف کی حدیث ہے مَنْ اَحَبَّ عَبْدًا لَا یُحِبُّهٗ اِلَّا لِلّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ اس میں بھی شیخ کی محبت کی تعلیم ہے کیونکہ شیخ سے محبت اللہ ہی کے لیے ہوتی ہے کیونکہ اس کے ساتھ کوئی رشتہ داری نہیں، وطنی، علاقائی، زبانی وتجارتی تعلق بھی نہیں ہے۔ اپنے شیخ کی محبت کا ایک انعام یہ بھی ہے جو بخاری کی اس حدیث میں مذکور ہے کہ اس کو ایمان کی مٹھاس ملے گی اور اس کا خاتمہ ایمان پر ہوگا اور اس کو اللہ کی محبت بھی ملے گی اور اعمالِ صالحہ کی محبت بھی ملے گی۔ اس لیے سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جب اللہ کی محبت مانگی تو اس کے ساتھ اللہ کے عاشقوں کی محبت بھی مانگی اور اعمال کی محبت بھی مانگی:

﴿اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ حُبَّکَ وَحُبَّ مَنْ یُّحِبُّکَ وَ الْعَمَلَ الَّذِیْ یُبَلِّغُنِیْ حُبَّکَ﴾

(سننُ الترمذی، کتابُ الدعوات، باب ماجآء فی عقد التسبیح بالید، ج: ۲، ص: ۱۸۷)

اللہ کی محبت اور اعمال کی محبت کے بیچ میں اللہ کے عاشقوں کی محبت مانگ کر سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بتا دیا کہ جس کو شیخ کی محبت مل جاتی ہے اس کو اللہ کی محبت بھی مل جاتی ہے اور اعمال کی توفیق بھی ہو جاتی ہے اور حدیث اَلْمَرْءُ عَلٰی دِیْنِ خَلِیْلِهٖ سے معلوم ہوا کہ ہر آدمی اپنے خلیل (گہرے دوست) کے دین پر خود بخود ہو جاتا ہے لہٰذا جس کو اپنے شیخ کی محبت کم ہوگی علیٰ سبیلِ خلت نہیں ہوگی اس کے اندر شیخ کا دین، شیخ کا اخلاق، شیخ کا تعلق مع اللہ پورا منتقل نہیں ہوگا۔ خلیل کے معنی ہیں گہرا دوست۔ دوستی اتنی گہری ہو کہ دل کے اندر داخل ہو جائے۔ اس حدیث کی شرح مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ نے یوں فرمائی ؎

مہر پاکاں درمیانِ جاں نشاں
دل مدہ الا بمہرِ دل خوشاں

شیخ کی محبت کو، اللہ والوں کی محبت کو اپنی جان کے اندر رکھ لو، عقل میں نہیں، عقلی محبت کافی نہیں ہے، دماغ میں بھی نہیں، قلب میں بھی نہیں صرف دل کی محبت بھی کافی نہیں ہے اور آگے بڑھو، دل کے درمیان کی محبت سے بھی آگے بڑھو درمیانِ جان لے آؤ، روح کے اندر لے آؤ، جان کے اوپر اوپر والی محبت بھی کافی نہیں۔ یہ مولانا رومی کی بلاغت ہے، فرماتے ہیں کہ شیخ کی محبت کو جان کے اوپر ہی نہ رکھو جان کے درمیان میں لے آؤ اور اور دل کسی کو مت دو لیکن جن کے دل اچھے ہو گئے ہیں ان کو دل دو اور دل کب اچھا ہوتا ہے؟ دل تو ایک ظرف ہے، برتن ہے، برتن کب اچھا ہوگا؟ جب اس میں اچھی چیز رکھو گے۔ اللہ کی محبت سے بڑھ کر کون سی چیز اچھی ہوسکتی ہے۔ بس جن کے دل اللہ کی محبت سے اچھے ہو گئے ان کو اپنا دل دے دو۔

تو اللہ والا بننے کے لیے اپنے شیخ کی محبت کو اللہ سے مانگو کہ یا اللہ ہمارا شیخ ہمارا خلیل ہو جائے۔ سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اَلْمَرْءُ عَلٰی دِیْنِ خَلِیْلِهٖ اگر سچا اللہ والا تمہارا خلیل ہو جائے گا اور تم اس کے خلیل ہو جاؤ گے تو سارا دین آسان ہو جائے گا، یہاں تک کہ شیخ کے علوم، شیخ کے ارشادات، شیخ کا دردِ دل، شیخ کی طرزِ گفتگو، شیخ کا طرزِ رفتار، شیخ کا طرزِ گفتار یعنی شیخ کے جینے کے سارے قرینے مرید میں منتقل ہو جاتے ہیں۔ لہٰذا اگر کسی شیخ کے ہزاروں مرید ہیں تو جس مرید میں شیخ کی محبت غالب ہوگی اُسے شیخ کا سارا علم مل جائے گا، شیخ کا سارا دردِ دل مل جائے۔ اور اس کے پاس بیٹھنا شیخ کے پاس بیٹھنا ہو جائے گا۔ سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت صدیق اکبر کے لیے فرماتے ہیں کہ میں نے سب کے احسانات کا بدلہ دے دیا لیکن صدیق کا ہم سے بدلہ ادا نہیں ہوسکا۔ اللہ ہی اس کا بدلہ ان کو دے گا۔ اس سے معلوم ہوا کہ شیخ پر اس طرح فدا ہونا چاہیے کہ اس کے دل پر تمہاری محبت و وفاداری کا نقش بیٹھ جائے۔ (انعاماتِ ربانی، صفحہ: ۱۱۸۔۱۲۱)

حدیث نمبر ۲۱

﴿لَاَ نِیْنُ الْمُذْنِبِیْنَ اَحَبُّ اِلَیَّ مِنْ زَجَلِ الْمُسَبِّحِیْنَ﴾

(روح المعانی فی تفسیر القراٰن العظیم والسبع المثانی، سورۃ القدر، ج: ۳۰، ص: ۱۹۶)

ترجمہ: گنہگار بندوں کا رونا مجھے زیادہ محبوب ہے تسبیح پڑھنے والوں کی سبحان اللہ سے۔

اللہ کے اللہ ہونے کی دلیل

ندامت کے ان آنسوؤں کی قدر جو اللہ تعالیٰ نے فرمائی اللہ کے علاوہ کون ایسی قدر کرسکتا ہے کہ ان کو یہ قیمت عطا فرمائی کہ جہاں جہاں یہ آنسو لگ جائیں گے جہنم کی آگ وہاں حرام ہو جائے گی اور

اللہ تعالیٰ ان آنسوؤں کوشہیدوں کے خون کے برابر وزن کرتا ہے ۔

کہ برابر می کند شاہِ مجید
اشک را در وزن با خونِ شہید

اللہ تعالیٰ مولانا رومی کی قبر کونور سے بھر دے فرماتے ہیں کہ ندامت کے آنسو شہید کے خون کے برابر کیوں ہیں؟ کیونکہ ندامت کے یہ آنسو پانی نہیں ہیں یہ جگر کا خون ہے جو اللہ کے خوف سے پانی ہو گیا ہے اور حدیثِ قدسی میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ لَاَنِیْنُ الْمُذْنِبِیْنَ اَحَبُّ اِلَیَّ مِنْ زَجْلِ الْمُسَبِّحِیْنَ اللہ کے نادِم، اشکبار، گنہگار بندے جب آنسو بہاتے ہیں اور گڑ گڑا کر معافی مانگتے ہیں تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ساری کائنات کے سبحان اللہ سبحان اللہ کہنے والے، ملائکہ کے سبحان اللہ سے اور اولیاء اللہ اور ابدال اور اقطاب اورغوث کے سبحان اللہ سے مجھے اپنے گنہگار بندوں کے یہ آنسو، ان کا یہ رونا اور گڑ گڑانا اور آہ و نالہ کرنا زیادہ محبوب ہے۔ یہی دلیل ہے کہ اللہ اللہ ہے جو مخلوق کی تعریف وحمد وثنا سے بے نیاز ہے۔ اگر دنیا کے کسی بادشاہ کو استقبالیہ دیا جارہا ہواور اس کی تعریفیں بیان ہو رہی ہوں تو اس وقت وہ پسند نہیں کرتا کہ کوئی غریب مصیبت زدہ وہاں رونا شروع کر دے۔ کہے گا کہ اس کو یہاں سے نکالو، یہ رونے کا موقع نہیں ہے، اس وقت میری عظمتیں بیان ہو رہی ہیں، اس سے کہہ دو کہ اس وقت میرے رنگ میں بھنگ نہ ڈالے لیکن اللہ تعالیٰ مخلوق کی تعریف سے بے نیاز ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی عظمتیں مخلوق کے ہاتھ میں نہیں ہیں، اگر سارا عالم ولی اللہ ہو جائے، ایک کافر بھی نہ رہے اور ساری دنیا کے کافر بادشاہ ایمان لا کر ولی اللہ ہو جائیں اور راتوں کو ہمیشہ سجدہ میں گر کر سبحان ربی الاعلیٰ کہتے رہیں تو اللہ تعالیٰ کی عظمتوں میں ایک ذرّہ اضافہ نہیں ہوگا۔ کیونکہ اضافہ ہونے سے لازم آتا کہ قبل تعریف مخلوق نعوذ باللہ عظمت میں اتنی کمی تھی جو مخلوق کی حمد وثنا سے پوری ہوئی پس اللہ تعالیٰ کی عظمت میں ایک ذرّہ کمی ہونا محال ہے لہٰذا اللہ کی ذات مخلوق کی تعریف سے بے نیاز ہے اور اگر سارا عالم کافر ہو جائے ایک بھی مسلمان نہ رہے اور سارے کفار اللہ تعالیٰ کی عظمتوں کے خلاف بکواس کر رہے ہوں تو اللہ تعالیٰ کی عظمت کو ایک ذرّہ نقصان نہیں پہنچ سکتا۔ اللہ تعالیٰ کی ایک ادنیٰ مخلوق سورج ہے جو زمین سے ساڑھے نو کروڑ میل پر ہے۔ کوئی اس سورج کی طرف منہ کر کے تھوک کر دیکھے اگر تھوکنے والے کے منہ پر تھوک نہ پڑے تو کہنا۔ ایک ادنیٰ سی مخلوق کا یہ حال ہے کہ کوئی اس کو نقصان نہیں پہنچا سکتا تو اللہ تعالیٰ کی عظمتِ شان تو غیر محدود ہے، احاطہ سے باہر ہے اس کو بھلا کون ایک ذرّہ نقصان پہنچا سکتا ہے۔

استغفار وتوبہ، آہ وزاری اور اشکباری اتنی بڑی نعمت ہے کہ زمین وآسمان نے کسی ایسے بندے کو

نہیں دیکھا جس نے اشکبار آنکھوں سے معافی مانگی ہو اور خدا نے اُس کو معاف نہ کیا ہو۔ وہ خود ہمیں معاف کرنا چاہتے ہیں اس لیے حکم دے رہے ہیں اِسْتَغْفِرُوْا رَبَّکُمْ اپنے رب سے معافی مانگو اِنَّهٗ کَانَ غَفَّارًا وہ بہت بخشنے والا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ ہم جو دوسروں کو معاف کرنے میں دیر کرتے ہیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ دوسروں کی خطاؤں سے ہمیں نقصان پہنچتا ہے۔ کسی نے ہماری گھڑی توڑ دی، گلاس توڑ دیا، مال چرا لیا، تو ہمارا نقصان ہوا لیکن ہمارے گناہوں سے اللہ تعالیٰ کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا اس لیے وہ ہمیں جلد معاف کر دیتے ہیں۔ یہ ہے راز بندوں کو جلد معاف کر دینے کا۔ گناہوں سے ہمیں کو نقصان پہنچتا ہے، ہمارے ہی اخلاق خراب ہوتے ہیں، ہمارا ہی دل بے چین ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کو ایک ذرّہ نقصان نہیں پہنچتا اسی لیے سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دعا مانگی:

﴿یَا مَنْ لَّا تَضُرُّهُ الذُّنُوْبُ وَلَا تَنْقُصُهُ الْمَغْفِرَةُ فَاغْفِرْلِیْ مَالَا یَضُرُّکَ وَهَبْ لِیْ مَا یَنْقُصُکَ﴾

(شعبُ الایمان لِلبیهقی)

اے وہ ذات! جس کو ہمارے گناہوں سے کوئی نقصان نہیں پہنچتا اور معاف کر دینے سے جس کے خزانۂ مغفرت میں کوئی کمی نہیں آتی پس میرے ان گناہوں کو معاف فرما دیجیے جو آپ کے لیے کچھ مضر نہیں اور مجھے وہ مغفرت عطا فرما دیجیے جس کی آپ کے خزانے میں کوئی کمی نہیں۔ (انعاماتِ ربانی، صفحہ: ۱۳۰-۱۳۲)

حدیث نمبر ۲۲

﴿کَانَ یُحَدِّثُنَا وَ کُنَّا نُحَدِّثُهٗ وَاِذَا سُمِعَ الْاَذَانُ کَاَنَّهٗ لَمْ یَعْرِفُنَا وَلَمْ نَعْرِفْهُ﴾

ترجمہ: حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہم سے گفتگو کرتے تھے اور ہم حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے گفتگو کرتے تھے اور جس وقت اذان کی آواز سنائی دی تو گویا کہ آپ ہمیں پہچانتے نہیں اور نہ ہم آپ کو پہچانتے۔

کَانَ یُحَدِّثُنَا وَ کُنَّا نُحَدِّثُه حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہم سے گفتگو کرتے تھے اور ہم حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے گفتگو کرتے تھے اِذَا سَمِعَ الْاَذَانَ کَاَنَّهٗ لَمْ یَعْرِفُنَا وَلَمْ نَعْرِفْهُ جہاں اذان کی آواز آئی تو جیسے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہمیں پہچانتے بھی نہیں تھے۔ یہ ہے حلال نعمت کی سنت کہ حلال نعمت سے بھی اتنا دل نہ لگاؤ کہ نعمت دینے والے کی عبادت میں خلل پیدا ہو جائے اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صحبت کی برکت سے حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بھی ایسا قوی ایمان عطا ہوا کہ فرماتی ہیں وَلَمْ نَعْرِفْهُ ہمیں بھی ایسا لگتا تھا کہ اللہ کی عظمت کے سامنے گویا ہم بھی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو نہیں پہچانتے تھے۔

تہجد کی نماز میں ایک ایک رکعت میں پانچ پانچ پارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم تلاوت فرماتے تھے کہ آپ کے قدم مبارک سوج جاتے تھے اس کے بعد فجر کی اذان سے کچھ پہلے آپ حضرت عائشہ صدیقہ

سے گفتگو فرماتے تھے کَلِّمِیۡنِیۡ یَا حُمَیۡرَا اے عائشہ! مجھ سے کچھ باتیں کرو۔ یہ گفتگو کس لیے تھی؟ آہ! اللہ والوں نے اس راز کو سمجھا۔ قطب العالم حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ گفتگو عام گفتگو نہیں تھی جو عام میاں بیوی کرتے ہیں بلکہ تہجد کی نماز میں ایک ایک رکعت میں کئی کئی پارے تلاوت کرنے کی وجہ سے آپ کی روحِ مبارک عرشِ اعظم کا طواف کرتی تھی لہٰذا فجر کی نماز کی امامت کے لیے روحِ مبارک کو عرشِ اعظم سے مدینہ شریف کی زمین پر لانے کے لیے آپ گفتگو فرماتے تھے تاکہ آپ کی روحِ مبارک آہستہ آہستہ مسجدِ نبوی میں امامت کے قابل ہوجائے۔ یہ تھا اس گفتگو کا راز۔

سید الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مخصوص اوقاتِ قرب

لہٰذا ایک مرتبہ تہجد میں کئی کئی پارے تلاوت کرنے کے بعد جب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی روحِ مبارک حق تعالیٰ کے قربِ عظیم سے مشرف تھی اس حالت میں حضرت عائشہ صدیقہ پہنچ گئیں اور عرض کیا یا رسول اللہ فرمایا مَنۡ اَنۡتِ؟ تم کون ہو؟ عرض کیا اَنَا عَائِشَۃُ میں عائشہ ہوں فرمایا مَنۡ عَائِشَۃُ عائشہ کون؟ عرض کیا بِنۡتُ اَبِیۡ بَکۡرٍ ابوبکر کی بیٹی فرمایا مَنۡ اَبُوۡ بَکۡرٍ کون ابوبکر؟ عرض کیا اِبۡنُ اَبِیۡ قُحَافَۃَ میرے دادا ابوقحافہ کے بیٹے فرمایا مَنۡ اَبُوۡ قُحَافَۃَ ابوقحافہ کون ہے؟ میں نہیں جانتا۔ حضرت عائشہ صدیقہ خوفزدہ ہوکر واپس ہوگئیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس مقامِ عروج سے جب آپ کی روحِ مبارک کو اُمت کی خدمت کے لیے نزول بخشا تاکہ زمین والوں کو پیغامِ نبوت پہنچایا جائے تو حضرت عائشہ صدیقہ نے سب واقعہ سنایا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ اے عائشہ لِیۡ مَعَ اللہِ وَقۡتٌ میرے اور میرے اللہ کے درمیان کچھ خاص اوقات ہوتے ہیں جہاں کوئی فرشتہ بھی پر نہیں مار سکتا۔ میں اس وقت اللہ کے قرب کے اس مقام پر تھا جہاں جبرئیل علیہ السلام بھی نہیں جاسکتے۔ اس مقامِ قرب کو اللہ کے ایک ولی نے اس طرح تعبیر کیا ہے ؎

نمودِ جلوۂ بے رنگ سے ہوش اس قدر گم ہیں
کہ پہچانی ہوئی صورت بھی پہچانی نہیں جاتی

یہ حدیث بالکل صحیح ہے۔ محدثِ عظیم ملا علی قاری نے مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں اس کی توثیق کی ہے۔

(احقر راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ حضرت مرشدی عارف باللہ مولانا شاہ محمد اختر صاحب دامت برکاتہم فداہ ابی وامی نے اس واقعہ کو معارف مثنوی کے آخر میں اپنی فارسی مثنوی میں نظم فرمایا ہے جس کا ایک ایک شعر الہامی ہے قارئین کی نشاطِ طبع کے لیے ان میں سے صرف چار شعر مع ترجمہ پیش کرتا ہوں۔

مصطفیٰ فرمود بشنو عائشہ
روح ما ز فلاک باشد فائقہ

سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اے عائشہ سنو! اس وقت میری روح ہفت افلاک سے آگے غایت قرب خداوندی سے مشرف تھی۔

آں تجلی آں زماں حق می نمود
اندریں تن شمۂ ہوشے نبود

اس وقت میری روح ایسی قوی تجلی کا مشاہدہ کررہی تھی کہ میرے عناصر بدن ہوش وحواس کو قابو میں نہ رکھ سکے۔

دید جانم آں تجلی آں زماں
جبرئیلے را تحمل نیست زاں

میری روح وہ تجلیاتِ خداوندی دیکھ رہی تھی کہ جس کا تحمل جبرئیل علیہ السلام بھی نہیں کرسکتے۔

جانِ ما چو لذتِ حق را چشید
عقل ما در عائشہ شد نارسید

میری روح اس وقت تجلیات قرب کی ایسی لذت چکھ رہی تھی کہ میرے عقل وہوش عائشہ کو پہچاننے سے قاصر ہوگئے۔)

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مقاماتِ قرب کا کیا کہنا ہے کہ آپ تو سیدالانبیاء ہیں اس اُمت کے غلاموں میں یہ شان ہے کہ میرے مرشد شاہ عبدالغنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کئی کئی گھنٹے عبادت کرتے تھے۔ایک بار میرے پیر بھائی ماسٹر عین الحق صاحب حضرت والا کی خدمت میں ایک ضروری کاغذ پر دستخط کرانے کے لیے حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ حضرت اس کاغذ پر دستخط کردیجئے۔حضرت رات کے تین بجے کے اُٹھے ہوئے، تہجد کی بارہ رکعات اور سجدہ میں دیر تک رونا پھر بارہ تسبیحات پھر فجر کی نماز کے بعد تلاوت، مناجاتِ مقبول، قصیدہ بردہ شریف اور اللہ کے نام میں مست۔میرے شیخ کی عبادت عاشقانہ عبادت تھی، زاہدانہ عبادت نہیں تھی۔آہ وفغاں کے ساتھ عبادت کرتے تھے۔ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جیسے کئی وقت کا بھوکا کباب بریانی کھارہا ہے۔اور ہر دس بیس آیت کے بعد اللہ کا نعرہ اس زور سے مارتے تھے کہ مسجد ہل جاتی تھی۔حضرت نے آنکھ بند کرکے بہت سوچا کہ میرا کیا نام ہے۔جب یاد نہیں آیا تو ان ہی سے پوچھا کہ میرا کیا نام ہے؟ پوربی زبان کا یہ شعر حضرت کی اس حالت کا ترجمان تھا۔

لیس من مور لبد گئے توں ہیں
سمرن نام بسر گئے موں ہیں

اے خدا! میرا دل آپ سے ایسا چپک گیا کہ اے میرے محبوب مجھے اپنا نام بھی یاد نہیں آرہا ہے۔ اپنا ہی نام پوچھنے پر ماسٹر عین الحق صاحب کو ہنسی آگئی۔ حضرت نے ڈانٹ کر فرمایا کہ بتاتے کیوں نہیں ہو۔ تب انہوں نے کہا کہ حضرت آپ کا نام عبدالغنی ہے حضرت نے دستخط کیے اور یہ ڈر کے مارے وہاں سے بھاگ گئے۔

اللہ تعالیٰ کا احسان وکرم ہے کہ اختر کو سترہ سال تک ایسے شیخ کی صحبت وخدمت عطا فرمائی جس کو بارہ مرتبہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہوئی اور ایک مرتبہ ایسی زیارت نصیب ہوئی کہ مجھ سے فرمایا کہ میں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مبارک آنکھوں کے لال لال ڈورے بھی خواب میں دیکھے اور خواب ہی میں پوچھا کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کیا عبدالغنی نے آپ کو خوب دیکھ لیا۔ ارشاد ہوا کہ ہاں عبدالغنی تم نے اپنے اللہ کے رسول کو آج خوب دیکھ لیا۔ حضرت کو دیکھنے ہی سے لگتا تھا کہ یہ شخص اپنے وقت کا شمس الدین تبریزی ہے۔

یاد ایامے کہ در مے خانہ منزل داشتم
جام مے در دست و جاناں در مقابل داشتم

وہ دن یاد آتے ہیں کہ شیخ کے اس مے خانۂ محبت میں اختر بھی مقیم تھا۔ اللہ کی شرابِ محبت کا پیالہ ہاتھ میں اور میرا شیخ میرے سامنے ہوتا تھا۔ (انعاماتِ ربانی، صفحہ:۱۳۶۔۱۴۰)

حدیث نمبر ۲۳

﴿كُلُّ ابْنِ اٰدَمَ خَطَّاءٌ وَخَيْرُ الْخَطَّائِيْنَ التَّوَّابُوْنَ﴾

(سننُ الترمذی، کتابُ صفة القیامة والرقائق، ج:۲، ص:۷۶)

ترجمہ: تمام ابنِ آدم خطا کار ہیں اور بہترین خطا کار وہ ہیں جو بہت توبہ کرنے والے ہیں۔

خَطَّاءٌ کے معنی ہیں کثیر الخطاء۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ہر انسان کثیر الخطاء ہے اور بہترین خطا کار وہ ہیں جو کثیر التوبہ ہیں۔ کثیر الخطاء کو کثیر التوبہ ہونا بھی چاہیے۔ جیسا مرض ویسی دوا اور توبہ بھی تینوں شرائط کے ساتھ ہو۔

(۱) اَلرُّجُوْعُ مِنَ الْمَعْصِيَةِ اِلَى الطَّاعَةِ یعنی عوام کی توبہ یہ ہے کہ گناہ چھوڑ دیں اور اللہ تعالیٰ کی فرماں برداری کرنے لگیں۔ نافرمانی سے فرماں برداری کی طرف رجوع یہ عوام کی توبہ ہے اور خواص اولیاء کی توبہ کیا ہے۔

(۲) اَلرُّجُوْعُ مِنَ الْغَفْلَةِ اِلَى الذِّكْرِ اللہ تعالیٰ سے دل ذرا غافل ہوگیا، گناہ نہیں کیا، ذرا سی غفلت پیدا ہوگئی تھی تو دل کو پھر اللہ کی یاد میں لگا دیا۔

مدت کے بعد پھر تیری یادوں کا سلسلہ
اِک قلب ناتواں کو توانائی دے گیا

یہ خواص کی توبہ ہے۔اور اخص الخواص کی توبہ ہے:

(۳) **اَلرُّجُوْعُ مِنَ الْغَیْبَۃِ اِلَی الْحُضُوْرِ** دل کو ہر وقت اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر رکھے اور اگر کبھی غیبت ہو جائے کہ دل ذرا سا ان کے محاذات سے ہٹ جائے تو فوراً دل کو اللہ تعالیٰ کے سامنے کر دے، وہ ہمہ وقت باخدا رہتے ہیں۔ یہ لوگ **خَیْرُ الْخَطَّائِیْنَ** ہیں۔اب ایک علمی اِشکال یہ پیدا ہوتا ہے کہ توبہ سے جب بندہ خیر ہو گیا، اللہ کا پیارا ہو گیا تو **خَیْرُ الْخَطَّائِیْنَ** کیوں فرمایا صرف خیر فرما دیا ہوتا **خَطَّائِیْنَ** کی نسبت ہی باقی نہ ہوتی تو اس کا جواب یہ ہے کہ پھر توبہ کی کرامت اور خاصیت ظاہر نہ ہوتی کہ توبہ ایسا کیمیکل ہے جو شر کو خیر بنا دیتا ہے اور **خَطَّائِیْنَ** کی نسبت باقی رہنے سے بندوں کی عزت میں کوئی فرق نہیں آیا کیونکہ ترکیبِ اضافی میں مضاف ہی مقصود ہوتا ہے جیسے **جَآءَ غُلَامُ زَیْدٍ** یہاں زید نہیں غلام مقصود ہے بس **خَیْرُ الْخَطَّائِیْنَ** میں خیر ہی مقصود ہے نہ کہ **خَطَّائِیْنَ**۔ (عنایاتِ ربانی، صفحہ:۳۰۔۴۰)

قبولِ توبہ کی چار شرائط

اس لیے دوستو! یہ کہتا ہوں کہ توبہ قبول ہونے کی چار شرطیں ہیں جس کو شیخ محی الدین ابو زکریا نووی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح مسلم میں لکھا ہے۔ (جلد۲، باب الاستغفار، صفحہ ۳۴۶ مطبوعہ ایچ ایم سعید اینڈ کمپنی کراچی)

شرطِ اوّل: گناہ سے الگ ہو جائے۔اس گناہ سے ہٹ جائے یہ نہیں کہ عورتوں کو دیکھ بھی رہے ہیں اور یا اللہ توبہ، یا اللہ توبہ، کیا زمانہ آ گیا ہے، کے نعرے بھی لگا رہے ہیں، بڑے بایزید بسطامی معلوم ہوتے ہیں، بابا فرید الدین عطار سے کم نہیں معلوم ہوتے ایسی توبہ قبول نہیں ہے گناہ سے فوراً الگ ہو جاؤ، پہلے نظر ہٹاؤ۔ توبہ کی پہلی شرط ہے **اَنْ یَّقْلَعَ عَنِ الْمَعْصِیَۃِ** پہلے گناہ سے الگ ہو جائے تب توبہ قبول ہو گی۔

شرطِ دوم: گناہ پر نادم ہو جائے۔ **اَنْ یَّنْدَمَ عَلَیْھَا، ندم یندم سمع** سے آتا ہے کہ اپنی نالائقی پر ندامت طاری ہو جائے کہ آہ مجھ سے کیوں خطا ہو گئی، رونے لگے، دل میں دُکھ آ جائے کہ میں نے بڑی غلطی کی، اپنے مالک کو ناراض کر دیا۔

شرطِ سوم: عزم کرے کہ اب کبھی یہ گناہ نہ کروں گا۔ **اَنْ یَّعْزِمَ عَزْمًا جَازِمًا اَنْ لَّا یَعُوْدَ اِلَیْھَا اَبَدًا** پکا ارادہ کر لے کہ اب اللہ تعالیٰ کو ناراض نہیں کرنا چاہیے دل سے آواز آتی ہو کہ پھر تم یہی کام کرو گے لیکن آپ دل کا ساتھ چھوڑ دیئے زبان سے کہہ دیجئے۔توبہ کرتے وقت توبہ توڑنے کا ارادہ نہ ہو تو اس کی توبہ قبول ہے

چاہے بعد میں ٹوٹ جائے پھر توبہ کرو، اللہ تعالیٰ معاف کرتے کرتے نہیں تھکتے لیکن اس وقت ارادہ نہ ہو کہ گناہ کریں گے۔ توبہ توڑنے کا ارادہ نہ ہو، بس۔ یہ تو آپ کر سکتے ہیں کہ یا اللہ میرا ارادہ توبہ توڑنے کا نہیں ہے مگر توبہ پر قائم رہنا اور رکھنا اس کی مدد آپ ہی سے مانگتے ہیں۔

شرط چھارم: اہلِ حقوق کو مال واپس کرے۔ اور اگر کسی کا مال لے لیا ہے تو اس کی توبہ کے لیے کیا شرط ہے، وضو خانہ سے کسی کی دو ہزار پونڈ کی گھڑی اُٹھالی، پھر کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ معاف کردو مگر یہ گھڑی واپس نہیں کروں گا، تو یہ توبہ قبول ہوگی بھئی؟ مال کی توبہ یہی ہے کہ جس کا مال ہو اس کو واپس کرو۔

(نورِ ہدایت اور اس کی علامات حصہ دوم، صفحہ: ۳۰۔۳۱)

حدیث نمبر ۲۴

﴿لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہِ﴾

ترجمہ: نہیں ہے طاقت گناہوں سے بچنے کی مگر اللہ کی حفاظت سے اور نہیں ہے قوت اللہ کی طاعت کی مگر اللہ کی مدد سے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھ سے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہِ کثرت سے پڑھا کرو یہ جنت کے خزانے سے ہے، اور حضرت مکحول رحمۃ اللہ علیہ جو جلیل القدر تابعی ہیں، سوڈان کے رہنے والے تھے اور شام میں مفتی تھے، موقوفاً روایت کرتے ہیں کہ جس نے پڑھا لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہِ لَا مَنْجَا مِنَ اللّٰہِ اِلَّا اِلَیْہِ۔ اللہ تعالیٰ اس سے ستر تکلیفوں کو دور کردیں گے، جن میں سب سے ادنیٰ فقر ہے۔ لَا مَنْجَا اَیْ لَا مَھْرَبَ وَ لَا مَخْلَصَ یعنی کوئی جائے فرار اور جائے پناہ نہیں ہے من اللہ اللہ کے غضب و عذاب سے اِلَّا اِلَیْہِ اَیْ بِالرُّجُوْعِ اِلٰی رَضَاءِہٖ وَ رَحْمَتِہٖ سوائے اس کی رضا رحمت کی طرف رجوع کرنے کے۔ (مرقاۃ، جلد: ۵، ص: ۱۲۱)

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے مرقاۃ، جلد: ۵، ص: ۱۲۱ پر لکھا ہے کہ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہِ کے ساتھ لَا مَنْجَا مِنَ اللّٰہِ اِلَّا اِلَیْہِ بھی ثابت ہے، نسائی کی حدیث مرفوع سے۔

لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہِ کے چار فوائد

ف نمبر ۱: یہ کلمہ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہِ عرش کے نیچے جنت کا خزانہ ہے، اور جنت کی چھت عرشِ الٰہی ہے۔ اس کے پڑھنے سے اعمالِ صالحہ کے اختیار کرنے کی اور گناہوں سے بچنے کی توفیق ہونے لگتی ہے۔ اس معنیٰ میں یہ جنت کا خزانہ ہے۔

ف نمبر۲: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ **لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللہِ** ننانوے (دنیوی و اُخروی) بیماریوں کی دعا ہے، جن میں سب سے ادنیٰ بیماری غم ہے (چاہے دنیا کا ہو یا آخرت کا)۔
(مرقاۃ، جلد: ۵، ص:۱۲۱)

ف نمبر۳: جب بندہ اس کلمہ کو پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ عرش پر فرشتوں سے فرماتے ہیں کہ میرا بندہ فرماں بردار ہو گیا اور سرکشی چھوڑ دی۔ (مشکوٰۃ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا میں تجھے ایسا کلمہ نہ بتادوں جو عرش کے نیچے جنت کا خزانہ ہے۔ وہ **لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللہِ** ہے جب بندہ اس کو پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں (حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ملائکہ سے فرماتے ہیں) **اَسْلَمَ عَبْدِیْ اَیْ اِنْقَادَ وَ تَرَکَ الْعِنَادَ** یعنی میرا بندہ فرماں بردار ہو گیا اور سرکشی کو چھوڑ دیا۔ **وَاسْتَسْلَمَ اَیْ فَوَّضَ عَبْدِیْ اُمُوْرَ الْکَائِنَاتِ اِلَی اللہِ بِاَسْرِھَا** یعنی میرے بندے نے دونوں جہان کے تمام غموں کو میرے سپرد کر دیا۔ (کذا فی المرقاۃ، ج:۵، ص: ۱۲۱، ۱۲۲) یہ نعمت کیا کم ہے کہ بندہ زمین پر یہ کلمہ پڑھتا ہے اور حق تعالیٰ شانہ عرش پر فرشتوں کے مجمع میں اس کا ذکر فرماتے ہیں۔

ف نمبر۴: پیغام حضرت ابراہیم علیہ السلام بنام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خیر الانام۔ یہ کلمہ **لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللہِ** حضرت ابراہیم علیہ السلام کا پیغام اور وصیت ہے جو آپ نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے شبِ معراج میں ارشاد فرمایا تھا۔

ترجمہ حدیث: شبِ معراج میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا گذر حضرت ابراہیم علیہ السلام پر ہوا، آپ نے فرمایا اے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آپ اپنی اُمت کو حکم فرمادیں کہ وہ جنت کے باغوں کو بڑھالیں **لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللہِ** سے۔ (مرقاۃ، جلد: ۵، ص:۱۱۱)

اس کے پڑھنے سے وصیتِ ابراہیمی پر عمل کی سعادت بھی نصیب ہوگی اور اس کی برکت سے جنت کے باغوں میں اضافہ ہوگا۔

لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللہِ کا مفہوم

الفاظِ نبوت کی شرح الفاظِ نبوت سے:

ترجمہ حدیث: حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھا، میں نے **لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللہِ** پڑھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا جانتے ہو اس کی کیا تفسیر ہے؟ میں نے عرض کیا اللہ اور رسول زیادہ جانتے ہیں۔ آپ

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

﴿لاَ حَوْلَ عَنْ مَّعْصِیَةِ اللّٰہِ اِلاَّ بِعِصْمَةِ اللّٰہِ وَلاَ قُوَّةَ عَلٰی طَاعَةِ اللّٰہِ اِلاَّ بِعَوْنِ اللّٰہِ﴾

(المرقاۃ المفاتیح، کتابُ الدعوات، باب ثواب التسبیح والتحمید، ج:۵، ص:۱۳۲)

ترجمہ: نہیں ہے طاقت گناہوں سے بچنے کی لیکن اللہ کی حفاظت سے اور نہیں ہے قوت اللہ کی طاعت کی مگر اللہ کی مدد سے۔

اس حدیث کی خصوصیت یہ ہے کہ الفاظِ نبوت کی شرح الفاظِ نبوت سے ہوئی لاَ حَوْلَ وَلاَ قُوَّةَ اِلاَّ بِاللّٰہِ کے الفاظ بھی سرکاری اور اس کی شرح بھی سرکاری کہ خود حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمائی اور مَا تَفْسِیْرُھَا سے معلوم ہوا کہ حدیث کی شرح کو تفسیر سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ احقر محمد اختر عرض کرتا ہے لاَ حَوْلَ وَلاَ قُوَّةَ اِلاَّ بِاللّٰہِ کا مفہوم اور حاصل اس آیت سے ربط اور تعلق رکھتا ہے بلکہ اس آیت سے مقتبس معلوم ہوتا ہے:

﴿اِنَّ النَّفْسَ لَاَ مَّارَةٌ بِالسُّوْءِ اِلاَّ مَا رَحِمَ رَبِّیْ﴾

(سورۃ یوسف، اٰیۃ:۵۳)

حضرت آلوسی روح المعانی میں فرماتے ہیں کہ یہ مَاظرفیہ، زمانیہ، مصدریہ ہے اور اس کی تفسیر اس طرح فرمائی نفس کثیر الامر بالسوء ہے اِلاَّ مَا رَحِمَ رَبِّیْ اَیْ فِیْ وَقْتِ رَحْمَةِ رَبِّیْ وَ عِصْمَتِهٖ یعنی نفس برائی سے اس وقت تک محفوظ رہ سکتا ہے جب تک کہ وہ سایۂ رحمتِ حق اور سایۂ حفاظتِ حق میں رہے گا۔

(قرآن و حدیث کے انمول خزانے، صفحہ:۸۔۱۱)

شرح حدیث بعنوانِ دِگر

﴿لاَ حَوْلَ وَلاَ قُوَّةَ اِلاَّ بِاللّٰہِ﴾

دو وظیفے بتاتا ہوں جس کا خیال ابھی نماز ہی میں آیا اور سوچ رہا تھا کہ کوئی پوچھے گا تو بتادوں گا۔ نیک بننے کے لیے اور گناہ چھوڑنے کے لیے لاَ حَوْلَ وَلاَ قُوَّةَ اِلاَّ بِاللّٰہِ ہر نماز کے بعد سات مرتبہ پڑھ لیا کریں۔ ان شاء اللہ تعالیٰ بہت جلد گناہ چھوٹ جائیں گے کیونکہ اس کلمہ کے معنی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خود ارشاد فرمائے ہیں کہ:

﴿لاَ حَوْلَ عَنْ مَّعْصِیَةِ اللّٰہِ اِلاَّ بِعِصْمَةِ اللّٰہِ وَلاَ قُوَّةَ عَلٰی طَاعَةِ اللّٰہِ اِلاَّ بِعَوْنِ اللّٰہِ﴾

(المرقاۃ المفاتیح، کتابُ الدعوات، باب ثواب التسبیح والتحمید، ج:۵، ص:۱۳۲)

ہم گناہوں سے نہیں بچ سکتے مگر اللہ کی حفاظت سے اور کسی عبادت کی ہم میں طاقت نہیں ہے لیکن جب

اللہ تعالیٰ مدد فرمائیں۔ اور ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کی شرح مبارک میں ایک حدیث نقل فرمائی ہے کہ جب بندہ **لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللہِ** پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں **اَسْلَمَ عَبْدِیْ وَاسْتَسْلَمَ اَیْ عَبْدِیْ اِنْقَادَ وَ تَرَکَ الْعِنَادَ** یعنی میرا بندہ مطیع و فرماں بردار ہو گیا اور سرکشی چھوڑ دی **وَاسْتَسْلَمَ** کے معنیٰ ہیں **اَیْ فَوَّضَ عَبْدِیْ اُمُوْرَ الْکَائِنَاتِ بِاَسْرِھَا اِلَی اللہِ تَعَالٰی عَزَّ وَجَلَّ** اور میرے بندے نے اپنے سارے کام میرے سپرد کر دیئے لہٰذا جب اللہ تعالیٰ روزانہ فرشتوں کو بشارت دیں گے کہ میرا بندہ فرماں بردار ہو گیا تو کیا ان کو لاج نہ آئے گی؟ ورنہ فرشتے کہیں گے کہ یا اللہ آپ تو فرماتے ہیں کہ میرا بندہ فرماں بردار ہو گیا لیکن یہ تو ابھی نالائقیاں کر رہا ہے لہٰذا اللہ تعالیٰ اپنی بشارت کی لاج رکھتے ہوئے بندہ کو سنوارنے کا فیصلہ فرماتے ہیں اسی لیے پہلے زمانے کے مشائخ اپنے مریدوں کو صرف **لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللہِ** ہی کا ذکر بتایا کرتے تھے اور اسی سے وہ صاحبِ نسبت ہو جاتے تھے۔

(۲) اور دوسری اس دعا کو روزانہ مانگا کیجئے معمول بنا لیجئے **اَللّٰھُمَّ ارْحَمْنِیْ بِتَرْکِ الْمَعَاصِیْ وَلَا تُشْقِنِیْ بِمَعْصِیَتِکَ** اے اللہ مجھ پر رحم فرمایئے ترکِ معصیت کی توفیق عطا فرما کر اور مجھے بدبخت نہ کیجئے اپنی معصیت و نافرمانی سے۔ حدیثِ پاک کے الفاظ بتا رہے ہیں کہ ہر گناہ آدمی کو بدبختی کی طرف لے جاتا ہے اور گناہ کا ترک خوش قسمتی کی طرف لے جاتا ہے۔ معصیت سببِ شقاوت ہے اس لیے بہت ڈرنا چاہیے، گناہ سے بہت بچنا چاہیے اور ترکِ معصیت علامتِ رحمتِ حق اور علامتِ سعادت ہے۔ (عنایاتِ ربانی، صفحہ:۱۱-۱۲)

حدیث نمبر ۲۵

﴿اَلْغِیْبَۃُ اَشَدُّ مِنَ الزِّنَا﴾

(مشکوٰۃُ المصابیح، کتابُ الاداب، باب حفظ اللسان والغیبة والشتم، ص: ۴۱۵)

غیبت زِنا سے اشد کیوں ہے؟

غیبت زِنا سے زیادہ اشد ہے صحابہ نے پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم غیبت زِنا سے زیادہ سخت کیوں ہے؟ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر کوئی زِنا کر لے پھر اللہ تعالیٰ سے توبہ کر لے تو اس کی توبہ قبول ہے جس سے زِنا کیا ہے اس سے جا کر معافی مانگنا ضروری نہیں بلکہ جائز ہی نہیں کیونکہ اگر جا کر اس سے کہے کہ ذرا میں آپ سے معافی مانگنے آیا ہوں تو اس کو اور ندامت ہو گی اور اس کی رُسوائی اور بدنامی کا اندیشہ ہے۔ زِنا حق العباد نہیں ہے آہ! اللہ تعالیٰ کا احسان ہے بندوں پر کہ ہماری آبرو کی کیا حفاظت کی ہے اللہ تعالیٰ نے اپنے غلاموں کی عزت رکھ لی کہ اس کو حق العباد نہیں رکھا بلکہ اس گناہ کو اپنے حق میں شامل فرمایا کہ بس کہہ دو کہ یا اللہ جو مجھ سے یہ گناہِ کبیرہ ہو گیا یا آنکھوں سے نامحرم عورتوں کو

دیکھا ان سب گناہوں سے معافی چاہتا ہوں تو معاف ہو جائے گا۔ بندوں یا بندیوں سے جا کر اس معاملہ میں یہ کہنا نہیں پڑے گا کہ مجھے معاف کر دو۔ لیکن آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ غیبت ایسی چیز ہے کہ جس کی غیبت کی گئی اس سے جا کر معافی مانگنی پڑے گی بشرطیکہ اس کو خبر لگ جائے مثلاً کوئی گجرات میں ہے یا ڈابھیل میں ہے اس کی یہاں کسی نے غیبت کی تو اگر اسے خبر نہیں ہے تو اس سے جا کر معافی مانگنا لازم نہیں ہے۔ یہ حکیم الامت مجدد الملت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق ہے کہ جس کی آپ نے غیبت اور برائی کی ہے اس کو اگر خبر نہیں ہے تو اس سے جا کر معافی مانگنا لازم نہیں۔ تو پھر کیا کرے؟ اس کے لیے یہیں سے مغفرت مانگو، کچھ پڑھ کر بخش دو، مشکوٰۃ شریف میں کفّارۂ غیبت میں یہ روایت ہے کہ یوں کہے یَغْفِرَ اللّٰہُ لِیْ وَ لَہٗ کہ اللہ تعالیٰ مجھ کو بھی معاف کرے اور اس کو بھی معاف کر دے یعنی اس کی مغفرت کی بھی دعا کرے کہ جس کی ہم نے برائی کی ہے یا سنی ہے اے اللہ معاف کر دیجئے۔ برائی کرنا اور سننا دونوں حرام ہیں۔ حدیثِ پاک میں ہے کہ جس نے کسی کی برائی سنی اور کچھ نہیں بولا گونگے کی طرح بیٹھا رہا اَدْرَکَہُ اللّٰہُ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ اللہ تعالیٰ اس کو دنیا اور آخرت میں عذاب دے گا۔ جب کسی کی غیبت ہو رہی ہو اس وقت خاموشی حرام ہے۔ اس سے کہو کہ آپ غیبت نہ کیجئے مجھے تکلیف ہو رہی ہے، مجھے گناہ میں مبتلا نہ کیجئے۔ اس کا دفاع کرو یا اس کی تعریف کرو کہ وہ اچھے آدمی ہیں۔ اور جس نے اپنے مسلمان بھائی کا دفاع کیا اور اس کی غیبت کو روک دیا اللہ تعالیٰ اس کا اجر اس کو دنیا میں بھی دیں گے اور آخرت میں بھی دیں گے اور جس نے غیبت کرنے والے کی ہاں میں ہاں ملائی کہ ہاں ہاں مجھ کو بھی یہی ڈاؤٹ (شک) ہے، ٹھیک کہتے ہو یار یہ تو میں نے بھی دیکھا ہے کہ اس کے اندر یہ خرابی ہے، ہاں میں ہاں ملائی اور اس کا دفاع نہیں کیا تو اَدْرَکَہُ اللّٰہُ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ اللہ تعالیٰ اس کو دنیا اور آخرت میں عذاب دے گا اور اگر دفاع کی قدرت یا ہمت نہیں تو اس مجلس سے اٹھ جائے جہاں غیبت ہو رہی ہے لہٰذا روزانہ اللہ تعالیٰ سے یوں کہیے کہ یا اللہ مخلوق کا کوئی حق ہم نے مارا ہو، کسی کی غیبت کی ہو، یا غیبت سنی ہو یا ان کو برا بھلا کہا ہو تو یہ جو میں صبح و شام تینوں قل پڑھتا ہوں اس کا ثواب ساری امت کو دے دیجئے یعنی جن جن کے حق ہمارے اوپر ہیں ان کو اس کا ثواب دے دیجئے تاکہ قیامت کے دن آپ ان کو ہم سے راضی کر دیں تو ان شاء اللہ یہ تینوں قل والا وظیفہ آپ کو مخلوق کے شر سے بھی بچائے گا اور ساتھ ساتھ بندوں کا حق بھی ادا ہوتا رہے گا۔ منشا یہ ہے کہ غیبت کا کفّارہ یہ ہے کہ جب تک اس کو اطلاع نہیں ہوئی تو جس مجلس میں غیبت کی ہے ان لوگوں کے سامنے اپنی نالائقی کا اعتراف کرے کہ ہم سے بڑی نالائقی ہوئی اگر ان میں ایک عیب ہے تو سینکڑوں خوبیاں بھی ہیں اور اللہ تعالیٰ سے معافی مانگیں اور اس کو ایصالِ ثواب کریں اور جو اہلِ حقوق ہیں ان سے جا کر معافی مانگ لو بشرطیکہ اس کو آپ کی غیبت کی اطلاع ہو گئی ہے اور اگر اطلاع نہیں ہے تو

خواہ مخواہ جا کر اس کا دل خراب مت کرو۔ اس بے چارہ کو خبر بھی نہیں ہے اور آپ کہہ رہے ہیں کہ مجھے معاف کر دیجئے میں نے کل آپ کی غیبت کی تھی۔ اس سے اس بے چارے کو اذیت ہوگی۔

روزانہ صبح و شام تینوں قل پڑھ کر یوں دعا کیا کیجئے کہ اے اللہ اس کا ثواب ان لوگوں کو عنایت فرما یئے جس کا میں نے کوئی حق مارا ہو، برا بھلا کہا ہو، غیبت کی ہو کسی قسم کا بھی حق ہوتا کہ قیامت کے دن یا اللہ ہم پر کوئی مقدمہ نہ دائر کر دے اور ثواب ان کو دے کر ان کو ہم سے راضی کر دیجئے اس طرح ان شاء اللہ آپ جنت کے راستہ پر آ جائیں گے کیونکہ جنت اس وقت ملے گی جب اللہ کے حقوق میں بھی معافی ہو جائے اور بندوں کے حقوق میں بھی معافی ہو جائے۔ (عنایاتِ ربانی، صفحہ:۲۶۔۳۰)

شرحِ حدیث بعنوانِ دِگر

غیبت کے زنا سے اشد ہونے کی وجہ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ غیبت کا گناہ زنا سے اشد ہے۔ صحابہ نے پوچھا کہ زِنا سے کیوں اشد ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ زِنا کار اپنے زِنا سے اگر معافی مانگ لے تو معافی ہو جائے گی، جس کے ساتھ زِنا کیا ہے اس سے معافی مانگنا ضروری نہیں ہے۔ زِنا کو اللہ نے اپنا حق رکھا ہے، یہ حق العباد نہیں ہے لیکن غیبت حق العباد ہے، جس کی غیبت کی ہے جب تک اس سے معافی نہیں مانگے گا یہ گناہ معاف نہیں ہوگا بشرطیکہ جس کی غیبت کی ہے اس کو اطلاع ہو جائے۔ جب تک اس کو اطلاع نہیں ہوئی اس وقت تک اس سے معافی مانگنا ضروری نہیں بلکہ صبح و شام کے جو معمولات میں نے بتائے ہیں وہ پڑھ کر روزانہ اللہ تعالیٰ سے کہہ دو کہ میں نے زندگی میں جس کی غیبت کی ہو، ستایا ہو یا مارا ہو ان سب کا ثواب اے اللہ! اُن کو دے دے اور ان کا یہ ثواب دِکھا کر قیامت کے دن راضی نامہ کرا دینا۔ ماں باپ کو بھی اس میں شامل کرلو۔ بزرگوں کا اس میں اختلاف ہے کہ ثواب تقسیم ہو کر ملے گا یا ہر ایک کو پورا ملے گا مثلاً تین دفعہ قل ہو اللہ کا ثواب اگر سو آدمیوں کو بخشا تو کیا سو حصہ لگے گا یا بانٹا جائے گا، تقسیم ہوگا؟ مگر حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق یہی ہے جس کو حکیم الامت نے نقل کیا ہے کہ ثواب تقسیم نہیں ہوگا سب کو برابر ملے گا۔ سورۃ یٰسین شریف پڑھ کے بخشو تو دس قرآن پاک کا ثواب اور تین قل ہو اللہ شریف پڑھ کر بخشو تو ایک قرآن پاک کا ثواب ہر ایک کو پورا پورا ملے گا چاہے بے شمار آدمیوں کو بخشو اور اللہ تعالیٰ کی رحمت اور فضل سے یہ قریب ہے۔

کفارۂ غیبت کی دلیلِ منصوص

تو غیبت کے متعلق بہت بڑے بڑے علماء بھی اس مسئلہ سے واقف نہیں ہیں۔ وہ یہی کہیں گے

معافی مانگنا پڑے گی کہ یہ حق العباد ہے، بندوں کا حق ہے لیکن حکیم الامت کا یہ مضمون الطرائف والظرائف میں، میں نے خود پڑھا ہے کہ جس کی غیبت کی ہے جب تک اس کو اطلاع نہ ہو اس سے معافی مانگنا واجب نہیں بلکہ بعض وجہ سے جائز بھی نہیں ہے کیونکہ اس سے اُس کا دل برا ہوگا کہ یار تم اچھے خاصے دوست بن کر میری غیبت کر رہے تھے تو یہ اذیت پہنچانا ہوگا کیونکہ اس کو تو معلوم ہی نہیں تھا کہ میری غیبت کی گئی ہے لہٰذا جب تک اطلاع نہ ہو اُس سے معافی مانگنا واجب نہیں بلکہ مندرجہ بالا طریقہ سے اس کی تلافی کرنا کافی ہے اور اس کی دلیل یہ حدیث ہے:

﴿اِنَّ مِنۡ کَفَّارَۃِ الۡغِیۡبَۃِ اَنۡ تَسۡتَغۡفِرَ لِمَنِ اغۡتَبۡتَہٗ تَقُوۡلُ اَللّٰھُمَّ اغۡفِرۡ لَنَا وَلَہٗ﴾

(مشکوٰۃُ المصابیح، کتاب الأداب باب حفظ اللسان والغیبۃ والشتم)

غیبت کا کفارہ یہ ہے کہ جس کی غیبت کی ہے اس کے لیے استغفار کرے۔ محدثین نے لکھا ہے کہ یہ اسی صورت میں ہے جب اس کو اطلاع نہ ہوئی ہو یا اس کا انتقال ہو گیا ہو، ہاں اگر اطلاع ہوگئی تو اب اس سے معافی مانگنا واجب ہے، جب تک معافی نہیں مانگو گے یہ گناہ معاف نہیں ہوگا۔ اس کو میں جب بیان کرتا ہوں تو بڑے بڑے علماء میرا شکریہ ادا کرتے ہیں۔

حدیث نمبر ۲۶

﴿اَلۡکِبۡرِیَآءُ رِدَائِیۡ﴾

(سنن ابی داؤد، کتابُ اللباس، باب ما جآء فی الکبر، ج: ۲، ص: ۲۱۰)

ترجمہ: بڑائی میری چادر ہے۔

حدیثِ قدسی میں ہے کہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں بڑائی میری چادر ہے جو اس میں گھسے گا میں اس کی گردن توڑ دوں گا۔

عجب و تکبر بیوقوفوں کو بہت ہوتا ہے ورنہ ذرا بھی عقل سے کام لیا جاوے تو سمجھ میں آجاوے گا کہ انسان کو تکبر کبھی زیبا نہیں۔ حدیثِ قدسی میں ہے کہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں بڑائی میری چادر ہے جو اس میں گھسے گا میں اس کی گردن توڑ دوں گا۔

عجب اور تکبر کا فرق اور ان کی تعریف

عُجب کی حقیقت:

انسان کا اپنی کسی صفت پر اس طرح نگاہ کرنا کہ بجائے عطاء حق سمجھنے کے اس کو اپنا ذاتی کمال سمجھے جس کا لازمی اثر یہ ہوتا ہے کہ منہ سے بجائے شکر نکلنے کے میں ایسا ہوں میں ویسا ہوں نکلتا ہے کیونکہ عطاء حق

کا اسے استحضار نہیں رہتا۔ اور دل ہی دل میں اپنے کو اچھا سمجھتا ہے۔

تکبر کی حقیقت:

تکبر کی حقیقت یہ ہے کہ کسی کے مقابلہ میں اپنے کو بڑا سمجھے۔ پس تکبر میں دوسرے کی تحقیر بھی لازم آتی ہے اور عجب میں دوسروں کی تحقیر لازم نہیں آتی۔

معجب اور متکبر ان دونوں کلیوں کے درمیان نسبت اعم۔ اخص مطلق کی ہے، متکبر اعم ہے اور معجب اخص ہے۔ اس لیے کہ ہر متکبر میں عجب کا تحقق ضروری ہوتا ہے کیونکہ جب اپنی کسی صفت پر نظر کر کے اپنی اچھائی اور بڑائی کا تصور ہوگا تب ہی تو دوسرے کو حقیر سمجھے گا اور ہر عجب کے لیے تکبر لازم نہیں کیونکہ کبھی انسان اپنی صفت پر نظر کر کے صرف اپنے ہی کو اچھا سمجھتا ہے اور اس وقت کسی کی تحقیر سے خالی الذہن ہوتا ہے۔ یہ علمی تحقیق حق تعالیٰ نے اس ناکارہ عبد کو عطا فرمائی ہے **اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذٰلِکَ وَلاَ فَخْرَ یَارَبِّیْ**۔ قلب و روح کے امراض میں سالکین کے لیے عجب اور تکبر دونوں ہی مہلک بیماریاں ہیں ان کی اصلاح میں تغافل نہ ہونا چاہیے۔

ایک مثال سے اس کا ضرر سمجھ میں آجائے گا۔ وہ یہ ہے کہ کوئی عاشق اپنے محبوب کا مشتاق ہے لیکن بوقتِ ملاقات یہ بے وقوف بجائے محبوب کو دیکھنے کے اپنی جیب سے آئینہ نکال کر اپنی ہی صورت اور اپنے ہی نقش و نگار دیکھ رہا ہے تو یہ شخص اس محبوب کی نظر میں کس قدر منافق فی المحبت اور محروم سمجھا جاوے گا اسی طرح سالکین اور طالبینِ حق کو سوچنا چاہیے کہ مولائے حقیقی ہر وقت اپنے بندوں پر ہزار ہا الطاف و کرم سے متوجہ ہیں اور بندہ اگر بیوقوفی سے بجائے حق تعالیٰ کی ذات و صفات کی طرف متوجہ ہونے کے اپنی ہی مستعار صفات میں مشغول ہے تو یہ لمحات اس کے لیے نفاق فی المحبت اور فراق و محرومی کے ہوں گے یا نہیں؟ خود ہی فیصلہ کرلو۔ اور اس بیماری کی اہمیت اور اس کے ضرر کا اندازہ لگا لو الحمدللہ کہ اس مثال سے عجب اور کبر کی مضرت بہت ہی واضح طور پر سمجھ میں آجاتی ہے اور عاشقوں کے لیے یہ مثال تازیانۂ عبرت ہے۔

اے اللہ! ہم سب کو عجب و کبر اور جملہ مہلکاتِ طریق سے محفوظ فرما آمین۔ حق تعالیٰ کا احسان ہے کہ حضرت شیخ کی جوتیوں کے صدقے میں یہ مثالیں اور علوم عطا ہو رہے ہیں۔ **اَلْحَمْدُ لَکَ وَ الشُّکْرُ لَکَ یَا رَبَّنَا**۔

یَا غِیَاثَ الْمُسْتَغِیْثِیْنَ اھْدِنَا
لاَ افْتِخَارَ بِالْعُلُوْمِ وَالْغِنَا

(معارفِ مثنوی، صفحہ:۳۴۳۔۳۵۴)

حدیث نمبر۲۷

﴿وَاللّٰہِ اِنِّیۡ لَاَعۡلَمُکُمۡ بِاللّٰہِ عَزَّ وَجَلَّ وَاَنَا اَخۡشٰکُمۡ لَہٗ﴾

(مسند احمد)

ترجمہ: خدا کی قسم میں تم سے زیادہ اللہ تعالیٰ کو جاننے والا ہوں اور اور میں تم سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا ہوں۔

اَنَا اَعۡلَمُکُمۡ بِاللّٰہِ وَ اَنَا اَخۡشٰکُمۡ اے لوگو! میں تم سب سے زیادہ علم دیا گیا ہوں اور اسی سبب سے تم سب سے زیادہ ڈرنے والا ہوں اللہ سے۔

رضائے الٰہی کی طلب اور ناراضگی سے پناہ میں دل کو گھلانا اصل علم ہے۔سیدنا محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشادفرماتے ہیں کہ اَنَا اَعۡلَمُکُمۡ بِاللّٰہِ وَ اَنَا اَخۡشٰکُم اے لوگو! میں تم سب سے زیادہ علم دیا گیا ہوں اوراسی سبب سے تم سب سے زیادہ ڈرنے والا ہوں اللہ سے اور حدیث شریف میں آتا ہے کہ:

﴿کَانَ رَسُوۡلُ اللّٰہِ ﷺ مُتَوَاصِلَ الۡاَحۡزَانِ دَائِمَ الۡفِکۡرَۃِ﴾

(الشَّمائل المحمّدیۃ لِلترمذی،باب کیفَ کانَ کلامُ رسول ﷺ)

ہمیشہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مسلسل غمگین اور فکر مند رہتے تھے۔آخرت کا خوف اور اُمت کا غم آپ کو اس حال میں رکھتا تھا۔حضرت ابراہیم علیہ السلام خلیل اللہ ہونے کے باوجود عرض کرتے ہیں لاَ تُخۡزِنِیۡ یَوۡمَ یُبۡعَثُوۡنَ اے ہمارے رب! میدانِ محشر میں ہمیں رُسوا نہ کیجئے گا۔تفسیر خازن میں ہے کہ حضرت عزرائیل علیہ السلام غلبۂ خوفِ خداوندی سے سکڑ کر گوریا کے برابر ہو جاتے ہیں۔حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ خوف سے فرماتے ہیں کہ کاش میں کوئی درخت ہوتا جو کاٹ دیا جاتا۔حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کاش کہ میری ماں نے مجھے جنا ہی نہ ہوتا۔مقبولانِ بارگاہ کا یہی حال ہوتا ہے عظمتِ الٰہیہ کا جس قدر انکشاف ہوتا جاتا ہے ہیبتِ حق کا غلبہ ہو جاتا ہے اور جن کی آنکھیں اندھی ہیں انہیں اپنے علوم سے صرف حلوا مانڈا اور معاش کی ضروریات حاصل کرنا ہوتا ہے۔ بزرگانِ دین کی صحبت نہ ملنے سے یہی حشر وانجام ہوتا ہے۔ بقول حضرت علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کے، کہ نورِ نبوت کے بغیر علومِ نبوت پڑھ لینے سے عملی زندگی کبھی درست نہیں ہوسکتی۔اس لیے فراغِ درسیات اور علومِ ظاہری کے بعد اہل اللہ کی صحبت میں حاضری ضروری ہے جس کی مدت حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے چھ ماہ تجویز فرمائی ہے۔ (معارفِ مثنوی، حصہ دوئم،صفحہ:۳۹۷)

اللہ تعالیٰ کے عاشق بندے محبوبِ حقیقی کے عشق میں اپنی جان سے بھی بے پرواہیں اور ذکرِ محبوب

کی لذت نے ان کو دنیا کے تمام مشاغل سے مستغنی کر دیا ہے، یادِ حق میں خلق سے کنارہ کش ہیں تاکہ تعلقاتِ غیر ضروریہ سے ذکرِ حق میں خلل واقع نہ ہوا اور حق تعالیٰ کی یاد سے ایسے مست اور بے خود ہیں کہ غیرِ حق سے بالکل التفات باقی نہ رہا اگرچہ وہ مباح الاصل ہی کیوں نہ ہوں یا کسی درجہ مرجوحہ میں مستحسن ہی کیوں نہ ہوں لیکن اِن اُمور کی طرف اُن عاشقین کو بالکل التفات نہیں رہا کیونکہ دست بوسی شاہ کے میسر ہوتے ہوئے پابوسی شاہ کی طرف التفات قربِ اعلیٰ سے قربِ ادنیٰ کی طرف نزول کے مترادف ہے۔ (معارفِ مثنوی، صفحہ:۵۰۴)

حدیث نمبر ۲۸

﴿ اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنِیْ عَیْنَیْنِ ھَطَّالَتَیْنِ تَشْفِیَانِ الْقَلْبَ بِذُرُوْفِ الدُّمُوْعِ مِنْ خَشْیَتِکَ قَبْلَ اَنْ تَکُوْنَ الدُّمُوْعُ دَمًا وَّ الْاَضْرَاسُ جَمْرًا ﴾

(الجامع الصغیر للسیوطی، ج: ۱، ص: ۵۹)

(وفی روایةٍ تسقیان القلب بذروف الدمع کما فی المناجات المقبول)

ترجمہ: اے اللہ! مجھے بہت زیادہ موسلا دھار برسنے والی آنکھیں عطا فرما جو دل کو آپ کے خوف سے، اپنے آنسوؤں سے سیراب کر دیں قبل اس کے کہ یہ آنسو خون ہوں جائیں اور ڈاڑھیں انگارے بن جائیں۔

۱) اللہ والی آنکھوں کی پہلی صفت:

پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام عرض کرتے ہیں کہ اے اللہ! ہم آپ سے ایسی آنکھیں مانگتے ہیں جو **ھطالة** ہوں۔ **ھطالة** کے معنیٰ موسلا دھار برسنے والی **غیم ھاطل** لغت جو **ھطل** میں موجود ہے یعنی موسلا دھار بارش جیسے، گریہ پر قناعت نہیں فرمائی بلکہ اسی مصدر سے مبالغہ کا وزن استعمال فرمایا یعنی **ھطالة** فرمایا **فعّال** مذکر کے لیے اور **فعّالة** مونث کے لیے مبالغہ کا وزن ہے اور **عینین** عربی میں مؤنث ہونے کے سبب ان کی صفت کے لیے مؤنث کا وزن یعنی **ھطالة** استعمال فرمایا، اب ترجمہ یہ ہوگا کہ اے اللہ! ایسی آنکھیں عطا فرمایئے جو موسلا دھار برسنے والے ابر سے بھی زیادہ رونے والی ہوں۔

۲) اللہ والی آنکھوں کی دوسری صفت:

ھطالتین، **عینین** کی صفتِ اولیٰ ہے اس کے بعد نبی علیہ السلام نے دوسری صفت بھی مانگی **تَسْقِیَانِ الْقَلْبَ بِذُرُوْفِ الدَّمْعِ** وہ آنکھیں ایسی موسلا دھار رونے والی ہوں جو قلب کو اپنے آنسوؤں سے سیراب کر دیں۔ اس قید سے معلوم ہوا کہ ہر رونے والی آنکھیں دل کو سیراب نہیں کرتی ہیں پس جو آنسو اللہ کے خوف سے یا اللہ کی محبت سے گرتے ہیں وہ آنسو دل کو سیراب کرتے ہیں۔ **ولنعم ما قال الشاعر** ؎

سَھَرُ الْعُیُوْنِ لِغَیْرِ وَجْھِکَ ضَائِعٌ
وَ بُکَاءُ ھُنَّ بِغَیْرِ فَقْدِکَ بَاطِلٌ

اے اللہ! آنکھوں کی وہ بیداری جو آپ کے دیدار کے علاوہ ہو یا آپ کے لیے نہ ہو وہ بیداری ضائع اور بے کار ہے اور آنکھوں کا وہ رونا جو آپ کی جدائی کے غم سے نہ ہو باطل ہے۔

تو معلوم ہوا کہ تَسۡقِیَانِ الۡقَلۡبَ بِذُرُوۡفِ الدَّمۡعِ، عینین کے لیے صفتِ ثانیہ ہے یعنی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اخلاص کے آنسو طلب فرمائے کہ وہی دل کو بھی سیراب کرتے ہیں۔

۳)اللہ والی آنکھوں کی تیسری صفت:

نبی علیہ السلام عرض کرتے ہیں قَبۡلَ اَنۡ تَکُوۡنَ الدُّمُوۡعُ دَمًا وَّ الۡاَضۡرَاسُ جَمۡرًا اے اللہ! یہ رونے کی توفیق اسی حیاتِ دنیا میں عطا فرمایئے قبل اس کے کہ یہ آنسو خون ہوں اور ڈاڑھیں انگارے ہو جائیں یعنی دوزخ میں تو دوزخی بھی روئے گا لیکن اس کے آنسو خون کے ہوں گے اور اس کی ڈاڑھیں انگارے ہوں گی تو یہ آنسو کس کام کے یہ تو سزا والے آنسو ہیں، رحمت کے آنسو تو وہ ہیں جو دنیا میں اللہ کے لیے نکلیں۔

قَبۡلَ اَنۡ تَکُوۡنَ الدُّمُوۡعُ دَمًا الخ یہ ظرف ہے اور ہر ظرف مظروف کے لیے بمنزلہ قید ہوتا ہے اور قید بمنزلہ صفت ہوتی ہے پس یہ نحوی صفت تو نہیں ہے لیکن معنوی صفت ہے یہ تمام اوپر کی شرح حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے احقر کو اپنی رحمت سے عطا فرمائی ہے۔ ذٰلِکَ مِمَّا خَصَّنِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی بِلُطۡفِہٖ (معارفِ مثنوی، صفحہ:۶۴۰)

حدیث نمبر ۲۹

﴿اَنۡ نَّقۡتَرِفَ سُوۡءً اعَلٰی اَنۡفُسِنَا اَوۡ نَجُرَّہٗ اِلٰی مُسۡلِمٍ

(سنن ابی داؤد، کتابُ الادب، باب مایقول اذا اصبح، ج:۲، ص:۳۳۷)

اَوۡ اَکۡسِبُ خَطِیۡئَۃً اَوۡ ذَنۡبًا لاَ تَغۡفِرُہٗ﴾

(الدعوات الکبیر للبیھقی،باب الدعاء عند الصباح و المسآء)

ترجمہ: اے اللہ! میں پناہ چاہتا ہوں کہ ہم حاصل کریں اپنی جان پر کسی برائی کو یا اس کو پہنچائیں کسی مسلمان کی طرف یا کریں ہم کوئی ایسی خطا یا گناہ جس کی آپ مغفرت نہ فرمائیں۔

حدیث شریف میں ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جنابِ کبریا میں عرض کرتے ہیں کہ اے اللہ میں پناہ چاہتا ہوں۔اَنۡ نَّقۡتَرِفَ سُوۡءً ا عَلٰی اَنۡفُسِنَا اَوۡ نَجُرَّہٗ اِلٰی مُسۡلِمٍ اَوۡ اَکۡسِبُ خَطِیۡئَۃً اَوۡ ذَنۡبًا لاَ تَغۡفِرُہٗ اے اللہ! میں پناہ چاہتا ہوں کہ ہم حاصل کریں اپنی جان پر کسی برائی کو یا اس کو پہنچائیں کسی مسلمان کی طرف یا کریں ہم کوئی ایسی خطا یا گناہ جس کی آپ مغفرت نہ فرمائیں۔

مسلسل نافرمانیوں کی عادت میں مبتلا رہنے کے باوجود تزکیہ کا اہتمام نہ کرنا اور ترکِ معصیت کی

تدابیر نہ معلوم کرنا دو خطرناک مصیبتوں میں گرفتار کرتا ہے۔ نمبر ایک یہ کہ ایسا آدمی حق تعالیٰ کی راہ میں انوار وبرکاتِ قربِ خاص سے محروم رہتا ہے، ظاہر ہے کہ انوارِ طاعات واذکار ظلماتِ معاصی سے کبھی بالکلیہ سلب ہوجاتے ہیں اور کبھی حد درجہ یہ انوار بے کیف اور مضمحل ہوجاتے ہیں۔

نمبر۲: دوسرے یہ کہ ایسا آدمی ہروقت علیٰ معرض الخ مر ہے یعنی چاہ طرد وضلالت کے کنارے کھڑا ہے۔ نہ معلوم کب کوئی گھڑی ایسی آجائے کہ یہ اپنی عادتِ معصیت کے مطابق گناہ کرے اور گرفت ہوجائے اور تجلی صفتِ رحمت وحلم مبدل بہ تجلی قہر وانتقام ہوجائے جس کے نتیجے میں آئندہ توفیقِ استغفار نہ ہو اور شدہ شدہ یہ ظلمات سارے قلب کو زنگ آلود کردیں حتیٰ کہ ذکر سے وحشت ونفرت ہونے لگے اور پھر مردود ہوکر سوء خاتمہ کی لعنت کا طوق پہن کر جہنم میں چلا جائے۔ حق تعالیٰ ہم سب کو اس سے محفوظ رکھیں، آمین۔ (معارفِ مثنوی، صفحہ:۳۲۷-۳۳۷)

حدیث نمبر۳۰

﴿اَکْثِرُوْا ذِکْرَ ھَاذِمِ اللَّذَّاتِ یَعْنِی الْمَوْتَ﴾

(سننُ الترمذی، کتابُ الزھد، باب ماجآء فی ذکر الموت، ج:۲، ص:۵۷)

ترجمہ: لذات کو سرد کرنے والی چیز کو کثرت سے یاد کرو یعنی موت کو۔

موت کا کثرت سے یاد کرنا دل کو دنیا سے اُچاٹ کرتا ہے اور یہی ہدایت کا بڑا سبب اور ذریعہ ہوتا ہے۔ حدیث شریف میں وارد ہے کہ موت جو لذات کو سرد کرنے والی ہے اس کو کثرت سے یاد کرو۔

پس موت کا اتنا تصور کرو کہ اس کی وحشت لذت سے بدل جائے اور اپنے اصلی وطن کے ذکر سے لذت ملنی ہی چاہیے۔ مومن کے لیے موت دراصل محبوبِ حقیقی کی طرف سے دعوت ملاقات کا پیغام ہے۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں جو آخرت کے حالات دیکھتا ہوں اگر تم کو معلوم ہوجائیں تو ہنسنا کم کردو اور رونے کی کثرت کردو۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ کاش میں کوئی درخت ہوتا جو کاٹ دیا جاتا۔ کبھی فرماتے کہ کاش میں کوئی گھاس ہوتا کہ جانور اس کو کھالیتے۔ کبھی فرماتے کہ کاش میں کسی مومن کے بدن کا بال ہوتا۔ ایک مرتبہ ایک باغ میں تشریف لے گئے۔ ایک جانور کو دیکھ کر ٹھنڈا سانس بھرا اور فرمایا کہ تو کس قدر مزہ میں ہے کہ کھاتا ہے، پیتا ہے اور درختوں کے سائے میں پھرتا ہے اور آخرت میں تجھ پر کوئی حساب کتاب نہیں کاش ابوبکر بھی تجھ جیسا ہوتا۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ کاش مجھے میری ماں نے جنا ہی نہ ہوتا۔ بسا اوقات ایک تنکا ہاتھ میں لیتے اور فرماتے کاش میں یہ تنکا ہوتا۔ تہجد کی نماز میں بعض مرتبہ روتے روتے گر جاتے اور

بیمار ہو جاتے۔ ایک بار صبح کی نماز میں جب اس آیت پر پہنچے تو روتے روتے آواز نہ نکلی:

﴿اِنَّمَا اَشْکُوْ بَثِّیْ وَحُزْنِیْ اِلَی اللّٰہِ﴾

(سورۃ یوسف، اٰیۃ: ۸۶)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما حق تعالیٰ کے خوف سے اس قدر روتے تھے کہ چہرہ پر آنسوؤں کے بہنے سے دو نالیاں سی بن گئی تھیں۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک مرتبہ نماز کے لیے تشریف لائے تو ایک جماعت کو دیکھا کہ کھلکھلا کر ہنس رہی تھی اور ہنسی کی وجہ سے دانت کھل رہے تھے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ اگر موت کو کثرت سے یاد کرو تو جو حالت میں دیکھ رہا ہوں وہ پیدا نہ ہو۔ لہٰذا موت کو کثرت سے یاد کیا کرو اور قبر پر کوئی دن ایسا نہیں گذرتا کہ جس میں وہ یہ آواز نہ دیتی ہو کہ میں بے گانگی کا گھر ہوں، تنہائی کا گھر ہوں، مٹی کا گھر ہوں کیڑوں کا گھر ہوں الخ۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما بہت رویا کرتے تھے حتیٰ کہ روتے روتے آنکھیں بے کار ہوگئی تھیں۔ کسی شخص نے ایک مرتبہ پوچھ لیا تو فرمایا کہ میرے رونے پر تعجب کرتے ہو، اللہ کے خوف سے سورج روتا ہے۔ ایک مرتبہ ایسا ہی قصہ پیش آیا تو فرمایا کہ اللہ کے خوف سے چاند روتا ہے۔ ایک نوجوان صحابی پر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا گذر ہوا۔ وہ جب:

﴿فَاِذَا انْشَقَّتِ السَّمَآءُ فَکَانَتْ وَرْدَۃً کَالدِّھَانِ﴾

(سورۃُ الرحمٰن، اٰیۃ: ۳۷)

پر پہنچے تو بدن کے بال کھڑے ہو گئے، روتے روتے دم گھٹنے لگا اور کہہ رہے تھے کہ ہاں جس دن آسمان پھٹ جائیں گے یعنی قیامت کے دن میرا کیا حال ہوگا، ہائے میری بربادی۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تمہارے اس رونے سے فرشتے بھی رونے لگے۔

ایک انصاری صحابی نے تہجد کی نماز پڑھی پھر بیٹھ کر بہت روئے کہتے تھے اللہ ہی سے فریاد کرتا ہوں جہنم کی آگ کی۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم نے آج فرشتوں کو رُلا دیا۔

ایک صحابی رو رہے تھے۔ بیوی کے پوچھنے پر فرمایا کہ اس وجہ سے روتا ہوں کہ جہنم پر تو گذرنا ہے ہی نہ معلوم نجات ملے گی یا وہیں رہ جاؤں گا۔ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ تمام رات یہ آیت پڑھتے رہے اور روتے رہے:

﴿وَ امْتَازُوا الْیَوْمَ اَیُّھَا الْمُجْرِمُوْنَ﴾

(سورۃ یٰس، اٰیۃ: ۵۹)

حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ دنیا میں تو تم سب لوگ ملے جلے رہے مگر آج مجرم لوگ سب الگ ہو جائیں

اور غیر مجرم علیحدہ۔ اس حکم کو سن کر جتنا بھی رویا جائے کم ہے کہ نہ معلوم اپنا شمار مجرموں میں ہوگا یا فرماں برداروں میں۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جس آنکھ سے اللہ کے خوف سے ذرا سا بھی آنسو خواہ مکھی کے سر پر برابر ہی کیوں نہ ہو نکل کر چہرہ پر گرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس چہرہ کو آگ پر حرام فرما دیتا ہے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ایک اور ارشاد ہے کہ جب مسلمان کا دل اللہ کے خوف سے کانپتا ہے تو اس کے گناہ ایسے جھڑتے ہیں جیسے درختوں کے پتے جھڑتے ہیں۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ایک اور ارشاد ہے کہ جو شخص اللہ کے خوف سے روئے اس کا آگ میں جانا ایسا مشکل ہے جیسا کہ دودھ کا تھنوں میں واپس جانا۔ ایک صحابی نے عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نجات کا راستہ کیا ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ اپنی زبان کو روکے رکھو، گھر میں بیٹھے رہو اور اپنی خطاؤں پر روتے رہو۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آپ کی امت میں کوئی ایسا بھی ہے جو بے حساب جنت میں داخل ہو؟ آپ نے فرمایا ہاں جو اپنے گناہوں کو یاد کر کے روتا رہے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ کے نزدیک دو قطروں سے زیادہ کوئی قطرہ پسند نہیں ایک آنسو کا قطرہ جو اللہ کے خوف سے نکلا ہو، دوسرا خون کا قطرہ جو اللہ کے راستہ میں گرا ہو۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد ہے کہ جس کو رونا آئے وہ روئے ورنہ رونے کی صورت ہی بنا لے۔ حضرت کعب احبار رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ قسم اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ اگر میں اللہ کے خوف سے روؤں اور آنسو میرے رخسار پر بہنے لگیں یہ مجھے زیادہ پسند ہے اس سے کہ پہاڑ کے برابر صدقہ کروں۔ (معارفِ مثنوی، صفحہ: ۷۵۰۔۷۵۲)

حدیث نمبر ۳۱

﴿مَنْ نَامَ عَنْ حِزْبِهٖ اَوْ عَنْ شَیْءٍ مِّنْهُ فَقَرَأَ فِیْمَا بَیْنَ صَلٰوةِ الْفَجْرِ وَصَلٰوةِ الظُّهْرِ کُتِبَ لَهٗ کَأَنَّمَا قَرَأَهٗ مِنَ اللَّیْلِ﴾

(صحیح مسلم، کتابُ صلٰوة المسافرین وقصرها، باب جامع صلٰوة اللیل، ج: ۱، ص: ۲۵۶)

ترجمہ: جس شخص کا نیند کے سبب رات کا وظیفہ اور معمول ادا نہ ہوسکا اور اس نے فجر اور ظہر کے درمیان اس کو پورا کر لیا تو اس کو اتنا ہی ثواب ملے گا جیسے کہ اس نے رات ہی میں وہ معمول پورا کیا۔

حکایت: حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نمازِ تہجد شیطان نے آپ کے پاؤں دبا کر قضا کرا دی یعنی نیند گہری طاری ہوگئی۔ آپ نے دن میں تہجد کی قضا ادا کی۔ مسلم شریف میں یہ حدیث مروی ہے کہ مَنْ نَامَ عَنْ حِزْبِهٖ اَوْ عَنْ شَیْءٍ مِّنْهُ جس شخص کا نیند کے سبب رات کا وظیفہ اور معمول ادا نہ ہوسکا اور اس نے فجر

اور ظہر کے درمیان اس کو پورا کرلیا کُتِبَ لَهُ كَأَنَّمَا قَرَأَهُ مِنَ اللَّيْلِ تو اس کو اتنا ہی ثواب ملے گا جیسے کہ اس نے رات ہی میں وہ معمول پورا کیا۔ حاصلِ حکایت یہ کہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ دن میں بعد نمازِ فجر معمولاتِ شب پورا کر کے بہت روئے اور حق تعالیٰ سے ندامت کے ساتھ استغفار کیا۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت نے ندامت کے ان آنسوؤں کو جو ایک روایت کے مطابق شہیدوں کے خون کے برابر میدانِ محشر میں تولے جائیں گے قبول فرما کر ان کے درجے کو بہت بلند فرما دیا۔ ابلیس نے آپ کو آپ کے درجے سے کمتر کرنے کی کوشش کی تھی لیکن آپ کا مقام پہلے سے بھی بلند دیکھ کر حسد سے جل گیا۔ دوسری شب میں تہجد کے لیے بیدار کیا۔ حضرت نے دریافت کیا کہ اے شخص تو کون ہے؟ کہا میں آپ کو تہجد کے لیے اُٹھا رہا ہوں آپ اُٹھ کر یہ نیک کام کرلیں۔ لیکن مجھے نہ معلوم کریں کہ میں کون ہوں، میرا نام بہت بدنام ہے۔ فرمایا کہ نہیں تجھے بتانا پڑے گا۔ کہا حضور مجھے ابلیس لعین کہتے ہیں۔ فرمایا تیرا کام تو برائی کرانا ہے، یہ نیک کام آج کیسے کرلیا؟ کہا حضور ہزاروں سال عبادت گذار رہا ہوں پرانی عادت کبھی عود کر آتی ہے۔ فرمایا کہ سچ سچ بتا اے ابلیس تیرا مکر مجھ پر نہ چل سکے گا۔ کہا حضور رات آپ کی تہجد قضا کرادی تھی۔ آپ کی گریہ وزاری اور توبہ نے آپ کو پہلے سے بھی زیادہ اللہ تعالیٰ کا مقرب بنا دیا پھر آپ خود سمجھ سکتے ہیں کہ مجھ جیسا بنی آدم کا حاسد اس کو کہاں برداشت کرسکتا ہے۔ آج سوچا کہ آپ کو بیدار کردوں تاکہ آپ جس رفتار سے ترقی کررہے تھے اسی پر قائم رہیں۔ آپ نے جس مقامِ دردو اخلاص سے توبہ کی اس نے تو آپ کو سلوک میں تیز گام بنا دیا اور میری تدبیر معکوس نے میرے جگر میں غم کی آگ رکھ دی۔ (معارفِ شمس تبریز، صفحہ: ۱۱۰۔۱۰۱)

حدیث نمبر ۳۲

﴿اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ﴾

(صحیحُ البخاری، کتابُ الادب، باب علامة حب الله عزّوجلَّ، ج: ۲، ص: ۹۱۱)

ترجمہ: آدمی اسی کے ساتھ ہوگا جس کے ساتھ محبت کرے گا۔

محبت کی عظیم الشان کرامت

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ ایک شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور سوال کیا کہ جو آدمی کسی قوم سے محبت رکھے (یعنی علماء و صلحاء سے محبت رکھتا ہے۔ مرقاۃ) وَلَمْ يَلْحَقْ بِهِمْ اور ان کے اعمالِ نافلہ اور ریاضاتِ شاقہ میں ان کا ساتھ نہ دے سکا تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ۔ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اَیْ یَحْشُرُ مَعَ مَحْبُوْبِہٖ

وَيَكُوْنُ رَفِيْقًا لِمَطْلُوْبِهٖ قَالَ تَعَالٰى وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِکَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ (المرقاۃ)

ترجمہ: محبت کی برکت سے اس محبّ کا حشر اپنے محبوب کے ساتھ ہوگا اور اسی کا رفیق ہوگا۔ جیسا کہ حق تعالیٰ شانہ کا ارشاد ہے کہ جو اللہ اور رسول کا مطیع ہوگا وہ اُنہیں منعم علیہم انبیاء اور صدیقین اور شہداء اور صالحین کے ساتھ ہوگا۔

ایک اِشکال اور اس کا جواب

محبت کی کرامت سے محبوب کی معیت کی تائید میں ملاعلی قاری نے جو آیت پیش کی ہے اس میں تو اطاعت کی قید ہے محبت کا لفظ ہی نہیں۔ جواب یہ ہے کہ اطاعت محبتِ کاملہ صادقہ کے لیے لازم ہے۔ پس اس آیت میں ملزوم کی تعبیر لازم سے کی گئی ہے جو فنِ بلاغت میں علاقہ مجاز مرسل کہلاتا ہے اور اصطلاح میں اس کو تسمية الملزوم باسم اللازم کہتے ہیں۔ چنانچہ ملاعلی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں وَ مِنْ عَلَامَةِ الْمَحَبَّةِ الصَّادِقَةِ اَنْ يَّخْتَارَ اَمْرَالْمَحْبُوْبِ وَنَهْيَهٗ عَلٰى مُرَادِ غَيْرِهٖ وَلِذَا قَالَتْ رَابِعَةُ الْعَدَوِيَّةُ ؎

تَعْصِى الْاِلٰهَ وَاَنْتَ تُظْهِرُ حُبَّهٗ
هٰذَا لَعَمْرِىْ فِى الْقِيَاسِ بَدِيْعٌ
لَوْكَانَ حُبُّکَ صَادِقًا لَاَطَعْتَهٗ
اِنَّ الْمُحِبَّ لِمَنْ يُّحِبُّ مُطِيْعٌ

(المرقاۃ، ج: ۹، ص: ۲۵۰)

ترجمہ: محبتِ صادقہ کی علامت یہ ہے کہ محبوب کے حکم کو بجالائے اور نہی سے رک جائے۔ اور غیر محبوب کو کبھی ترجیح نہ دے جیسا کہ رابعہ عدویہ فرماتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتا ہے اور محبت بھی ظاہر کرتا ہے۔ یہ عجیب بات ہے اگر تیری محبت صادق ہوتی تو اطاعتِ محبوب کی ضرور کرتا کیونکہ ہر محبّ اپنے محبوب کی اطاعت کرتا ہے۔ (کشکولِ معرفت)

محبت واطاعت پر معیتِ موعود کی تفصیلی تحقیق تفاسیر اور احادیث کی روشنی میں

کیا محبت پر معیت سے یہ مراد ہے کہ جنت میں سب ایک ہی درجہ میں جمع ہوں گے اور فاضل اور مفضول میں فرق نہ رہے گا؟

ملا علی قاری کی تحقیق:

جب اصحابِ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جنت

میں کس طرح بعض کو بعض دیکھیں گے تو یہ آیت نازل ہوئی:

﴿وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ﴾

(سورة النسآء، اٰية: ٦٩)

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

﴿اِنَّ اَعْلِيْنَ يَنْحَدِرُوْنَ اِلٰى مَنْ هُوَ اَسْفَلُ مِنْهُمْ فَيَجْتَمِعُوْنَ فِيْ رِيَاضِهَا...... الخ﴾

(مرقاة المفاتيح، كتاب الاداب، باب الحب فى الله من الله، ج: ٨، ص: ٧٤٢)

اعلیٰ جنت کے لوگ اسفل والوں کے پاس نزول فرما دیں گے۔ اور جنت کے باغوں میں جمع ہوا کریں گے اِنَّ هٰذِهِ الْمَعِيَّةَ وَالْمُوَاجَهَةَ وَالْمُجَامَلَةَ تَخْتَلِفُ بِاِخْتِلَافِ حُسْنِ الْمُعَامَلَةِ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ اور ہر شخص کی معیت اپنے بزرگوں کے ساتھ حسبِ اختلافِ حسنِ معاملہ مختلف ہوگی۔

حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی کی تحقیق:

حضرت تھانوی بیان القرآن میں اس معیت کی تفسیر کرتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ ساتھ ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ یہ اشخاص ان حضرات کے درجہ میں چلے جائیں گے کیونکہ یہ اس نصِ قطعی کے خلاف ہے:

﴿هُمْ دَرَجَاتٌ عِنْدَ اللّٰهِ﴾

(سورة اٰل عمران، اٰية: ١٦٣)

بلکہ مطلب یہ ہے کہ اپنے درجہ سافلہ سے ان کے درجہ عالیہ میں پہنچ کر ان کی زیارت سے اور اس درجہ کے برکات سے مشرف ہوا کریں گے۔ (بیان القرآن، پارہ: ۵، سورہ النساء، صفحہ: ۱۳۴)

علامہ آلوسی کی تحقیق:

حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ مومنین کی ذُرّیات کو (بشرطِ ایمان) ان کے درجات میں جنت میں جمع فرما دیں گے اگرچہ وہ اعمال میں کم ہوں گے تاکہ وہ اپنی آنکھیں اپنی ذریات سے ٹھنڈی کریں۔ اور الحاق سے مراد مستقل سکونت ہے نہ کہ محض ان سے ملاقات اور زیارت کی اجازت۔ (روح المعانی، پ: ۲۷، ص: ۲۲)

محبت پر ثمرۂ معیت کے متعلق علامہ آلوسی کی تحقیق:

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ تفسیر روح المعانی میں فرماتے ہیں کہ معیت سے یہ مراد نہیں کہ سب ایک درجہ میں ہوں گے بلکہ اعلیٰ منزل والے اسفل میں آسکیں گے اور اسفل والے اعلیٰ منزل میں جاسکیں گے اور ایک دوسرے کو یہ احساس نہ ہوسکے گا کہ ہم سے اعلیٰ والے زیادہ عیش میں ہیں تاکہ ان کے دل میں حسرت

کا صدمہ نہ ہو اور اعلیٰ والے احساس نہ کرسکیں گے ادنیٰ والے ہم سے کم اور بے قدر ہیں۔ تا کہ اپنے متعلقین کے کم عیش میں ہونے سے صدمہ نہ ہو۔ (تفسیر روح المعانی، پارہ:۵،صفحہ:۷۸)

شانِ نزول

معیت پر جس آیت کی تفسیر ہو رہی ہے اس کے بارے میں ایک روایت علامہ آلوسی نقل فرماتے ہیں کہ ایک شخص حاضر ہوا اور عرض کیا کہ **یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اِنَّکَ لَاَحَبُّ اِلَیَّ مِنْ نَّفْسِیْ وَاِنَّکَ لَاَحَبُّ اِلَیَّ مِنْ وَّلَدِیْ** آپ میری جان سے زیادہ محبوب ہیں اور اولاد سے بھی زیادہ اور **وَ اِنِّیْ لَاَکُوْنُ فِی الْبَیْتِ فَاَذْکُرُکَ فَمَا اَصْبِرُ** اور میں گھر میں جب ہوتا ہوں اور آپ کو یاد کرتا ہوں تو صبر نہیں ہوتا **حَتّٰی اٰتِیَ فَاَنْظُرَ اِلَیْکَ** یہاں تک کہ حاضر ہو کر آپ کا دیدار کر لیتا ہوں لیکن آخرت میں آپ اعلیٰ درجہ میں انبیاء علیہم السلام کے ساتھ ہوں گے تو ہم اپنی ادنیٰ جنت میں آپ کو کیسے پائیں گے اور کیسے دیکھیں گے تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خاموش ہو گئے یہاں تک کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام اس آیت کو لے کر نازل ہوئے:

﴿حَتّٰی نَزَلَ جِبْرَئِیْلُ بِهٰذِهِ الْاٰیَةِ وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰہَ وَالرَّسُوْلَ...... الخ﴾

(روحُ المعانی فی تفسیر القراٰن العظیم والسبع المثانی، ج:۵، ص:۷۵)

امام فخر الدین رازی کی تحقیق:

اس معیت کے متعلق امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

خلاصہ ترجمہ: معیت سے مراد ایک درجہ میں جمع ہو جانا نہیں، کیونکہ اس سے فاضل اور مفضول میں مساوات اور برابری لازم آتی ہے جو جائز نہیں۔ پس معیت سے مراد یہ ہے کہ ہر شخص کے لیے ایک دوسرے کی ملاقات اور دیدار ہر وقت ممکن ہو سکے گا۔ (تفسیر کبیر، جلد خامس، جزء عاشر، صفحہ:۱۷۶)

علامہ ابن کثیر حافظ عماد الدین دمشقی کی تفسیر:

﴿ذٰلِکَ الْفَضْلُ مِنَ اللّٰہِ وَ کَفٰی بِاللّٰہِ عَلِیْمًا﴾

(سورۃ النسآء، اٰیۃ:۷۰)

علامہ ابن کثیر دمشقی اپنی تفسیر ابن کثیر میں مذکورہ آیت کی تفسیر فرماتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

﴿اَیْ مِنْ عِنْدِ اللّٰہِ بِرَحْمَتِهٖ، هُوَ الَّذِیْ اَهَّلَهُمْ لِذٰلِکَ، لَا بِاَعْمَالِهِمْ، هُوَ عَلِیْمٌ بِمَنْ یَّسْتَحِقُّ الْهِدَایَةَ وَالتَّوْفِیْقَ﴾

یہ نعمتِ معیت محض اللہ تعالیٰ کا فضل ہوگا۔ یہ نعمت اعمال کے بدلے میں نہ ملے گی اور وہ علیم ہیں کہ کون اس ہدایت اور توفیق کا مستحق ہے۔ (مختصر تفسیر ابن کثیر، پ:۵، نساء:۵۲۴)

از علامہ محمود نسفی صاحب تفسیر خازن:

اس معیت کے بارے میں صاحبِ تفسیرِ خازن نے روایت لکھی ہے کہ حضرت انس فرماتے ہیں کہ ایک آدمی نے سوال کیا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کہ قیامت کب آوے گی؟ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کی کیا تیاری کی ہے؟ عرض کیا کہ کچھ تیاری نہیں کی اِلَّا اِنِّیْ اُحِبُّ اللّٰہَ وَ رَسُوْلَہٗ مگر میں اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہوں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اَنْتَ مَعَ مَنْ اَحْبَبْتَ تم اسی کے ساتھ ہوگے جس کے ساتھ محبت ہے۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ فَمَا فَرِحْنَا بِشَیْءٍ اَشَدَّ فَرَحًا بِقَوْلِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنْتَ مَعَ مَنْ اَحْبَبْتَ ایسی خوشی ہم لوگوں کو کبھی نہیں ہوئی جیسا کہ اس ارشاد سے ہوئی اس کے بعد حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے محبت کرتا ہوں اَرْجُو اَنْ اَکُوْنَ مَعَھُمْ بِحُبِّیْ اِیَّاھُمْ وَاِنْ لَّمْ اَعْمَلْ بِاَعْمَالِھِمْ امید ہے کہ میں ان سب حضرات کے ساتھ ہوں گا، بہ سبب ان کی محبت کے، اگرچہ ہمارے اعمال اس درجہ کے نہیں۔ (تفسیر خازن، ج:۱، ص:۳۷۶) (کشکولِ معرفت، صفحہ:۶۔۱۰)

حدیث نمبر ۳۳

﴿اَللّٰھُمَّ اَرِنَا الْحَقَّ حَقًّا وَّ ارْزُقْنَا اتِّبَاعَہٗ وَ اَرِنَا الْبَاطِلَ بَاطِلاً وَ ارْزُقْنَا اجْتِنَابَہٗ﴾

(تفسیر ابن کثیر، ج: ۱، ص: ۲۵۱)

ترجمہ: اے اللہ! ہمیں حق کا حق ہونا دِکھا دیجیے اور اس کی اتباع کی توفیق عطا فرمایئے اور باطل کا باطل ہونا دِکھا دیجیے اور اس سے بچنے کی توفیق عطا فرمایئے۔

فانی صورتیں اسے عظیم الشان اور پائندہ حقیقت نظر آنے لگتی ہیں، باطل حق نظر آنے لگتا ہے۔ اس تقلیبِ ابصار سے حدیثِ پاک میں پناہ مانگی گئی ہے اور یہ دعا سکھائی گئی اَللّٰھُمَّ اَرِنَا الْحَقَّ حَقًّا وَّ ارْزُقْنَا اتِّبَاعَہٗ وَ اَرِنَا الْبَاطِلَ بَاطِلاً وَ ارْزُقْنَا اجْتِنَابَہٗ اے اللہ! ہمیں حق کا حق ہونا دِکھا دیجیے اور اس کی اتباع کی توفیق عطا فرمایئے اور باطل کا باطل ہونا دِکھا دیجیے اور اس سے بچنے کی توفیق عطا فرمایئے۔

بس اللہ والے اس قہر سے محفوظ کیے جاتے ہیں لہٰذا حسینوں کے فرسٹ فلور پر نظر پڑتے ہی نظریں نیچی کر لیتے ہیں کیونکہ حسین جسموں کے گراؤنڈ فلور کی گندگی ان کو مستحضر رہتی ہے کہ اندر سب پیشاب پاخانہ بھرا ہے اور اوپر چاندی کا ورق ہے۔ اللہ کی نافرمانی پیشاب پاخانہ سے بھی بدتر چیز ہے۔ تو جب کسی فانی

حسین شکل پر نظر پڑتے ہی دل میں مستی آئے تو فوراً نظر ہٹالو اور اس مستی سے پناہ مانگو کہ یہ عذاب کی مستی ہے۔ یہ وہی مستی ہے جس پر یہ آیت نازل ہوئی:

﴿لَعَمۡرُکَ اِنَّہُمۡ لَفِیۡ سَکۡرَتِہِمۡ یَعۡمَہُوۡنَ﴾

(سورۃ الحجر، اٰیۃ: ۷۲)

اور وہ (قوم لوط والے) اپنے نشہ میں مست ہورہے تھے۔

واللہ کہتا ہوں اس سے بڑھ کر کوئی خبیث نہیں جو چند دن کے حسنِ فانی پر اپنے کریم مولیٰ اور اپنے خالق اور پالنے والے کو ناراض کرتا ہے۔ یہ شخص طبیعت کا خسیس اور کمینہ اور نہایت غیر شریف ہے۔ اگر اس میں حیا اور شرم ہوتی تو اپنے اللہ کو ناراض نہ کرتا۔ ملا علی قاری محدثِ عظیم لکھتے ہیں کہ حیا کی تعریف ہے فَاِنَّ حَقِیۡقَۃَ الۡحَیَاءِ اَنَّ مَوۡلاکَ لَا یَرَاکَ حَیۡثُ نَہَاکَ یعنی حیا کی حقیقت یہ ہے کہ تمہارا مولیٰ تم کو نافرمانی کی حالت میں نہ دیکھے تب سمجھ لو کہ یہ بندہ حیا اور شرم والا ہے۔ آج آپ کسی بدنظری کرنے والے کو بے غیرت اور بے حیا کہہ دیں تو وہ مرنے مارنے کو تیار ہو جائے گا لیکن اللہ کے نزدیک یہ بے حیا ہے کیونکہ اللہ تو ہر وقت دیکھ رہا ہے۔ جو اللہ سے نہیں شرماتا اس میں حیا کہاں ہے اس لیے ہر وقت اس کا خیال رکھو کہ اللہ ہم کو دیکھ رہا ہے، میری نظر پر ان کی نظر ہے۔ میرا شعر ہے ؎

میری نظر پہ ان کی نظر پاسباں رہی
افسوس اس احساس سے کیوں بے خبر تھے ہم

جس کو یہ استحضار ہوگا وہ شرابِ قہر اور عذاب کی مستی میں ان شاء اللہ تعالیٰ مبتلا نہیں ہوسکتا۔

(درسِ مثنوی مولانا روم، صفحہ: ۶۵-۶۸)

خود بینی اور تکبر کی نحوست سے قلب کی بصیرت میں فساد آجاتا ہے جس کی وجہ سے بصارت فاسد ہو جاتی ہے اور ایسا شخص حق کو باطل اور باطل کو حق سمجھنے لگتا ہے۔ اہل اللہ اور مقبولانِ بارگاہ کے چہرۂ انور بدبختوں کو منحوس اور بُرے نظر آتے ہیں اور اہلِ باطل کے چہرے ان کو محبوب اور منور معلوم ہوتے ہیں۔ اس ابتلاء کا سبب ان کے باطن کا کبر اور اعراض ہوتا ہے کما قال تعالیٰ:

﴿بَلۡ طَبَعَ اللہُ عَلَیۡہَا بِکُفۡرِہِمۡ﴾

(سورۃ النسآء، اٰیۃ: ۱۵۵)

ان کے مسلسل کفر اور کفر پر ہمیشہ قائم رہنے کی نیت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی اور یہ ظلم نہیں ہے کیونکہ ان کا ارادہ حق کو قبول کرنے کا تھا ہی نہیں اس لیے مہر لگا دی گئی لہٰذا یہ عذابِ قہر ہے جو انبیاء اور اولیاء کے چاند جیسے چہروں کو کابوس (ڈراؤنی شکل) دِکھاتا ہے اور کفر کے تاریک کنویں کو خوش نما

باغ دِکھا تا ہے۔

اپنی شقاوت اور کور باطنی (بدبختی اور بصیرت کے اندھے پن) اور قلبی فساد یعنی عجب و تکبر کے سبب انبیاء کی برابری کرنے لگے اور اولیاء اللہ کو حقارت کی نظر سے دیکھا اور ان کو اپنی طرح قیاس کیا جیسا کہ حکایت ہے کہ ایک حبشی نے جنگل میں ایک آئینہ گرا ہوا دیکھا اور اس کے اندر اپنی کالی صورت لمبے لمبے دانت اور موٹے موٹے ہونٹوں کو دیکھ کر آئینہ کو گالی دے کر کہا کہ کمبخت بدصورت، منحوس تیری ایسی بھدی شکل ہے جبھی تو جنگل کے ویرانے میں کسی نے تجھے پھینک دیا ہے، اگر حسین ہوتا تو گھروں میں لوگ تجھ کو آراستہ کر کے رکھتے۔ اس ظالم کو یہ خبر نہ تھی کہ اس آئینہ میں خرابی نہ تھی بلکہ اس کی اپنی ہی صورت کا عکس تھا۔ چنانچہ بصیرت کے اسی اندھے پن کے سبب ابوجہل کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا چہرۂ مبارک نہایت برا نظر آتا تھا اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بصیرتِ صحیحہ یہ فیصلہ کر رہی تھی:

﴿كَأَنَّ الشَّمْسَ تَجْرِيْ فِيْ وَجْهِهٖ﴾

(سننُ الترمذی، کتابُ المناقب عن رسول اللہ، باب صفة النبی ﷺ، ج:۲،ص:۲۰۶)

کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چہرۂ مبارک میں مجھ کو آفتاب چلتا ہوا نظر آتا ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ سے ڈرنا چاہیے۔ اور شامتِ عمل سے جب اللہ کا قہر نازل ہو جاتا ہے تو اسی طرح اولیاء کی معرفت بھی نہیں ہوتی خصوصاً اللہ سے اپنے شیخ کی محبت و عظمت مانگنی چاہیے کیونکہ اگر اپنے شیخ کو حقارت سے دیکھے گا تو وہ شخص کبھی فلاح نہیں پا سکتا۔ ملا علی قاری فرماتے ہیں **مَنِ اعْتَرَضَ عَلٰى شَيْخِهٖ وَ نَظَرَ اِلَيْهِ اِحْتِقَارًا فَلَا يُفْلِحُ اَبَدًا** جس نے اپنے شیخ پر اعتراض کیا اور اس کو محتقرانہ نظر سے دیکھا تو یہ شخص کبھی کامیاب نہیں ہوسکتا۔ ایسے ہی جب کسی حسین کو دیکھ کر نفس میں خوشی کی لہریں اٹھیں تو اللہ سے فوراً ڈر جاؤ اور سمجھ لو کہ یہ وہی کنویں کا اندھیرا ہے جو تقلیبِ ابصار سے بہترین باغ معلوم ہو رہا ہے۔ اس سے توبہ کرو کیونکہ نافرمانی سے خوش ہونا یہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ بے وفائی ہے۔ جب نفس کسی حسین کو دیکھ کر خوشی امپورٹ کرے، درآمد کرے، جو حرام خوشیاں اور بدمستیاں آئیں تو نظر ہٹا کر نفس کو کوئی تکلیف دہ بات یاد دِلا دو، دوزخ کی آگ کا تصور کرو، قبر کی منزل یا قیامت کی پیشی کو یاد کرو یا تنہائی میں جا کر اپنی کھوپڑی پر تین جوتے لگا لو کہ کیوں خوش ہوا، نفس کو فوراً اتنا غم دو کہ توازن اور بیلنس صحیح ہو جائے اور غم پہنچانے کا ایک اور راستہ بزرگوں نے بیان کیا ہے کیونکہ بعض وقت نفس دوزخ اور عذابِ قبر اور قیامت کی پیشی وغیرہ سے بھی متاثر نہیں ہوتا وہ پاگل سا ہو جاتا ہے لہٰذا اس نفس کو غم دینے کا بہترین اور مجرب علاج مشائخ نے بتایا کہ فوراً وضو کرو اور آٹھ دس رکعات نفس سے پڑھوا لو۔ بس یہ رکعات سارے مراقبوں سے بھاری پڑیں گی۔ پھر شیطان بھی

پیچھا چھوڑ دیتا ہے کہ اس سے بدنظری تو میں نے کرائی اور میں نے کوشش کر کے فوکس ڈالا، اس حسین کے چہرے پر مسمریزم کیا جس سے وہ چار آنہ حسن ان کو سولہ آنہ نظر آیا۔ لال لال گالوں کو اور زیادہ لال دکھا کر لالوں کو لالہ زار بنا دیا اور یہ لالے جان کے چھالے ہیں جس سے ان کی جان کے ہی لالے پڑ گئے لیکن اس نے اشکبار آنکھوں سے توبہ کر لی اور توبہ سے خطا معاف ہوگئی اور آٹھ دس رکعات مزید پڑھ لیں اور کچھ صدقہ خیرات بھی کر دیا جس سے اللہ کا غضب ٹھنڈا ہوتا ہے۔ اِنَّ الصَّدَقَةَ تُطْفِئُ غَضَبَ الرَّبِّ الخ یہ سب نیکیاں مستزاد اس کے نامہ اعمال میں چڑھ گئیں۔ لہٰذا شیطان کہتا ہے کہ میری بزنس تو یہاں بالکل لاس (خسارہ) میں جا رہی ہے لہٰذا توبہ کرنے والے کا تعاقب چھوڑ دیتا ہے۔ شیخ کے مشورہ سے گناہ کے ترک کے لیے صدقہ کرنا نہایت مفید ہے۔ (درسِ مثنوی مولانا روم، صفحہ: ۱۲۰۔۱۲۳)

آپ اپنی ایک نگاہِ کرم ڈال دیں تو اسی وقت اس کا نصیب جاگ اٹھے گا اور اس کا کام بن جائے گا اور اسی لمحہ وہ نفس کے قید و بند سے رہائی پا جائے گا۔ وہ دل جو گناہوں کے شدید میلان میں مبتلا تھا آپ کی نگاہِ کرم کے بعد اس کو گناہوں کا وہ شدید میلان نہیں ہوتا جتنا عام لوگوں کو ہوتا ہے، بس ہلکا سا ایک طبعی میلان ہوگا لیکن اے اللہ آپ کی مہربانی سے اس کو قابو میں رکھنا آسان ہو جاتا ہے کیونکہ آپ کے کرم سے حسنِ مجازی کی فنائیت اور فانی اجسام کے اندر کی گندگی اس کو نظر آجاتی ہے جس سے فانی جسموں سے ایک نفرتِ طبعیہ اے اللہ آپ اس کو عطا فرما دیتے ہیں کیونکہ انسان عقل کے بل بوتے پر کب تک لڑے گا، عقلی استدلال کے پاؤں بہت کمزور ہوتے ہیں۔ اس لیے اے اللہ! ہمیں گناہوں سے طبعی کراہت نصیب فرما دیجئے تاکہ گناہوں سے بچنا آسان ہو جائے۔ ورنہ حسنِ فانی کی ملمع سازی کا فریب بُرے بُرے تقاضوں کو اور شدید کر دیتا ہے مگر جس پر اے خدا آپ فضل فرما دیں تو اس کو نظر آجاتا ہے کہ ان فانی جسموں کی چمک دمک ظاہری ہے، اندر گو بھرا ہوا ہے جیسے کوئی پاخانہ پر سونے اور چاندی کے ورق لگا دے۔ جو ورق کی چمک دمک سے دھوکہ کھائے گا وہ پاخانہ ہی پائے گا لہٰذا اے نفس بالوں اور گالوں سے اور رانوں سے دھوکہ نہ کھا ورنہ پیشاب پاخانہ کی گندگی تک پہنچنا پڑے گا اور یہ تو جسمانی اور حسی بے عزتی ہوئی لیکن اگر اے اللہ آپ نے ستاری نہ فرمائی تو ہم مخلوق میں بھی ذلیل ہو جائیں گے کیونکہ ستاریت ہمارے اختیار میں نہیں ہے کہ جب تک ہم چاہیں اپنے عیب کو چھپائیں بلکہ پردۂ ستاریت اے اللہ آپ کے اختیار میں ہے، جب چاہیں ہٹا دیں اور ساری دنیا ہماری رسوائی کا تماشہ دیکھ لے۔ اسی لیے مولانا رومی دعا فرماتے ہیں کہ نفس کی چالوں اور مکاریوں اور اس کے بُرے بُرے تقاضوں کی قید سے اے اللہ آپ کے سوا کون نجات دلا سکتا ہے کیونکہ تقلیب ابصار سے گناہ حسین اور نیکیاں بُری معلوم ہونے لگتی ہیں۔ حدیثِ پاک کی دعا ہے اَللّٰھُمَّ اَرِنَا

الْحَقَّ حَقًّا وَّ ارْزُقْنَا اتِّبَاعَہٗ اے اللہ حق کو حق دِکھا اور اس کی اتباع کی توفیق نصیب فرما۔ وَ اَرِنَا الْبَاطِلَ بَاطِلاً وَ ارْزُقْنَا اجْتِنَابَہٗ اور باطل کو باطل دِکھا اور اس سے اجتناب اور پرہیز کی توفیق کا رزق دے دے یعنی رزقِ اتباعِ خیرات وحسنات نصیب فرما اور رزقِ اجتناب عن الباطل بھی نصیب فرما۔ اپنی رضا کے اعمال نصیب فرما اور ناراضگی کے اعمال سے حفاظت نصیب فرما۔ (فغانِ رومی، صفحہ:۸۵۔۸۷)

حدیث مذکورہ کی تشریح بعنوان دگر

تکبر وخود بینی اور گناہوں پر مسلسل اصرار کی نحوست کی وجہ سے قلب کی بصیرت فاسد ہو جاتی ہے جس کی وجہ سے بصارت میں فساد آ جاتا ہے اور ایسے شخص کو حق باطل اور باطل حق نظر آنے لگتا ہے اور فانی شکلیں اور گناہ کے مواقع اور دنیائے مردار کی فانی لذتیں اس کو نہایت مہتم بالشان معلوم ہوتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا آتش انگیز راستہ اس کو پانی کی طرح ٹھنڈا اور لذیذ معلوم ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا راستہ جو پانی کی طرح صاف وشفاف اور حیات بخش ہے اسے آگ کی طرح گرم اور کلفت انگیز معلوم ہوتا ہے۔

اس تقلیب ابصار سے حدیثِ پاک میں پناہ میں آئی ہے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں اَللّٰھُمَّ اَرِنَا الْحَقَّ حَقًّا وَّ ارْزُقْنَا اتِّبَاعَہٗ وَ اَرِنَا الْبَاطِلَ بَاطِلاً وَ ارْزُقْنَا اجْتِنَابَہٗ اے اللہ مجھے حق کو حق دکھا اور اس کی اتباع بھی نصیب فرما اور باطل کو باطل دکھا اور اس سے اجتناب کی توفیق بھی نصیب فرما۔

اس حدیثِ پاک کا پہلا جملہ اَللّٰھُمَّ اَرِنَا الْحَقَّ حَقًّا یہ نعمتِ اولیٰ ہے کہ اے اللہ حق کا حق ہونا مجھ پر واضح فرما دیجئے لیکن بعض وقت حق واضح ہو گیا لیکن آدمی اسے قبول نہیں کرتا اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آگے ایک جملہ اور بڑھا دیا وَ ارْزُقْنَا اتِّبَاعَہٗ کہ اے اللہ جب آپ مجھ پر حق واضح فرمائیں تو اس کی اتباع بھی مقدر فرما دیجئے۔ یہ دوسرا جملہ نعمتِ اولیٰ کا مکمل ہے کیونکہ حق کا ظاہر ہونا نعمت ہے لیکن اگر اتباع کی توفیق نہ ہو تو نعمت کی تکمیل نہیں ہوئی اور جو مقصد ہے وہ حاصل نہ ہوا اور بلاغتِ کلامِ نبوت دیکھئے کہ وَفِّقْنَا نہیں فرمایا کہ ہمیں توفیق دے دیجئے بلکہ وَارْزُقْنَا فرمایا کہ ہمیں اس کی اتباع کا رزق دے دیجئے کیونکہ رزق اپنے مرزوق کو تلاش کرتا ہے جیسا کہ دوسری حدیث پاک میں ارشاد ہے:

﴿اِنَّ الرِّزْقَ لَیَطْلُبُ الْعَبْدَ کَمَا یَطْلُبُہٗ اَجَلُہٗ﴾

(مشکٰوۃ المصابیح، کتابُ الرقاق، باب التوکل والصبر، ص:۴۵۴)

رزق بندہ کو اس طرح تلاش کرتا ہے جس طرح اس کی موت اس کو تلاش کرتی ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ ہم جہاں بھی رہیں اتباعِ حق کے رزق کو ہماری روح میں داخل کر دیجئے۔ جسمانی رزق پیٹ میں داخل ہوتا ہے اور توفیقِ اتباع کا رزق روح کے اندر داخل ہوتا ہے لیکن بلاغتِ کلامِ نبوت کا کمال ہے کہ توفیق کو رزق کے

لفظ سے تعبیر فرمایا کہ اتباعِ حق کا رزق ہمیں دے دیجئے کیونکہ ایک اور حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

﴿اِنَّ نَفۡسًا لَنۡ تَمُوۡتَ حَتّٰی تَسۡتَکۡمِلَ رِزۡقَهَا﴾

(مشکٰوۃ المصابیح، کتابُ الرقاق، باب التوکل والصبر، ص: ۴۵۲)

کسی نفس کو ہرگز موت نہیں آسکتی جب تک وہ اپنا رزق مکمل نہ کرلے۔ تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے وَارۡزُقۡنَا فرما کر اُمت کے لیے یہ نعمت مانگ لی کہ اے اللہ! ہمیں مرنے نہ دیجئے جب تک ہم پوری پوری اتباعِ حق نہ کرلیں۔ جس طرح استکمالِ رزقِ ظاہری کے بغیر موت نہیں آسکتی اسی طرح اے اللہ استکمالِ رزقِ باطنی یعنی اتباعِ حق کی تکمیل کے بغیر ہمیں موت نہ دے، جب تک اتباعِ حق میں ہم مکمل نہ ہوجائیں ہمیں موت نہ آئے۔

اور حدیثِ پاک کا دوسرا جز ہے وَ اَرِنَا الۡبَاطِلَ بَاطِلاً اور باطل کو ہمیں باطل دِکھا وَارۡزُقۡنَا اجۡتِنَابَهٗ اور اس سے اجتناب کی توفیق بصورتِ رزق دے، اجتناب عن الباطل کا رزقِ روحانی ہمیں خود تلاش کرلے کہ جس باطل کے نرغہ میں جہاں کہیں ہم پھنسے ہوں اس سے بچنے کی توفیق ہمارے رزق کی طرح وہاں پہنچ جائے اور ہمیں اس باطل سے اجتناب کی توفیق نصیب ہوجائے اور جب تک باطل اور معصیت اور گناہوں کے اعمال سے ہم کو طہارتِ کاملہ، حفاظتِ کاملہ نصیب نہ ہو اے خدا ہمیں موت نہ آئے حَتّٰی تَسۡتَکۡمِلَ رِزۡقَهَا یہاں تک میرا نفس آپ کے اس رزقِ روحانی کو مکمل حاصل نہ کرلے۔

اور حدیثِ پاک میں لَنۡ تَمُوۡتَ کا لفظ آیا ہے کہ ہرگز کوئی نہیں مرسکتا جب تک کہ وہ اپنا رزق مکمل نہ کرلے تو اتباعِ حق اور اجتنابِ باطل کی توفیق کو رزق سے تعبیر فرمانا یہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اُمت پر رحم ہے کہ بغیر مکمل حق پرستی اور بغیر مکمل اجتناب عن المعاصی کے میری اُمت کو موت ہی نہ آئے۔ حق پرستی کے رزق کا نام اتباعِ حق ہے اور باطل سے پرہیزگاری و بےزاری کے رزق کا نام اجتناب عن المعاصی ہے۔ جب اس دعا کی برکت سے حق کی اتباع اور باطل سے اجتنابِ رزق افرادِ اُمت کے لیے مقدر نہیں ہوجائے گا انہیں موت نہ آئے گی، جب تک یہ روحانی رزق مکمل ان کو نہ پہنچ جائے اور اس طرح وہ پاک وصاف ہوکر اور اللہ کے پیار کے قابل ہوکر اللہ کے حضور میں حاضر ہوں گے۔

(احقر راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ جنوبی افریقہ کے ایک شیخ الحدیث جو حضرت والا کی خدمت میں قیام کے لیے آئے ہوئے تھے انہوں نے فرمایا کہ یہ تشریح بالکل الہامی ہے، ذہن کی رسائی ان معانی تک نہیں ہوسکتی جو حضرت والا نے بیان فرمائے خصوصاً توفیق کی رزق سے تعبیر کی مدلل تقریر عجیب وغریب

ہے جونہ کسی کتاب میں دیکھی نہ کسی سے سنی۔جامع)

حضرت والا نے فرمایا کہ الحمدللہ! اللہ تعالیٰ اپنے کرم سے جوعلوم میری زبان سے بیان کرادیتے ہیں وہ علوم بتاتے ہیں کہ یہ زمینی مخرجات نہیں ہیں آسمانی منزلات ہیں۔

میرے پینے کو دوستو سن لو
آسمان سے مے اُترتی ہے

تقلیبِ ابصار کے اس عذاب سے پناہ مانگی ہے جس میں آگ پانی اور پانی آگ نظر آنے لگتا ہے یعنی حق باطل اور باطل حق نظر آتا ہے جس کا سبب غلبۂ جاہ یا غلبۂ باہ سے اعراض عن الحق ہے مثلاً کسی پر حق واضح ہوگیا لیکن اپنی جاہ وکبر وخود بینی کے سبب کہتا ہے کہ میں کسی مولوی کی بات نہیں مانتا۔ (فغانِ رومی، صفحہ:۳۷۸-۳۹۳)

حدیث نمبر ۳۴

﴿لا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ كَانَ فِيْ قَلْبِهٖ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِّنْ كِبْرٍ قَالَ رَجُلٌ اِنَّ الرَّجُلَ يُحِبُّ اَنْ يَّكُوْنَ ثَوْبُهٗ حَسَنًا وَنَعْلُهٗ حَسَنَةً قَالَ اِنَّ اللهَ جَمِيْلٌ يُحِبُّ الْجَمَالَ اَلْكِبْرُ بَطَرَ الْحَقِّ وَ غَمْطُ النَّاسِ﴾

(صحيح مسلم، كتابُ الايمان، باب تحريم الكبر وبيانه، ج: ۱، ص: ۶۵)

ترجمہ: وہ شخص جنت میں داخل نہیں ہوگا جس کے دل میں ایک ذرہ برابر بڑائی ہوگی۔

دین پر استقامت اور اعمال کی بقاء کے لیے اہل اللہ کی صحبت اتنی ضروری ہے کہ حضرت مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ بانی تبلیغی جماعت فرماتے ہیں کہ میں جب دین کی محنت کے لیے جاتا ہوں تو مخلوق میں اختلاط اور زیادہ میل جول سے نفس میں کچھ کثافت اور گندگی سی آجاتی ہے اس کو دور کرنے کے لیے میں اہل اللہ کی خانقاہوں میں جاتا ہوں تو دل مُجلّٰی ہوجاتا ہے جیسے موٹر کار طویل سفر پر جاتی ہے تو پرزوں میں کچھ میل کچیل لگ جاتا ہے لہٰذا اس کی ٹیوننگ کی بھی ضرورت ہوتی ہے اور صفائی کے لیے کار کو کارخانے میں جس کو ورکشاپ کہتے ہیں بھیجا جاتا ہے۔ اسی طرح دل کی ٹیوننگ کی بھی ضرورت ہوتی ہے جس کی ورکشاپ، خانقاہیں ہیں کیونکہ نفس چور ہے اس میں خفیہ طریقہ سے کچھ بڑائی، کچھ دِکھاوا آجاتا ہے۔ جن کا مشایخ اور علماء سے تعلق نہیں ہوتا ان کی گفتگو سے پتہ چل جاتا ہے اور ان کی زبان سے بڑائی کی باتیں نکلنا شروع ہوجاتی ہیں اور انہیں خبر بھی نہیں ہوتی کہ میرے دل میں کیا مرض پیدا ہوگیا۔ اس لیے چاہے کوئی مُدَرِّس ہو، معلم ہو، مبلغ ہو، مصنف ہو تزکیہ نفس بغیر اہل اللہ کی صحبت اور تعلق کے نہیں ہوتا۔ ایک صاحب نے خود بتایا کہ میں اللہ کے فضل سے دین کے لیے کچھ وقت لگا کر جب کراچی واپس آیا تو مجھے تمام لوگ

نہایت حقیر معلوم ہوئے کہ یہ سب غافل ہیں، انہیں دین کی فکر نہیں، علماء پنکھوں میں بیٹھ کر بخاری شریف پڑھا رہے ہیں، اور ہم لوگ دریائے سندھ کے کنارے جنگلوں میں جا کر دین پھیلا رہے ہیں، لیکن وہ ایک اللہ والے سے بیعت تھے انہوں نے اپنے شیخ کو اپنا یہ حال بتایا کہ مجھے تو بڑے بڑے علماء تک شیطان نظر آرہے ہیں۔ ان بزرگ نے کہا کہ سب سے بڑے شیطان تو تم ہو کیونکہ تمہارے دل میں تکبر پیدا ہو گیا۔ تم نے اپنے نفس کو مٹانا نہیں سیکھا۔ اسلام تو یہ کہتا ہے کہ تمام مسلمانوں کو اپنے سے بہتر سمجھو اور اپنے کو سب سے کمتر سمجھو بلکہ جب تک خاتمہ ایمان پر نہیں ہو جاتا خود کو کافروں سے اور جانوروں سے بھی کمتر سمجھو اور تمہارا حال اتنا خراب ہو گیا کہ عام مسلمان تو کجا تم علماء کو جو وارثینِ انبیاء ہیں، حقیر سمجھ رہے ہو۔ ان بزرگ نے فرمایا کہ حدیث شریف میں ہے لاَ یَدْخُلُ الْجَنَّۃَ مَنْ کَانَ فِیْ قَلْبِہٖ مِثْقَالُ ذَرَّۃٍ مِّنْ کِبْرٍ وہ شخص جنت میں داخل نہیں ہو گا جس کے دل میں ایک ذرہ برابر بڑائی ہو گی اور ایک روایت میں ہے کہ وَلاَ یَجِدُ رِیْحَھَا داخلہ تو درکنار جنت کی خوشبو بھی نہیں پائے گا۔

اس سے پتہ چلا کہ اہل اللہ سے تعلق کتنا ضروری ہے۔ اگر اس شخص کا کوئی شیخ نہ ہوتا تو یہ تو ہلاک ہو گیا تھا کیونکہ شیطان نے دل میں تکبر ڈال دیا تھا لیکن شیخ کی ڈانٹ سے سارا تکبر نکل گیا۔ یہ تکبر اتنا بڑا ایٹم بم ہے کہ حج اور عمرے، تہجد و تلاوت، ذکر و نوافل سب کو اُڑا دیتا ہے۔ اسی طرح چاہے کتنا ہی بڑا عالم ہو، محدث ہو، شیخ الحدیث ہو، بخاری شریف پڑھا رہا ہو اگر اللہ والوں سے اصلاحی تعلق نہ ہو گا تو آپ اس کے علم و عمل میں فاصلے دیکھیں گے۔ چاہے علم کا سمندر ہو اگر اصلاح نہ کرائی ہو گی تو آپ دیکھیں گے کہ ہوائی جہاز میں ائیر ہوسٹس سے مسکرا مسکرا کر اور اس کی طرف دیکھ کر باتیں کر رہا ہو گا اور زِنَا الْعَیْنِ النَّظَرُ کا اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی لعنت لَعَنَ اللّٰہُ النَّاظِرَ وَالْمَنْظُوْرَ اِلَیْہِ کا علم اس کی طاق نسیان میں ہو گا۔

جتنا نیکیاں کمانا ضروری ہے ان کی حفاظت کا اہتمام بھی اتنا ہی ضروری ہے جو نفس کی اصلاح کے بغیر نہیں ہوتا اور نفس کی اصلاح موقوف ہے صحبت اہل اللہ پر۔ (درسِ مثنوی مولانا روم، صفحہ: ۲۸۵۔۲۸۷)

حدیثِ قدسی میں حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ تکبر کرنے والے کا ٹھکانہ بہت بُرا ہے کبریائی خاص میری چادر ہے پس جو شخص بھی اس میں شریک ہونا چاہے گا اسے قتل کر دوں گا۔ رسولِ مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ جس کے قلب میں رائی کے دانے کے برابر بھی تکبر ہو گا وہ جنت میں نہ جائے گا۔

تکبر کس کو کہتے ہیں؟ حدیثِ پاک میں تکبر غَمْطُ النَّاسِ وَ بَطَرُ الْحَقِّ کا نام ہے یعنی لوگوں کو حقیر سمجھنا اور حق بات کو قبول کرنے سے اعراض اور انکار کرنا۔ تکبر کرنے والا تواضع سے محروم رہتا ہے اور حسد و

غصہ سے نجات نہیں پاتا، ریاکاری کا ترک اور نرمی کا برتاؤ اس کو دشوار ہوتا ہے اپنی عظمت اور بڑائی کے نشہ میں مست رہتا ہے۔

حدیثِ پاک میں ہے کہ جب بندہ رضائے حق کے لیے تواضع اختیار کرتا ہے (جیسا کہ مَنْ تَوَاضَعَ لِلّٰہِ کے اندر حرف لام سے ظاہر ہے) تو یہ شخص اپنے دل میں خود کو کمتر اور حقیر سمجھتا ہے اور مخلوق کی نظر میں اس کو اللہ تعالیٰ بلندی اور عزت عطا فرماتے ہیں اسی طرح جو اپنے کو بڑا سمجھتا ہے تو وہ اپنی نظر میں تو بڑا ہوتا ہے لیکن لوگوں کی نظر میں ذلیل کر دیا جاتا ہے حتیٰ کہ سور اور کتے سے بھی زیادہ ذلیل ہوتا ہے۔

علاج: اپنے گناہوں کو سوچا کرے اور اللہ تعالیٰ کی پکڑ اور محاسبہ کا دھیان رکھے، جب اپنی فکر میں پڑے گا دوسروں کی تحقیر، تنقید اور تبصرہ سے بچے گا جیسے کوڑھی کسی زُکام کے مریض کو حقیر نہیں سمجھتا اسی طرح اپنی روحانی اور قلبی بیماری کو شدید سمجھے اور اپنے خاتمہ کے خوف سے لرزاں اور ترساں رہے۔ میرے مرشد اس بیماری کی اصلاح کے لیے ایک حکایت بیان فرمایا کرتے تھے کہ ایک لڑکی کو شادی کے موقع پر خوب اچھے لباس اور زیور سے سجایا گیا۔ محلّہ کی سہیلیوں نے تعریف شروع کی کہ بہن تم تو بڑی اچھی معلوم ہوتی ہو۔ اس نے روکر کہا کہ ابھی تم لوگ بیکار تعریف کرتی ہو۔ جب میرا شوہر مجھے دیکھ کر پسند کرلے اور اپنی خوشی کا اظہار کر دے تب وہ خوشی اصلی خوشی ہوگی، معلوم نہیں اس کی نگاہ میں میری صورت کیسی معلوم ہوگی، تمہاری نگاہوں کے فیصلے ہمارے لیے بیکار ہیں۔

پھر حضرت مرشد فرماتے تھے کہ اس طرح بندہ کو مخلوق کی تعریف سے یا اپنی رائے سے خود کو اچھا اور بڑا نہ سمجھنا چاہیے۔ کیونکہ میدانِ محشر میں حق تعالیٰ کی نظر سے ہمارے کیا فیصلے ہوں گے اس کی خبر ہم کو ابھی کچھ نہیں پھر کس منہ سے اپنے کو موت سے قبل اور حُسنِ خاتمہ سے قبل اچھا سمجھنے کا حق ہوگا۔ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی فرماتے ہیں ؎

ایماں چوں سلامت بہ لبِ گور بریم
احسنت بریں چستی و چالاکی ما

جب اسلام کو ہم قبر میں سلامتی سے لے جائیں گے پھر اپنی چستی اور ہوشیاری پر خوشی منائیں گے، یہی وجہ ہے کہ تمام اولیائے کرام مرنے سے قبل کبھی ناز کی بات نہیں کرتے اور حُسنِ خاتمہ کی دعا کرتے رہتے ہیں اور دوسروں سے بھی درخواستِ دعا کرتے رہتے ہیں۔ یہ بیوقوف لوگوں کا کام ہے جو اپنے بارے میں مالک کے فیصلہ کا انتظار کیے بغیر اپنے ہی فیصلہ سے یا مخلوق کی تعریف سے اپنے لیے بڑائی اور اچھائی کا فیصلہ کر بیٹھے ہیں۔

عجب اور کبر کا فرق

اپنے کو اچھا سمجھنا اور کسی کو حقیر نہ سمجھنا عجب کہلاتا ہے اور اپنے کو اچھا سمجھنے کے ساتھ دوسروں کو کمتر بھی سمجھنا تکبر کہلاتا ہے اور دونوں حرام ہیں۔ جب بندہ اپنی نظر میں حقیر ہوتا ہے تو حق تعالیٰ کی نظر میں عزت والا ہوتا ہے اور جب اپنی نظر میں اچھا اور بڑا ہوتا ہے تو حق تعالیٰ کی نظر میں حقیر اور ذلیل ہوتا ہے معاصی سے نفرت واجب ہے لیکن عاصی سے نفرت حرام ہے۔ اسی طرح کسی کافر کو بھی نگاہِ حقارت سے نہ دیکھے کیونکہ ممکن ہے کہ اس کا خاتمہ ایمان پر مقدر ہو چکا ہو۔ البتہ اس کے کفر سے نفرت واجب ہے ۔

ہیچ کافر را نجواری منگرید
کہ مسلماں بودنش باشد اُمید

حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میں اپنے کو تمام مسلمانوں سے فی الحال اور کافروں اور جانوروں سے فی المال کمتر سمجھتا ہوں یعنی موجودہ حالت میں ہر مسلمان مجھ سے اچھا ہے اور خاتمہ کے اعتبار سے کہ نہ معلوم کیا ہو اپنے کو کفار سے بھی کمتر سمجھتا ہوں۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ مومن کامل نہ ہوگا جب تک کہ اپنے کو بہائم اور کفار سے بھی کمتر نہ جانے گا۔

جب حق تعالیٰ کی شان یہ ہے کہ چاہیں تو بڑے سے بڑے گناہ کو بدونِ سزا معاف فرما دیں اور چاہیں تو چھوٹے گناہ پر گرفت کر کے عذاب میں پکڑیں تو پھر کس منہ سے آدمی اپنے کو بڑا سمجھے اور کیسے کسی مسلمان کو خواہ وہ کتنا ہی گنہگار ہو حقیر سمجھے۔ حضرت سعدی شیرازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ۔

ازیں بر ملائک شرف داشتند
کہ خود را بہ از سگ نہ پنداشتند

اللہ والے اس سبب سے فرشتوں پر شرف وعزت میں بازی لیجاتے ہیں کہ خود کو کتے سے بھی بہتر نہیں سمجھتے۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ولایت وقرب کو حق تعالیٰ نے بندوں میں مخفی رکھا ہے لہٰذا کسی بندہ کو خواہ کیسا ہی گنہگار ہو حقیر نہ جانو کے کیا خبر شاید یہی بندہ علمِ الٰہی میں ولی ہو اور اس کی ولایت کسی وقت بھی توبۂ صادقہ اور اتباعِ سنت کی صورت میں ظاہر ہو جائے۔ جیسا کہ تاریخ شاہد ہے کہ بعض بندے زندگی بھر رند بادہ نوش، مست وخراب بادہ اور فسق وفجور میں مبتلا رہتے ہیں اور اچانک اُن میں تبدیلی آجاتی ہے اور توبہ کر کے پاک وصاف ہو جاتے ہیں جیسے کوئی شاہزادہ حسین جس کے منہ پر کالک لگی ہو اچانک صابن سے نہا دھو کر چاند کی طرح روشن چہرہ والا ہو جائے ۔

جوش میں آئے جو دریا رحم کا
گبر صد سالہ ہو فخرِ اولیاء

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ انسان اپنے وجود میں دو مرتبہ کس قدر گندے راستے سے گذرتا ہے ایک مرتبہ باپ کے پیشاب کی نالی سے نطفہ کی شکل میں ماں کے شکم میں گیا اور دوسری مرتبہ ماں کے رحم سے ناپاک راہ سے وجود میں آیا پھر تکبر کیسے زیبا ہوگا۔ بڑے بڑے متکبر بادشاہوں کا موت، قبر میں کیا حال کرتی ہے اور کس طرح لاکھوں کیڑوں کی غذا بناتی ہے۔

جس طرح امتحان کا نتیجہ سننے سے قبل اپنے کو بڑا اور کامیاب سمجھنے والا طالبِ علم بے وقوف ہے اسی طرح میدانِ محشر میں اپنا فیصلہ سننے سے قبل دنیا میں اپنے کو کسی سے افضل سمجھنا اور بڑا سمجھنا حماقت ہے۔ حضرت علامہ سید سلیمان صاحب کا خوب شعر ہے ؎

ہم ایسے رہے یاں کہ ویسے رہے
وہاں دیکھنا ہے کہ کیسے رہے

یہی حال ہمارا ہے کہ ہر وقت اپنے نفس کی شرارت اور خباثت اور گناہوں کے تقاضوں کو جانتے ہوئے جہاں کسی نے ذرا تعریف کردی کہ حضرت آپ ایسے ہیں بس حضرتی کا نشہ چڑھ گیا اور اپنے نفس کو بھول گئے۔ اللہ والے ایسے وقت اور شرمندہ ہوجاتے ہیں اور حق تعالیٰ کی بارگاہ میں اس کی ستاری کا شکر ادا کرتے ہیں۔ حضرت حاجی صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے کہ جو لوگ مجھ سے محبت اور عقیدت رکھتے ہیں یہ سب حق تعالیٰ کی ستاری ہے ورنہ اگر وہ ہمارے اترے پترے کھول دیں تو سب معتقدین راہِ فرار اختیار کریں۔ پس مخلوق کا حسنِ ظن بھی حق تعالیٰ کا انعام ہے۔ اور اپنے کو کمتر اور حقیر سمجھنا درجۂ یقین میں ایک بیّن حقیقت کو تسلیم کرتا ہے اور عبدیتِ کاملہ کے لوازم سے ہے۔ (روح کی بیماریاں اوران کا علاج، حصہ اوّل، صفحہ: ۱۳۸۔۱۴۲)

یہ تکبر کا مرض اتنا خطرناک مرض ہے کہ ایک شخص تہجد پڑھتا ہے، اشراق پڑھتا ہے، تبلیغ میں چلے لگاتا ہے، بخاری شریف پڑھاتا ہے مگر جب مرا تو دل میں تکبر لے کر گیا، قیامت کے دن اس کا کیا حال ہوگا وہ حدیث سن لیجئے، مسلم شریف کی روایت ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جنت میں وہ شخص داخل نہیں ہوگا جس کے دل میں رائی کے برابر بھی تکبر ہوگا۔ یعنی جس کے دل میں ذرّہ کے برابر بھی بڑائی ہوگی ایسا شخص جنت میں نہ جائے گا۔

یہ وہ زبردست ایٹم بم ہے کہ سو برس کا تہجد، سو برس کی زکوٰۃ، سو برس کے حج اور عمرے، سو برس کی نفلیں اور تلاوت، سو برس کی عبادت، ساری زندگی کے اعمال کو ہیروشیما کر دیتا ہے جیسے ایٹم بم کا وہ ذرّہ

جس نے جاپان کے ہیروشیما کو تباہ کیا تھا یہ تکبر کا ذرّہ تمام عبادات کو ضایع کر دیتا ہے یہ ایسا ایٹم بم ہے کہ سارے اعمال ضایع کر دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں داخل نہیں فرمائیں گے اور ایک روایت میں ہے کہ یہ شخص جنت کی خوشبو نہ پائے گا جب کہ اس کی خوشبو میلوں دور تک جائے گی۔ اتنا خطرناک مرض ہے۔

حضرت تھانوی فرماتے ہیں کہ جیسے ہی تھانہ بھون کی خانقاہ میں کوئی داخل ہوتا ہے تو پہلی نظر جب اس پر پڑتی ہے اس کی سب بیماری سمجھ میں آ جاتی ہے، یہ علم غیب نہیں تجربہ ہے، عالم الغیب تو صرف خدائے تعالیٰ کی ذات ہے۔ حضرت فرماتے ہیں کہ اس کی چال سے اور چہرے سے پتہ چل جاتا ہے کہ اس میں فلاں بیماری ہے، ارے بھائی اس میں تعجب کی کیا بات ہے حکیم لوگ بھی بتا دیتے ہیں آنکھ پیلی ہے تو کہہ دیتے ہیں کہ اس کو یرقان ہے، چہرہ زیادہ لال ہے تو سمجھ جاتے ہیں کہ اس کو فالج گرنے والا ہے بہت زیادہ خون بڑھ گیا ہے، ہائی بلڈ پریشر والا مریض بھی چہرہ سے پہچان لیا جاتا ہے۔

سیدنا حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مجلس میں بدنگاہی کر کے ایک شخص آیا تھا دیکھتے ہی فرمایا **مَا بَالُ اَقْوَامٍ یَتَرَشَّحُ مِنْ اَعْیُنِہِمُ الزِّنَا** کیا حال ہے ایسی قوم کا جن کی آنکھوں سے زِنا ٹپکتا ہے تو سیدنا حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کیسے سمجھ لیا۔ ہر گناہ کا اثر اس کی آنکھوں پر، چہرہ پر، اس کی چال پر پڑتا ہے اور تکبر والے کی تو چال ہی عجیب ہوتی ہے، اس کی چال ہی سے آپ سمجھ لیں گے کہ یہ شخص متکبر ہے۔ اور اللہ والوں کی کیا شان ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَ عِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِیْنَ یَمْشُوْنَ عَلَی الْاَرْضِ ھَوْنًا﴾

(سورۃ الفرقان، اٰیۃ: ٦٣)

میرے خاص بندے زمین پر عاجزی کے ساتھ چلتے ہیں، اپنے کو ذلیل کر کے، مٹا کر، ان کی چال بتاتی ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی عظمت کے سامنے دبے جا رہے ہیں اور متکبر کی چال بتاتی ہے کہ اس کے دل میں بڑائی ہے، اکڑ کے چلتا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اے متکبرو! تم اتنی زور سے زمین پر پاؤں رکھتے ہو لیکن تم زمین کو پھاڑ نہیں سکتے ہو اور نہ پہاڑ سے زیادہ لمبے ہو سکتے ہو جو گردن تان کر چل رہے ہو:

﴿وَلَا تَمْشِ فِی الْاَرْضِ مَرَحًا اِنَّکَ لَنْ تَخْرِقَ الْاَرْضَ وَ لَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُوْلًا﴾

(سورۃُ الاسرآء، اٰیۃ: ٣٧)

زمین پر اِتراتا ہوا مت چل کیونکہ تو زمین کو پھاڑ نہیں سکتا اور بے وقوف ہے جو اتنی گردن تان رہا ہے تو پہاڑوں کی لمبائی کو نہیں پہنچ سکتا۔ (علاجِ کبر، صفحہ: ٢٥-٢٧)

یہ ارشادِ مبارک جب صحابہ نے سنا کہ وہ شخص جنت میں داخل نہیں ہوگا جس کے دل میں ذرّہ کے

برابر تکبر ہوگا تو ایک شخص نے عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اگر کوئی شخص پسند کرے کہ اس کا کپڑا اچھا ہو اور اس کا جوتا بھی اچھا ہو، مثلاً ایک شخص خوب اچھا دھلا ہوا عمدہ لباس پہنتا ہے اور مان لو کہ جوتا بھی سلیم شاہی پہنتا ہے، ایک صحابی سوال کررہے ہیں، مطلب یہ تھا کہ کہیں یہ تکبر تو نہیں ہے؟ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں اِنَّ اللّٰہَ جَمِیْلٌ وَّ یُحِبُّ الْجَمَالَ اللہ تعالیٰ جمیل ہے جمال کو پسند کرتے ہیں، میلا کچیلا رہنا کوئی اچھی بات نہیں، انسان صاف ستھرا رہے، جتنا ہو سکے اچھے لباس میں رہے، یہ تکبر نہیں ہے، کبر کی حقیقت اور اس کا مادّہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بیان فرما دیا کہ تکبر کا بم دو جُزء سے بنتا ہے۔

۱۔ بَطَرُ الْحَقِّ، حق بات کو قبول نہ کرنا، سارے علماء کہہ رہے ہیں کہ یہ مسئلہ ایسا ہے لیکن یہ کہتا ہے کہ ہم نہیں جانتے، ہم مفتیوں کو مانتے ہی نہیں، میں نے ایسے متکبر بھی دیکھے ہیں جو کہتے تھے کہ اگر ساری دنیا کے مفتی مل جائیں تو بھی ہم نہیں مانیں گے، ارے بھائی ساری دنیا کے علماء گمراہی پر کیسے جمع ہو سکتے ہیں مگر متکبر کی سمجھ میں یہ بات کہاں آتی ہے۔ بس حق معلوم ہو جانے پر اس کو قبول نہ کرے یہی کبر ہے۔

ہماری مسجد کے ایک امام صاحب تھے، دوران جماعت ان کا وضو ٹوٹ گیا۔ فوراً جماعت چھوڑ کر مسجد سے نکل گئے اور جا کر وضو کیا، اگر متکبر ہوگا تو مارے شرم کے بے وضو ہی نماز پڑھا دے گا۔ کیونکہ سوچے گا کہ اب نکلوں گا تو لوگ کہیں گے کہ جناب کی ہوا نکل گئی لیکن اگر تکبر نہیں ہے تو سوچے گا کہ مسلمانوں کی نماز کو کیسے ضایع کر دوں اور عذاب کا بار اپنی گردن پر کیسے لے لوں؟

۲۔ اور تکبر کا دوسرا جُز ہے غَمْطُ النَّاسِ لوگوں کو حقیر سمجھنا۔ کسی کو دیکھا تو اس کے سامنے آ ہا ہا! آیئے تشریف لایئے، چائے پیجئے، ایک پیالی چائے پلائی اور جب بے چارہ چلا گیا تو کہتے ہیں کہ بدھو ہے، بے وقوف ہے، عقل نہیں ہے۔ آج کل لوگوں میں یہ عام مرض ہے۔ مخلص بندہ وہ ہے جس کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ بھی اخلاص ہو اور اللہ کی مخلوق کا بھی مخلص ہو۔ آپ خود سوچئے کہ جو شخص آپ کے بچوں کا مخلص نہیں ہوتا کیا آپ اسے دوست بنانے کے لیے تیار ہوں گے؟ ایک شخص باپ کی تو ہر وقت خدمت کررہا ہے، اس کو شامی کباب اور بریانی کھلا رہا ہے، پیر بھی دبا رہا ہے لیکن اس کے بچوں کے ساتھ مخلص نہیں، ہر ایک کے ساتھ برائی سے پیش آرہا ہے، ہر ایک کی غیبت کررہا ہے۔ باپ ہرگز ایسے کو دوست نہیں بنائے گا۔ اللہ تعالیٰ کا بھی معاملہ یہی ہے۔ ایک شخص خوب عبادت کرتا ہے، تہجد بھی، اشراق بھی، چاشت بھی لیکن اللہ کے بندوں کو حقیر سمجھتا ہے ان کی غیبت کرتا ہے، ان کو ستاتا ہے، یا کسی کو بُری نگاہ سے دیکھتا ہے اور دل میں بُرے بُرے خیال پکاتا ہے، یہ اللہ کے بندوں کے ساتھ مخلص نہیں تو ایسے کو اللہ تعالیٰ ہرگز اپنا ولی نہیں بناتے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

﴿اَلْخَلْقُ عَيَالُ اللهِ فَاَحَبُّ الْخَلْقِ اِلَى اللهِ مَنْ اَحْسَنَ اِلٰى عَيَالِهٖ﴾
(مشکوٰۃ المصابیح، کتابُ الاداب، بابُ الشفقۃ والرحمۃ علی الخلق، ص:۴۲۵)

پوری مخلوق اللہ کی عیال ہے، اللہ کا سب سے پیارا بندہ وہ ہے جو اللہ کے بندوں کے ساتھ احسان اور بھلائی کرے، ان کا مخلص رہے، خیر خواہ رہے، دعا گو رہے۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اپنا حال بیان فرماتے ہیں۔ کبھی کبھی اولیاء اللہ اپنا حال ظاہر کر دیتے ہیں مخلوق کی ہدایت کے لیے، فرماتے ہیں کہ میرا حال یہ ہے کہ میں مومنوں کے لیے دعا کرتا ہوں کہ اللہ ان کو تقویٰ دے دے، عافیت سے رہیں اور کافروں کے لیے بھی دعا کرتا ہوں کہ اللہ ان کو ایمان دے دے، اور چیونٹیوں کے لیے بھی دعا کرتا ہوں کہ اے خدا چیونٹیاں بھی بلوں میں آرام سے رہیں اور سمندر کی مچھلیوں کے لیے بھی دعا مانگتا ہوں اور ساری کائنات کے لیے رحمت کی درخواست کرتا ہوں۔ ان کو کہتے ہیں اولیاء اللہ جو اللہ تعالیٰ کی ساری کائنات پر رحم دل ہوں اور خدا کی مخلوق کی بھلائی چاہتے ہوں، ولایت اِس کا نام ہے، یہی لوگ ہیں کہ اللہ کے یہاں ان کا کیا درجہ ہوگا۔ دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی ذرہ درد عطا فرمائے اور عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ **اَللّٰھُمَّ وَفِّقْنَا لِمَا تُحِبُّ وَ تَرْضٰی**۔ تو اس بات کو خوب سمجھ لیجئے کہ تکبر دو جزء سے بنتا ہے:

۱۔ **بَطَرُ الْحَقِّ** حق بات کو قبول نہ کرنا اور

۲۔ **غَمْطُ النَّاسِ** دنیا کے کسی بھی انسان کو حقیر سمجھنا۔ **الناس** فرمایا **المسلم** نہیں فرمایا۔ اسی سے نکلتا ہے کہ کسی کافر کو بھی حقیر مت سمجھو، اس کے کفر سے تو نفرت کرو اس کی ذات سے نہیں۔ معاصی سے تو نفرت کرو لیکن دوستو! عاصی سے نفرت نہ کرو، معاصی سے نفرت واجب، عاصی سے نفرت حرام، نکیر واجب تحقیر حرام، یعنی کسی بُری بات پر سمجھانا تو واجب ہے لیکن اس کو حقیر سمجھنا حرام ہے اس لیے حضرت حکیم الامت تھانوی فرماتے ہیں کہ جب تک کسی کے نفس میں اتنی صلاحیت نہ پیدا ہو جائے کہ نصیحت کرنے والا جس کو نصیحت کر رہا ہے اس کو اپنے سے بہتر سمجھتے ہوئے نصیحت کرے اس وقت تک اس کو نصیحت کرنا جائز نہیں۔ اگر وہ اپنے کو بڑا سمجھ کر اور دوسرے کو حقیر سمجھ کر نصیحت کر رہا ہے تو ایسی تبلیغ اس پر حرام ہے۔ جس کو نصیحت کیجیے تو پہلے یہ مراقبہ کیجئے کہ یا اللہ یہ بندہ مجھ سے بہتر ہے لیکن آپ کا حکم سمجھ کر اس کی بھلائی اور خیر خواہی کے لیے نصیحت کر رہا ہوں۔ (علاجِ کبر، صفحہ:۳۰۔۳۳)

جب قیامت کے دن اللہ کی نظر میں ہماری نماز، ہمارے سجدے، ہمارا وعظ، ہماری پیری مریدی، ہمارے حج، ہمارے عمرے، ہماری نیکیاں پسند آجائیں اور اللہ تعالیٰ فرمادیں کہ ہم نے قبول کیا تب خوش ہونا۔ ابھی کیا پتہ ہے کہ ان کی نظر میں ہم کیسے ہیں، کیا کوئی خبر آئی ہے؟ عشرہ مبشرہ اور صحابہ جن کو اللہ تعالیٰ نے فرما دیا رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ کہ میں ان سے راضی ہوں وہ مستثنیٰ ہیں مگر ہم لوگوں پر تو کوئی آیت نازل

نہیں ہوئی لہٰذا ڈرتے رہیے، اپنی قیمت خود نہ لگائیے۔ وہ غلام نہایت بیوقوف ہے جو اپنی قیمت خود لگالے، بھائی غلام کی قیمت مالک لگاتا ہے یا وہ خود لگاتا ہے؟ غلام کی قیمت تو مالک لگاتا ہے۔ بس جب قیامت کے دن مالک تعالیٰ شانہٗ ہماری قیمت لگادیں اور فرمادیں کہ میں تم سے راضی ہوں پھر جتنا چاہو اُچھلو کودو۔ بڑے پیر صاحب شاہ عبدالقادر جیلانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ جب ایمان کو سلامتی سے قبر میں لے جاؤں گا اور اللہ تعالیٰ فرمادے گا کہ میں تم سے خوش ہوں تب میں وہاں خوب خوشی مناؤں گا۔ ابھی تو روتے ہی رہو، اللہ سے ڈرتے رہو اور عمل بھی کرتے رہو۔ لیکن اتنا خوف بھی نہ ہو کہ نا اُمید ہو کر عمل ہی چھوٹ جائے۔ خوف بس اتنا ہی مطلوب ہے کہ آدمی گناہوں سے بچ جائے، خوف اور امید کے درمیان میں ایمان ہے۔ میرے شیخ فرمایا کرتے تھے کہ کرتے رہو اور ڈرتے رہو۔ دیکھئے جب یہ آیت نازل ہوئی:

﴿وَالَّذِیۡنَ یُؤۡتُوۡنَ مَاۤ اٰتَوۡا وَّ قُلُوۡبُہُمۡ وَجِلَۃٌ﴾

(سورۃ المؤمنون، اٰیۃ: ۶۰)

وہ لوگ دیتے ہیں جو کچھ دیتے ہیں۔ یہاں اسمِ موصول ما بلاغت کے لیے ہے، اسمِ موصول میں اِبہام ہوتا ہے جس سے بلاغت مقصود ہوتی ہے یعنی صحابہ اللہ کے راستہ میں خوب خرچ کرتے ہیں لیکن اس سے ان کے دل میں اکڑ نہیں آتی بلکہ ڈرتے رہتے ہیں۔ تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے پوچھا کہ یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس آیت کی کیا تفسیر ہے یعنی خوب خرچ کرتے ہیں، زکوٰۃ ادا کرتے ہیں، اللہ کے راستہ میں، جہاد میں مال دیتے ہیں پھر کیوں ڈرتے ہیں اَھُوَ الرَّجُلُ یَسۡرِقُ وَ یَزۡنِی وَیَشۡرَبُ الۡخَمۡرَ کیا یہ چوری کرتے ہیں، زِنا کرتے ہیں اور شراب پیتے ہیں؟ آپ نے ارشاد فرمایا نہیں، ایسا نہیں ہے، وَلٰکِنَّہُ الرَّجُلُ یَصُوۡمُ وَ یَتَصَدَّقُ وَ یُصَلِّی یہ روزہ رکھتے ہیں، صدقہ کرتے ہیں، نماز پڑھتے ہیں لیکن اس کے باوجود اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں کہ اَنۡ لَّا یُتَقَبَّلُ مِنۡہُ معلوم نہیں قبول بھی ہے یا نہیں۔

(تفسیر کبیر، ج:۲، ص:۱۰۸ اور روح المعانی، پ:۱۸، ص:۴۴)

دیکھئے نص قرآنی سے یہ علاج ہو رہا ہے، اللہ تعالیٰ علاج فرما رہے ہیں، قیامت تک کے لیے یہ سبق مل گیا کہ عمل کرنے کے بعد دل میں ڈر آنا چاہیے کہ معلوم نہیں قبول ہے یا نہیں۔

اور اگر تسبیحات سے، تہجد سے، چلے لگانے سے پیٹ میں اور بھی زیادہ تکبر کے پلے پیدا ہو جائیں تو بتاؤ یہ چلے قبول ہوں گے؟ رائے ونڈ میں اکابر تبلیغ سے بھی یہ بات سنی کہ جس عمل کے بعد اکڑ آجائے تو سمجھ لو قبول نہیں ہوا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام سے بڑھ کر کس کا اخلاص ہو سکتا ہے کہ اللہ کا گھر بنایا۔ لیکن کعبہ بنانے کے بعد اکڑ نہیں آئی کہ ہم نے اللہ کا گھر بنایا ہے، اپنے اخلاص پر ناز نہیں کیا کہ اب تو قبول کرنا ہی پڑے گا۔ بلکہ گڑ گڑا رہے ہیں رَبَّنَا تَقَبَّلۡ مِنَّا اِنَّکَ اَنۡتَ السَّمِیۡعُ

الْعَلِیْمُ کہ اے خدا از راہِ کرم قبول فرما لیجئے۔

علامہ آلوسی السید محمود بغدادی اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں **وَ فِی اخْتِیَارِ صِیْغَةِ التَّفَعُّلِ اعْتِرَافُ بِالْقُصُوْرِ** (روح المعانی، ج:۱،ص:۳۸۴) **تقبل** باب **تفعل** سے ہے اور **تفعل** میں خاصیت تکلف کی ہے پس تقبل کہنا اپنے عجز و قصور کا اعتراف ہے اس کا مطلب یہ ہوا کہ اے خدا ہماری تعمیر اس قابل نہیں ہے کہ آپ قبول فرمائیں لیکن آپ بہ تکلف قبول فرما لیجئے، ہمیں حق نہیں پہنچتا۔ آپ ازراہِ کرم، ازراہِ رحمت قبول فرما لیجئے۔ **اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ** یعنی **سَمِیْعٌ بِدَعْوَاتِنَا وَ عَلِیْمٌ بِنِیَّاتِنَا** آپ ہماری دعا کو سن رہے ہیں اور ہماری نیت سے باخبر ہیں کہ ہم نے آپ ہی کے لیے یہ تعمیر کی ہے۔

دونوں نبیوں کی یہ دعا قیامت تک کے لیے ہمارے واسطے ہدایت ہے۔ دونوں پیغمبروں کا یہ عمل اللہ نے قرآن میں نازل کر کے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اُمت کو آگاہ فرما دیا کہ جب کبھی نیک عمل کی توفیق ہو جائے، چاہے حج کی توفیق ہو، عمرہ کی توفیق ہو، تلاوت کی توفیق ہو، تہجد کی توفیق ہو، روزوں کی توفیق ہو، جس نیک عمل کی بھی توفیق ہو جائے تو اکڑو مت، ناز نہ آئے کہ اوہ! میں نے آج اتنا کر لیا، آج میں نے اتنی تلاوت کر لی، آج میں نے اتنے نوافل پڑھ لیے۔ آج میں اللہ کا مقرب ہو گیا۔ باقی سب لوگ تو غافل اور نافرمان ہیں اور اگر کچھ عبادت گذار ہیں بھی تو ایسے کہاں جیسا میں ہوں۔ بس جہاں یہ میں آئی تو سمجھ لو کہ وہ بکری ہو گیا۔ وہ بھی میں میں کرتی ہے۔ یہ میں ہی تو انسان کو تباہ کر دیتی ہے۔

لہٰذا یہ آیت تکبر و عجب کا علاج ہے کوئی نیک عمل ہو جائے تو اکڑو مت بلکہ **رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا** کہو جو شخص کہہ دے گا **رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ** کبر سے پاک ہو جائے گا۔ جب اللہ سے گڑگڑا رہا ہے تو اب اس میں تکبر کہاں رہا۔ جس میں بڑائی ہوتی ہے وہ کہاں گڑگڑانا جانتا ہے وہ تو اکڑنا جانتا ہے، ادھر اُدھر اپنی ڈینگیں ہانکتا ہے، لوگوں سے کہتا پھرتا ہے کہ آج تو ماشاء اللہ بہت سویرے آنکھ کھل گئی۔ نوافل کے بعد رونے کی بھی توفیق ہوئی، میری آنکھیں نہیں دیکھتے ہو کیسی لال لال سی ہو رہی ہیں۔

حضرت حکیم الامت فرماتے ہیں کہ ایک ڈبل حاجی کے پاس ایک آدمی مہمان ہوا۔ اس حاجی نے دو حج کیے تھے۔ اس نے اپنے نوکر سے کہا کہ ارے فلانے! میرے مہمان کو اس صراحی سے پانی پلاؤ جو میں نے دوسرے حج میں مدینہ شریف سے خریدی تھی۔ حضرت فرماتے ہیں کہ اس ظالم نے ایک جملہ میں دونوں حج ضایع کر دیئے۔ ہزاروں روپیہ کا خرچہ، آنے جانے کی محنتیں، طواف اور سعی، منیٰ اور عرفات کا ثواب، سب ضایع ہو گئے کیونکہ اپنے عمل کا اظہار کر دیا۔

بس اب دعا کیجیے کہ اللہ تعالیٰ عجب و کبر سے، ریا سے اور جملہ رذائل سے ہمارے قلوب کو پاک فرمادے۔ اور اپنی مرضیات پر عمل کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔ (علاج کبر، صفحہ:۳۹۔۴۲)

حدیث نمبر ۳۵

﴿اَللّٰھُمَّ اِنِّیۡ اَسۡئَلُکَ الۡعَافِیَۃَ وَدَوَامَ الۡعَافِیَۃِ وَالشُّکۡرَ عَلَی الۡعَافِیَۃِ﴾

ترجمہ: اے اللہ! میں آپ سے عافیت مانگتا ہوں اور دوامِ عافیت مانگتا ہوں اور عافیت پر شکر کی توفیق مانگتا ہوں۔

ملتزم پر رحمت ہمارے ساتھ مقیم ہوئی تو مستغفر و تائب ہو گئے اور اپنے ملکوں میں آتے ہی پھر سارے گناہ شروع کر دیئے، رمضان میں تو ولی اللہ ہو گئے اور عید کا چاند دیکھتے ہی شیطان بن گئے اور تقویٰ کا لبادہ اُتار کر پھینک دیا۔ یہ دلیل ہے کہ ہماری شامتِ اعمال کے سبب دوامِ عنایتِ حق ابھی ہمیں حاصل نہیں اسی لیے سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دعا فرماتے ہیں:

﴿اَللّٰھُمَّ اِنِّیۡ اَسۡئَلُکَ الۡعَافِیَۃَ وَدَوَامَ الۡعَافِیَۃِ وَالشُّکۡرَ عَلَی الۡعَافِیَۃِ﴾

اے اللہ! میں آپ سے عافیت مانگتا ہوں اور دوامِ عافیت مانگتا ہوں اور عافیت پر شکر کی توفیق مانگتا ہوں۔ ملا علی قاری نے شرح مشکوٰۃ المسمّٰی بالمرقاۃ میں عافیت کے یہ معنیٰ لکھے ہیں اَلسَّلَامَۃُ فِی الدِّیۡنِ مِنَ الۡفِتۡنَۃِ وَالسَّلَامَۃُ فِی الۡبَدَنِ مِنۡ سَیِّئِ الۡاَسۡقَامِ وَالۡمِحۡنَۃِ یعنی دین سلامت رہے گناہوں سے اور بدن سلامت رہے بُرے بُرے امراض سے اور محنتِ شاقہ سے۔ معلوم ہوا کہ دوامِ عافیت و دوامِ عنایتِ حق مطلوب ہے کہ اس سے ہی ہمارا دین اور ہماری دنیا سلامت رہ سکتی ہے اور شکر سے نعمت میں ترقی ہوتی ہے اور حقیقی شکر تقویٰ ہے۔ (درسِ مثنوی مولانا روم، صفحہ:۳۱۲۔۳۱۳)

حدیث نمبر ۳۶

﴿مَنۡ خَرَجَ فِیۡ طَلَبِ الۡعِلۡمِ کَانَ فِیۡ سَبِیۡلِ اللہِ حَتّٰی یَرۡجِعَ﴾

(سننُ الترمذی، کتابُ العلم، باب فضل طلب العلم، ج:۲، ص:۹۳)

ترجمہ: جو علم دین کی طلب میں گھر سے نکلا تو وہ اُس شخص کی مانند ہے جو جہاد کے لیے نکلا، یہاں تک کہ وہ گھر لوٹ آئے۔

اگر علم کو دل پروری کا ذریعہ بناؤ کہ دل بن جائے، دل اللہ والا ہو جائے، اللہ کی رضا حاصل ہو جائے تو یہ علم تمہارا بہترین دوست ہے۔ اسی لیے حدیثِ پاک میں، ترمذی شریف کی حدیث ہے مَنۡ

خَرَجَ فِیْ طَلَبِ الْعِلْمِ کَانَ فِیْ سَبِیْلِ اللہِ حَتّٰی یَرْجِعَ جواللہ کی رضا کے لیے علم کی طلب میں گھر سے نکلا اُس کے لیے اُس مجاہد کا ثواب ہے جو جہاد کے لیے نکلا ہے یہاں تک کہ وہ گھر لوٹ آئے کیونکہ دین کو زندہ کرنے میں اور شیطان کو ذلیل کرنے میں اور نفس پر مشقت اٹھانے میں وہ مجاہد ہی کی طرح ہے۔اسی طرح علماءِسوء کے لیے جو علم کو دنیاداری، تن پروری اور اپنی عزت و جاہ کے لیے آلہءکار بناتے ہیں احادیث میں سخت وعیدیں وارد ہیں۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

﴿مَنْ طَلَبَ الْعِلْمَ لِیُجَارِیَ بِہِ الْعُلَمَآءَ اَوْ لِیُمَارِیَ بِہِ السُّفَھَآءَ اَوْ یَصْرِفَ بِہٖ وُجُوْہَ النَّاسِ اِلَیْہِ اَدْخَلَہُ اللہُ النَّارَ﴾

(سننُ الترمذی، کتابُ العلم، باب ما جآء فی مَن یطلب بعلمه الدنیا، ج:۲، ص:۹۴)

یعنی جو اس نیت سے علم حاصل کرے کہ علماء سے فخر کرے یا بے وقوفوں اور جاہلوں سے جھگڑے یا لوگوں کو اس کے ذریعہ اپنی طرف متوجہ کرے تا کہ لوگ اس کی تعظیم کریں، مراد یہ ہے کہ علم سے اس کی غرض طلب دنیا، شہرت و مال و جاہ وغیرہ ہو اس کے لیے جہنم کی وعید ہے۔اور ایک دوسری حدیث میں ارشاد ہے:

﴿مَنْ تَعَلَّمَ عِلْمًا مِمَّا یُبْتَغٰی بِہٖ وَجْہُ اللہِ عَزَّ وَجَلَّ لَا یَتَعَلَّمُہُ اِلَّا لِیُصِیْبَ بِہٖ عَرْضًا مِنَ الدُّنْیَا لَمْ یَجِدْ عَرْفَ الْجَنَّۃِ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ یَعْنِیْ رِیْحَھَا﴾

(سنن ابی داؤد، کتابُ العلم، باب فی طلب العلم لغیر اللہ تعالٰی، ج:۲، ص:۱۵۹)

یعنی قرآن وحدیث کا جو علم اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے سیکھا جاتا ہے اس علم کو اگر کوئی اس لیے سیکھتا ہے کہ دنیا کا مال ومتاع حاصل کرے تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ایسا شخص جنت کی خوشبو بھی نہیں پائے گا۔

اس لیے تحصیلِ علومِ دینیہ کے لیے تصحیحِ نیت اور اخلاص انتہائی ضروری ہے۔اگر یہ حاصل نہیں تو علم اس کے لیے وبال ہے اور اخلاص بغیر اللہ والوں کی صحبت کے نہیں ملتا۔ بڑے سے بڑا عالم بھی اگر اللہ والوں سے مستغنی ہوگا تو اس کا علم اس کو نفس کی قید سے آزاد نہیں کرا سکتا۔ اس کے نورِ علم پر نفس کے اندھیرے ہوں گے جس سے اس کا علم نہ خود اس کے لیے مفید ہوگا نہ اُمت کے لیے مفید ہوگا۔

(درسِ مثنوی مولانا روم، صفحہ:۳۲۳۔۳۲۵)

مولانا سید سلیمان ندوی پر پہلے منطق وفلسفہ اور علومِ ظاہرہ کا غلبہ تھا، اب عشقِ الٰہی کا غلبہ ہوگیا، علم درجۂ ثانوی ہوگیا اور مولیٰ درجۂ اولیں ہوگیا یعنی جو علم مدرسوں میں عالمِ منزلِ مولیٰ کرتا ہے پہلے اس کو کافی سمجھتے تھے اور اللہ والوں کی صحبت سے جو دردِ محبت اور آہ وفغاں اور ان علوم پر عمل کی توفیق ملتی ہے جو ہمیں بالغِ منزلِ مولیٰ کرتی ہے اس کی دل میں اہمیت نہ تھی۔اب زاویۂ نگاہ بدل گیا اور یقین آگیا کہ مولیٰ افضل

ہے علمِ مولیٰ سے لیکن علمِ مولیٰ بھی ضروری ہے ورنہ مولیٰ کا راستہ کیسے معلوم ہوگا اس لیے درس وتدریس بھی ضروری ہے، کچھ علماء ایسے ہونے چاہئیں جن کا علم زبردست ہو لیکن ان کے علم پر اللہ کی محبت غالب ہو پھر ایسا عالم نورٌ علیٰ نور ہوتا ہے، جس کے علم پر اللہ کی محبت غالب ہوگئی اس کے علم میں چاشنی بڑھ جاتی ہے اور ایک عالَم اُس سے سیراب ہوتا ہے۔ مدرسہ کے علوم پر اللہ کی محبت کو غالب رکھنا ہے تاکہ عالِم منزل بالغِ منزل ہوجائے اور یہ نعمت خانقاہوں سے، اہلِ دل کے سینوں سے ملتی ہے۔

اس کے بعد سید صاحب نے حضرت حکیم الامت سے بیعت کی درخواست کی لیکن واہ رے حکیم الامت۔ حضرت نے ان کی اصلاح کے لیے فرمایا کہ میں ابھی آپ کو بیعت نہیں کروں گا۔ آپ کی فلاں فلاں تصنیف میں فلاں فلاں غلطی ہے جو ہمارے اکابر اہل سنت کے مسلک کے خلاف ہے لہٰذا العلانیۃ بالعلانیۃ کے تحت اپنے رسالہ میں ان اغلاط سے اپنا رجوع شائع کریں تو پھر آپ کو بیعت کروں گا۔ یہ سید صاحب کا بہت بڑا امتحان تھا کیونکہ اتنے بڑے عالم کو اپنی علمی کوتاہیوں کے اعلان میں جاہ مانع ہوتی ہے لیکن سید صاحب کے چوٹ لگ چکی تھی۔ گئے اور اپنے دارالمصنفین کے رسالہ المعارف میں اعلان شائع کیا اور رسالہ لے کر حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت خوش ہوگئے اور فرمایا ؎

از سلیماں گیر اخلاصِ عمل

اگر اخلاص سیکھنا ہے تو سید سلیمان ندوی سے سیکھو اور سید صاحب کو بیعت کرلیا۔ میرے شیخ حضرت شاہ عبدالغنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ جب کوئی غیر عالم کسی اللہ والے سے بیعت ہوکر اللہ اللہ کرتا ہے تو صاحبِ نور ہوتا ہے لیکن جب کوئی عالم سلسلہ میں داخل ہوتا ہے اور اللہ اللہ کرتا ہے تو نورٌ علیٰ نور ہوجاتا ہے، ایک علم کا نور دوسرے ذکر کا نور۔ سید صاحب نے جب اللہ اللہ کیا اور اللہ کی محبت کا مزہ ملا، نسبت عطا ہوئی اس وقت کے ان کے اشعار عجیب وغریب ہیں، فرماتے ہیں ؎

نام لیتے ہی نشہ سا چھا گیا
ذکر میں تاثیرِ دورِ جام ہے

اور نمازِ تہجد کے بارے میں فرمایا ؎

وعدہ آنے کا شب آخر میں ہے
صبح سے ہی انتظارِ شام ہے

حضرت حکیم الامت سے تعلق کے بعد سید صاحب کے حالات بدل گئے اور حضرت نے خلافت

بھی عطا فرمائی اور شیخ کی محبت میں ان کے یہ اشعار بہت درد بھرے ہیں ؎

جی بھر کے دیکھ لو یہ جمالِ جہاں فروز
پھر یہ جمالِ نور دکھایا نہ جائے گا
چاہا خدا نے تو تری محفل کا ہر چراغ
جلتا رہے گا یوں ہی بجھایا نہ جائے گا

جس کو جو ملا ہے شیخ کی غلامی ہی سے ملا ہے ورنہ عالم کے علم پر اس کے نفس کے اندھیرے چھائے رہتے ہیں، اپنے علم پر عمل کی توفیق نہیں ہوتی اور اگر عمل ہوتا ہے تو اخلاص نہیں ہوتا، علم کی کمیت تو ہوتی ہے کیفیت نہیں ہوتا۔ حضرت قطب العالم مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اخلاص بغیر صحبتِ اہل اللہ کے مل ہی نہیں سکتا۔ آپ تجربہ کر کے دیکھ لیں کہ غیر صحبت یافتہ عالم کے علم و عمل میں فاصلے ہوں گے۔ علم اس کے لیے شہرت و جاہ اور تن پروری کا ذریعہ ہوتا ہے۔ (درسِ مثنوی مولانا روم، صفحہ: ۳۲۰۔۳۲۲)

حدیث نمبر ۳۷

﴿ثَلٰثٌ مَنْ كُنَّ فِيْهِ وَجَدَ بِهِنَّ حَلاَوَةَ الْاِيْمَانِ﴾

(صحیحُ البخاری، کتابُ الایمان، باب من کرہ ان یعود فی الکفر، ج: ۱، ص: ۸)

ترجمہ: تین باتیں جس کے اندر ہوں گی وہ ایمان کی حلاوت پالے گا۔

بخاری شریف کی حدیث میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ تین باتیں جس کے اندر ہوں گی وہ ان کے سبب ایمان کی حلاوت پالے گا۔ ان تین باتوں میں ایک یہ ہے:

۱) مَنْ اَحَبَّ عَبْدًا لاَ يُحِبُّهٗ اِلاَّ لِلّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ جو شخص کسی بندے سے صرف اللہ کے لیے محبت کرے اس کو حلاوتِ ایمانی عطا ہوگی اور حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ مرقاۃ میں اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں:

﴿وَقَدْ وَرَدَ اَنَّ حَلاَوَةَ الْاِيْمَانِ اِذَا دَخَلَتْ قَلْبًا لاَ تَخْرُجُ مِنْهُ اَبَدًا فَفِيْهِ اِشَارَةٌ اِلٰى بَشَارَةِ حُسْنِ الْخَاتِمَةِ﴾

(مرقاۃ المفاتیح، کتابُ الایمان، ج: ۱، ص: ۷۴)

اور وارد ہے کہ حلاوتِ ایمان جس قلب میں داخل ہوتی ہے پھر کبھی اس قلب سے نہیں نکلتی اور اس میں اشارہ ہے حسنِ خاتمہ کی بشارت کا۔ کیونکہ جب ایمان دل سے کبھی نہیں نکلے گا تو خاتمہ ایمان پر ہوگا اور حسنِ خاتمہ جنت کی ضمانت ہے۔

اب اگر کوئی اِشکال کرے کہ اس حدیث میں حسنِ خاتمہ اور دخولِ جنت کی بشارت ہے لیکن اہل اللہ کی رفاقت ومعیت فی الجنۃ کا تو ثبوت نہیں تو بخاری ومسلم کی حدیث ہے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ جو آدمی کسی قوم سے (یعنی علماء وصلحاء) سے محبت رکھتا ہے لیکن اعمالِ نافلہ اور مجاہداتِ شاقہ میں ان کا ساتھ نہ دے سکا تو سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

﴿اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ﴾

(صحیحُ البخاری، کتابُ الادب، باب علامة حب اللہ عزَّ وجلَّ، ج:۲، ص:۹۱۱)

آدمی اسی کے ساتھ ہوگا جس سے وہ محبت رکھتا ہے۔ ملا علی قاری اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں:

﴿اَیْ یَحْشُرُ مَعَ مَحْبُوْبِہٖ وَیَکُوْنُ رَفِیْقًا لِمَطْلُوْبِہٖ قَالَ تَعَالٰی وَمَنْ یُّطِعِ اللہَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِکَ مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللہُ عَلَیْھِمْ مِنَ النَّبِیّٖنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّھَدَآءِ وَالصّٰلِحِیْنَ﴾

(مرقاۃ المفاتیح، کتابُ الاٰداب، باب الحب فی اللہ من اللہ، ج:۸، ص:۷۴۰)

یعنی محبت کی یہ عظیم الشان کرامت ہے کہ اس محبت کی برکت سے اس محبّ کا حشر اپنے محبوب کے ساتھ ہوگا اور اسی کا رفیق ہوگا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو اللہ ورسول کی اطاعت کرے گا وہ انہیں کے ساتھ ہوگا جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام کیا یعنی انبیاء وصدیقین اور شہداء وصالحین کے ساتھ ہوگا۔

اس آیت کی تفسیر میں علامہ آلوسی نے ایک حدیث نقل فرمائی کہ ایک شخص حاضر ہوا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ آپ مجھے میری جان سے زیادہ اور میری اولاد سے زیادہ محبوب ہیں۔ جب میں گھر میں ہوتا ہوں اور آپ کو یاد کرتا ہوں تو مجھ سے صبر نہیں ہوتا یہاں تک کہ آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ کا دیدار کر لیتا ہوں لیکن آخرت میں آپ انبیاء علیہم السلام کے ساتھ اعلیٰ درجہ میں ہوں گے اور ہم جنت میں ادنیٰ درجہ میں ہوں گے تو آپ کو کیسے پائیں گے اور کیسے آپ کا دیدار کریں گے تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خاموش ہو گئے یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوئی۔ (تفسیر روح المعانی، پ:۵، ص:۷۵)

اور تفسیر خازن میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ ایک شخص نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ قیامت کب آئے گی تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تو نے قیامت کے لیے کیا تیاری کی ہے۔ اس نے عرض کیا کہ میں نے تیاری تو کچھ نہیں کی اِلَّآ اِنِّیْ اُحِبُّ اللہَ وَ رَسُوْلَہٗ مگر میں اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہوں تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم اسی کے ساتھ ہو گے جس سے محبت رکھتے ہو۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم لوگوں کو ایسی خوشی کبھی نہیں ہوئی جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے ہوئی۔

مفسرین ومحدثین نے ان آیات واحادیث کی تفسیر میں لکھا ہے کہ معیت سے مراد یہ نہیں کہ سب ایک درجہ میں جمع ہوجائیں گے بلکہ مراد یہ ہے کہ ہر شخص کے لیے ایک دوسرے کی ملاقات ودیدار ہر وقت ممکن ہوگا۔ اعلیٰ درجہ والے جنتی ادنیٰ درجہ والے جنتیوں کے پاس آسکیں گے اور ادنیٰ درجہ والے اعلیٰ درجہ والوں کے پاس جاسکیں گے۔

میرے بزرگوں کی کرامت اوران کی جوتیوں کا صدقہ ہے۔ اللہ تعالیٰ معاف فرمادیں اور جنت میں دخول اوّلیں ہم سب کو نصیب فرمادیں۔ اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق عطا فرمائیں اور اللہ تعالیٰ رمضان المبارک کے صدقے میں ہم سب کو ولی اللہ بنادے اور اپنے دوستوں کی صورت بھی دے دے اور دوستوں کی سیرت بھی دے دے اور اپنے اولیاء کے اخلاق بھی عطا فرمائے اور ہم سب کی اصلاح فرمادے۔ اے اللہ ایسا ایمان ویقین عطا فرما کہ زندگی کی ہر سانس آپ پر فدا ہو ایک سانس بھی ہم آپ کو ناراض کر کے حرام لذتوں کو امپورٹ نہ کریں استیرادنہ کریں درآمد نہ کریں وَصَلَّی اللہُ عَلَی النَّبِیِّ الْکَرِیْمِ۔

(درسِ مثنوی مولانا روم، صفحہ: ۳۶۴۔۳۶۸)

حدیث نمبر ۳۸

﴿اَللّٰھُمَّ لاَ مَانِعَ لِمَا اَعْطَیْتَ وَلاَ مُعْطِیَ لِمَا مَنَعْتَ﴾

(صحیح البخاری، کتابُ الاذان، بابُ الذکر بعد الصلوٰۃ، ج: ۱، ص: ۱۱۷)

ترجمہ: اے اللہ! جو چیز آپ عنایت فرمائیں اسے کوئی روک نہیں کرسکتا اور جس چیز کو آپ روک دیں اسے کوئی دے نہیں سکتا۔

اے اللہ! صرف آپ کی ذات ہے کہ کوئی چیز آپ کی عطا میں مانع نہیں ہوسکتی کیونکہ آپ عزیز ہیں، زبردست طاقت والے ہیں، اور عزیز کے معنیٰ ہیں اَلْقَادِرُ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ وَلاَ یُعْجِزُہٗ شَیْءٌ فِی اسْتِعْمَالِ قُدْرَتِہٖ یعنی جو ہر چیز پر قادر ہو اور اپنی قدرت کے استعمال میں کوئی چیز اس کو عاجز نہ کرسکے۔ اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اَللّٰھُمَّ لاَ مَانِعَ لِمَا اَعْطَیْتَ وَلاَ مُعْطِیَ لِمَا مَنَعْتَ یہ لانفی جنس کا ہے کہ اے اللہ جنس کی کوئی نوع یعنی کوئی بھی چیز ایسی نہیں ہے کہ آپ عطا فرمانا چاہیں اور وہ اس میں مانع ہوجائے اور جس کو آپ اپنی عطا سے محروم کریں تو کوئی عطا کرنے والا اس کو عطا نہیں کرسکتا۔ جب حضرت یونس علیہ السلام کو مچھلی نے نگل لیا تو وہ تین اندھیروں میں تھے، رات کا اندھیرا، مچھلی کے پیٹ کا اندھیرا اور دریا کی تہہ کا اندھیرا اور وَھُوَ کَظِیْمٌ وہ گُھٹ رہے تھے۔ وہاں کون تھا جو آپ کے پیغمبر کو اس امتحان سے نجات دیتا لیکن آپ کی عطا میں کوئی چیز مانع نہ ہوئی اور دریا کی تہہ میں آپ نے سنگریزوں سے پڑھوادیا:

﴿لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحٰنَکَ اِنِّیْ کُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ﴾

(سورۃُ الانبیاء، اٰیۃ: ۸۷)

اور اشارہ دے دیا کہ یہ پڑھ لوتو نجات پا جاؤ گے۔ اور سُبْحٰنَکَ میں یہ علم پوشیدہ ہے کہ اس وقت بھی جبکہ مچھلی نے نگل لیا ہے آپ اس وقت بھی پاک ہیں ہر ظلم سے، آپ ظالم نہیں ہیں، میں ہی ظالم ہوں تو آپ ایسے باعطا ہیں اور باوفا کیسے کہ اپنے پیاروں اور وفاداروں کی سات پشت بلکہ دس پشت تک رحمت نازل فرماتے ہیں:

﴿وَاَمَّا الْجِدَارُ فَکَانَ لِغُلٰمَیْنِ یَتِیْمَیْنِ فِی الْمَدِیْنَةِ وَکَانَ تَحْتَهٗ کَنْزٌ لَّهُمَا﴾

(سورۃ الکھف، اٰیۃ: ۸۲)

اور وہ دیوار جس کے نیچے دو یتیم بچوں کا خزانہ دفن تھا گر رہی تھی آپ نے حضرت خضر علیہ السلام سے اس کو بنوا دیا تاکہ ظالم بادشاہ اس خزانہ کو نہ چھین سکے اور اس عطا اور کرم کی وجہ آپ نے قرآن پاک میں بیان فرمائی وَ کَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًا کہ ان دونوں بچوں کا باپ ہمارا وفادار اور پیارا تھا اور یہ باپ کون تھا؟ روایت میں ہے کہ کَانَ الْاَبُ السَّابِعُ وَ فِیْ رِوَایَةٍ کَانَ الْاَبُ الْعَاشِرُ یہ ساتواں باپ تھا اور ایک روایت میں ہے کہ دسواں باپ تھا۔ آہ! آپ کیسے باوفا ہیں کہ جو آپ کا ہو جاتا ہے آپ اس کی دس پشت تک رحمت نازل فرماتے ہیں۔ دنیا میں بھی ہمارے ساتھ ہیں، قبر میں بھی ہمارے ساتھ ہوں گے میدانِ محشر میں بھی اور پل صراط پر بھی اللہ ہی ساتھ دے گا ہمارا مالک دونوں جہان کا مالک ہے اور دونوں جہان میں صرف وہی باوفا ہے۔

اور دنیا کے باعطا بادشاہ اگر مجرموں کو معاف بھی کرتے ہیں تو عدالتِ عالیہ میں اس کا سابقہ ریکارڈ محفوظ رکھتے ہیں تاکہ اگر آئندہ کبھی وہ پھر بے وفائی کرے تو اس کا سابقہ ریکارڈ فردِ جرم عائد کرنے میں ثبوت فراہم کرے لیکن اے اللہ آپ ایسے باعطا ہیں کہ جس کو معاف کرتے ہیں اس کا سارا ریکارڈ ضائع کر دیتے ہیں تاکہ میرا بندہ قیامت کے دن رسوا نہ ہو۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

﴿اِذَا تَابَ الْعَبْدُ اَنْسَی اللّٰهُ الْحَفَظَةَ ذُنُوْبَهٗ وَ اَنْسٰی ذٰلِکَ جَوَارِحَهٗ وَ مَعَالِمَهٗ مِنَ الْاَرْضِ حَتّٰی یَلْقَی اللّٰهَ وَلَیْسَ عَلَیْهِ شَاهِدٌ مِّنَ اللّٰهِ بِذَنْبٍ﴾

(مرقاۃُ المَفاتیح، کتابُ الدعوات، ج: ۵، ص: ۹)

جب بندہ توبہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کراماً کاتبین سے اس کے گناہوں کو بھلا دیتے ہیں اور اس کے جوارح یعنی اعضاءِ جسم جو اس کے خلاف گواہی دیتے ان کو بھی بھلا دیتے ہیں اور جس زمین پر اس نے گناہ کیا تھا (اور وہ زمین اس کے خلاف گواہ ہوتی) اس زمین سے بھی اس کے گناہوں کے نشانات کو مٹا دیتے ہیں یہاں تک

کہ قیامت کے دن وہ اللہ سے اس حال میں ملے گا کہ اس کے گناہوں پر کوئی شہادت دینے والا نہ ہوگا۔
(فغانِ رومی، صفحہ:٦-١٠)

ہمارے گناہوں کے آثار ونشانات کو اللہ تعالیٰ فرشتوں سے نہیں مٹوائیں گے خود مٹائیں گے اور فرشتوں کو بھلا دیں گے۔ اَنۡسَی اللہُ کا لفظ ہے کہ میں بھلا دوں گا تاکہ فرشتوں کا احسان میرے غلاموں پر نہ رہے اور وہ میرے بندوں پر یہ احسان نہ جتا سکیں کہ تم تو نالائق تھے، ہم نے تمہارے گناہوں کو مٹایا تھا۔ دیکھی آپ نے اللہ تعالیٰ کی بندہ پروری! اسی موقع پر خواجہ صاحب کا یہ شعر ہے؎

مجھ سے طغیانی و فسق و سرکشی
تجھ سے بندہ پروری ہوتی رہی

آپ تو بندہ پروری فرماتے رہے اور ہم اپنی نالائقیوں سے باز نہ آئے۔ توبہ کی برکت سے فرشتوں کی گواہی مٹانے کے بعد اعضاء کی گواہی کو بھی اللہ تعالیٰ مٹا دیتے ہیں یعنی جن اعضاء سے گناہ ہوا تھا ان اعضاء سے اللہ تعالیٰ گناہوں کو محو کر دیتا ہے اور جس زمین پر گناہ ہوئے تھے اس کے نشانات کو بھی اللہ مٹا دیتا ہے یہاں تک کہ قیامت کے دن وہ شخص اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملے گا کہ اس کے خلاف کوئی گواہی دینے والا نہ ہوگا۔

آہ! جس سانس میں ہم اللہ کو راضی کر کے دائمی جنت حاصل کر سکتے تھے اس کو ہم نے دنیا کی عارضی لذتوں میں ضائع کر دیا اور موت کے وقت وہ مہلت ختم ہوگئی:

﴿وَلَنۡ یُّؤَخِّرَ اللہُ نَفۡسًا اِذَا جَآءَ اَجَلُھَا﴾
(سورۃ المنافقون، اٰیۃ: ۱۱)

اور اللہ کسی شخص کو ہرگز مہلت نہیں دیتا جب کہ اس کی میعاد عمر ختم ہونے پر آجاتی ہے۔ اس وقت اس زندگی کی ایک سانس کی قیمت معلوم ہوگی کہ اگر بادشاہ اپنی ساری سلطنت حضرت عزرائیل علیہ السلام کے قدموں میں ڈال دے کہ مجھے ایک لمحہ کی مہلت دے دو تاکہ میں توبہ کر کے اللہ کو راضی کر لوں تو مہلت نہ ملے گی۔ یہ ایسی قیمتی زندگی ہے۔ پس اے اللہ ہمیں توفیق دے دیجئے کہ ہم آپ کو یاد کر کے اور آپ کو راضی کر کے اور مہلتِ حیات سے پورا پورا فائدہ اٹھا کر ابدی کامیابی حاصل کر لیں۔ (فغانِ رومی، صفحہ:٦-١٠)

حدیث نمبر ۳۹

﴿یَا حَیُّ یَا قَیُّوۡمُ بِرَحۡمَتِکَ اَسۡتَغِیۡثُ اَصۡلِحۡ لِیۡ شَاۡنِیۡ کُلَّہٗ وَلَا تَکِلۡنِیۡ اِلٰی نَفۡسِیۡ طَرۡفَۃَ عَیۡنٍ﴾
(السنن الکبریٰ للنسائی، کتاب عمل الیوم واللیلۃ، باب ما یقول اذا امسٰی، ج:٦، ص:۱۴۷)

ترجمہ: اے زندہ حقیقی! اے قائم رکھنے والے! آپ کی رحمت سے میں فریاد کرتا ہوں کہ میرے تمام احوال کی اصلاح فرما دیجئے اور ایک پلک جھپکنے کو مجھے میرے نفس کے حوالے نہ کیجئے۔

جب دشمن ستاتا ہے تو مظلوم سرکار کی عدالتِ عالیہ میں استغاثہ دائر کرتا ہے اور وہ مدعی کہلاتا ہے

اور جس کے خلاف استغاثہ دائر ہوتا ہے اس کو مدعا علیہ کہتے ہیں اور فریاد کے مضمون کو استغاثہ کہتے ہیں۔

اس دعا میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی اُمت کو سکھا دیا کہ جب تمہیں کوئی ستائے خواہ وہ تمہارا داخلی دشمن نفس ہو یا خارجی دشمن، شیطان ہو یا انسان ہو تو تم حیّ و قیّوم کی سرکارِ عالیہ میں اپنا استغاثہ وفریاد داخل کر دو کیونکہ یہ وہ سرکارِ عالیہ ہے جس کی کائنات میں کوئی مثال نہیں، حق تعالیٰ کی ذات حی ہے اَیْ اَزَلاً اَبَدًا وَ حَیَاۃُ کُلِّ شَیْءٍ بِہٖ مُؤَبَّدًا یعنی اللہ ہمیشہ سے زندہ ہے اور ہمیشہ زندہ رہے گا اور اسی سے ہر شے کی حیات قائم ہے اور اللہ قیوم بھی ہے یعنی قَائِمٌ بِذَاتِہٖ وَ یُقَوِّمُ غَیْرَہٗ بِقُدْرَتِہِ الْقَاھِرَۃِ یعنی جو اپنی ذات سے قائم ہے اور دوسروں کو اپنی صفتِ قیومیت سے سنبھالے ہوئے ہے۔ یہ معنیٰ ہیں حی و قیوم کے۔

اور جس عدالت میں یہ استغاثہ دائر کیا جا رہا ہے وہ حق تعالیٰ کی رحمت کی عدالت ہے بِرَحْمَتِکَ اَسْتَغِیْثُ۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بارگاہِ کبریا میں عرض کرتے ہیں کہ اے اللہ! میں آپ کی رحمت کی عدالت میں اپنی فریاد داخل کرتا ہوں۔

اور مضمونِ استغاثہ ہے اَصْلِحْ لِیْ شَأْنِیْ کُلَّہٗ وَلاَ تَکِلْنِیْ اِلٰی نَفْسِیْ طَرْفَۃَ عَیْنٍ جس میں فریاد کا ایک مثبت اور ایک منفی مضمون ہے یعنی اللہ تعالیٰ سے ہر حالت کی اصلاح کی مثبت فریاد ہے اور نفس کے حوالہ نہ کرنے کی منفی فریاد ہے اور دینوی عدالتوں میں جب مظلوم فریاد کرتا ہے تو مضمونِ استغاثہ طویل ہو جاتا ہے اور پھر بھی کثرتِ الفاظ میں مفہوم قلیل ہوتا ہے لیکن کلامِ نبوت کا اعجاز ہے کہ دو مختصر جملوں میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دونوں جہان کی حاجتیں پیش فرما دیں کیونکہ آپ جوامع الکلم یعنی کلماتِ جامعہ سے نوازے گئے تھے۔ جوامع الکلم کے معنی ہیں کہ قلیل الفاظ میں کثیر معانی پنہاں ہوتے ہیں۔

فریاد کا مثبت مضمون اَصْلِحْ لِیْ شَأْنِیْ کُلَّہٗ ہے یعنی میری ہر حالت کو درست فرما دیجئے خواہ وہ حالت دنیا کی ہو یا آخرت کی۔ مثلاً اگر کوئی دشمن ستا رہا ہے تو اس کی ایذا رسانیوں سے نجات دے دیجئے، کوئی جسمانی خطرناک مرض پیدا ہو رہا ہے تو اس کو شفاء عطا فرما دیجئے۔ اسی طرح آخرت کے کاموں میں غفلت ہو رہی ہو، نماز روزہ میں سستی ہو رہی ہو تو اس کو دور فرما دیجئے، کسی گناہ کی عادت ہو تو اس سے توبہ کی توفیق دے دیجئے اور تقویٰ کی دولت عطا فرما دیجئے یعنی جسمانی صحت بھی عطا فرمائیے اور روحانی صحت بھی عطا فرمائیے اور بگڑی کو بنا دیجئے اور اپنے نام کی لذت اور عبادت کی مٹھاس اور ایمان کی حلاوت نصیب فرما دیجئے اور کلہ تاکید ہے یعنی ہماری کوئی حالت ایسی نہ رہنے پائے جس پر آپ اپنی نگاہِ کرم نہ ڈالیں اور ہماری بگڑی کو نہ بنا دیں۔ بس دنیا کی ہر حالت کی درستگی کی اور آخرت کی ہر حالت کی درستگی کی فریاد اَصْلِحْ

لِیْ شَأْنِیْ کُلَّہٗ کے اس مختصر سے جملہ میں ہے۔کلامِ نبوت کی جامعیت کا یہ اعجاز ہے۔

اور استغاثہ کا منفی مضمون وَلَا تَکِلْنِیْ اِلٰی نَفْسِیْ طَرْفَۃَ عَیْنٍ ہے اور جس کے خلاف یہ استغاثہ دائر کیا جارہا ہے وہ مدعا علیہ کون ہے؟ یعنی وہ کون دشمن ہے جس کے خلاف رحمتِ الٰہیہ کی عدالت میں یہ فریاد داخل کی جارہی ہے؟ وہ نفس ہے جس کا ذکر استغاثہ میں سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرمارہے ہیں کہ سب سے بڑا دشمن میرا نفس ہے اور یہ اتنا بڑا دشمن ہے کہ پلک جھپکنے میں وار کرکے آدمی کو تباہ کرسکتا ہے۔ دیکھئے کتنا ہی بڑا دشمن ہو، حملہ کے لیے پہلے کچھ اسلحہ سنبھالے گا، کچھ خود سنبھلے گا، وار کے لیے کچھ نشانہ لگائے گا، پلک جھپکتے ہی وار نہیں کرسکتا۔لیکن یہ صرف نفس دشمن ہے جو پلک جھپکنے میں انسان کو ہلاک کرسکتا ہے، پلک جھپکی اور قصداً کفر کا عقیدہ دل میں ڈال دیا اور اسی وقت کافر بنادیا، پلک جھپکنے میں کسی گناہ کا ارادہ دل میں ڈال دیا اور گناہ میں مبتلا کرکے فاسق بنادیا۔اسی لیے سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اُمت کو سکھا رہے ہیں کہ اے اللہ پلک جھپکنے بھر کو مجھے میرے نفس دشمن کے حوالے نہ کیجئے کیونکہ میرا سب سے بڑا دشمن میرا نفس ہے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

﴿اِنَّ اَعْدٰی عَدُوِّکَ فِیْ جَنْبَیْکَ﴾

تیرا سب سے بڑا دشمن تیرے پہلو میں ہے اور اس سے مراد نفس ہے جو پہلو میں چھپا بیٹھا ہے اور گھر کا دشمن باہر کے دشمن سے زیادہ خطرناک ہوتا ہے۔شیطان تو باہر کا دشمن ہے، وہ تو ایک بار وسوسہ ڈال کر چلا جاتا ہے کیونکہ اس کے پاس اتنا وقت نہیں ہے کہ ایک ہی آدمی کے پیچھے لگا رہے لیکن نفس تو ہر وقت پہلو میں ہے لہٰذا بار بار گناہ کا تقاضا کرتا ہے۔حضرت حکیم الامت فرماتے ہیں کہ شیطانی وسوسہ اور نفسانی وسوسہ میں یہی فرق ہے کہ اگر ایک بار گناہ کا تقاضا ہوا تو یہ شیطان کی طرف سے ہے اور جب بار بار گناہ کا تقاضا ہو تو ہوشیار ہوجاؤ کہ یہ نفس کی طرف سے ہے اللہ تعالیٰ نے نفس کی حقیقت بتادی کہ:

﴿اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَۃٌ ۢبِالسُّوْءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیْ﴾

(سورۃ یوسف،اٰیۃ:۵۳)

یعنی نفس کثیر الامر بالسوء ہے، بہت زیادہ برائی پر اُکسانے والا ہے لہٰذا نفس کے شر سے کون بچ سکتا ہے؟ جس پر حق تعالیٰ کی رحمت کا سایہ ہو۔علامہ آلوسی فرماتے ہیں کہ یہ مَا ظرفیہ زمانیہ مصدریہ ہے جس کا ترجمہ ہوگا اَیْ فِیْ وَقْتِ رَحْمَۃِ رَبِّیْ کہ جس وقت میرے رب کی رحمت کا سایہ ہوگا تب نفس کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔

اگر آپ کی رحمت کا سایہ اس نفس پر پڑ گیا تو یہ کرگس بھی پھر بازِ شاہی اور بازِ سلطانی کا کردار ادا کرسکتا ہے اور آپ کی بارگاہ میں سجدہ ریز و اشک بار ہوسکتا ہے۔میرے قلب و جاں آپ سے اس درجہ چپک سکتے ہیں کہ ساری کائنات مجھے آپ سے ایک بال کے برابر جدا نہیں کرسکتی لہٰذا آپ ہمیشہ اور ہر لمحہ

مجھے اپنی رحمت کے سائے میں رکھیے، ایک لمحہ کے لیے مجھ کو میرے نفس کے سپرد نہ کیجئے ورنہ خوف ہے کہ یہ راہِ طاعت وسعادت کو چھوڑ کر راہِ شقاوت اختیار کرلے کیونکہ معصیت شقاوت کی راہ ہے اور ترکِ معصیت نزولِ رحمت کی دلیل ہے۔ اسی لیے ہمیں حدیث پاک میں یہ دعا بھی سکھائی گئی:

﴿اَللّٰھُمَّ ارْحَمْنِیْ بِتَرْکِ الْمَعَاصِیْ وَلاَ تُشْقِنِیْ بِمَعْصِیَتِکَ﴾

اے اللہ! ہم پر وہ رحمت نازل فرما دے جس سے ہمیں گناہ چھوڑنے کی توفیق ہو اور اپنی نافرمانی سے ہمیں شقی اور بدبخت نہ ہونے دیجئے وَ لاَ تَکِلْنِیْ اِلٰی نَفْسِیْ طَرْفَةَ عَیْنٍ اور ہمیں ایک پل کے لیے ہمارے نفس کے حوالہ نہ کیجئے۔ (فغانِ رومی، صفحہ:۱۳۰۔۱۸)

حدیث نمبر۴۰

﴿اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ رِضَاکَ وَالْجَنَّةَ وَاَعُوْذُ بِکَ مِنْ سَخَطِکَ وَالنَّارِ﴾

(تفسیر اللباب لابن عادل)

ترجمہ: اے اللہ! میں آپ سے آپ کی رضا اور جنت کا سوال کرتا ہوں اور آپ کی ناراضگی اور جہنم سے پناہ مانگتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِکْرِیْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِیْشَةً ضَنْکًا﴾

(سورة طٰه، اٰية:۱۲۴)

جو مجھے بھول جاتا ہے اس کی زندگی تلخ کردی جاتی ہے۔ جیسے مچھلی کو پانی سے نکال لو تو جس طرح وہ تڑپتی ہے اسی طرح ہماری روح آپ سے دور ہو کر تڑپتی رہتی ہے کیونکہ آپ سے دوری کا عذاب کس دوزخ سے کم ہے اور آپ کی خوشی کس جنت سے کم ہے۔ اسی لیے ہمارے پیارے نبی سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے آپ کی خوشی اور رضا کو جنت پر مقدم فرمایا اور آپ کی ناراضگی کو جہنم پر مقدم فرمایا:

﴿اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ رِضَاکَ وَالْجَنَّةَ وَاَعُوْذُ بِکَ مِنْ سَخَطِکَ وَالنَّارِ﴾

(تفسیر اللباب لابن عادل)

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بارگاہِ کبریا میں عرض کرتے ہیں کہ اے اللہ میں آپ کی رضا وخوشی کو طلب کرتا ہوں اور جنت کو درجۂ ثانوی میں طلب کرتا ہوں اور آپ کی ناراضگی سے پناہ چاہتا ہوں اور دوزخ سے درجۂ ثانوی میں پناہ چاہتا ہوں۔ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ رِضَاکَ وَالْجَنَّةَ سے معلوم ہوا کہ سب سے اعلیٰ نعمت اللہ کی محبت، اللہ کی رضا ہے، ذاتِ حق ہے، جنت کی نعمت اور جنت کی لذّات درجۂ ثانوی میں ہیں۔ جنت تو معاوضہ ہے، بدلہ ہے جو دراصل عطا ہے لیکن بصورت جزاء ہے لیکن جنت اللہ کی ذات نہیں ہے، غیر ذات ہے، رضاء کا تعلق اللہ کی ذات سے ہے رِضَاکَ سے مراد ہے کہ اے اللہ آپ ہم سے

خوش ہو جایئے یہ ہمارے لیے جنت سے عزیز تر ہے، آپ کی خوشی کے مقابلہ میں جنت بھی کوئی چیز نہیں ہے۔ اسی لیے جانِ عاشقِ نبوت جنت کو مقدم نہیں کر رہی ہے، آپ کی رضا اور آپ کی خوشی کو مقدم کر رہی ہے۔ جانِ پاکِ نبوت کا یہ اسلوبِ کلام خود دلیل ہے کہ نبی اللہ کا کتنا بڑا عاشق ہوتا ہے کہ جنت سے پہلے آپ کی رضا مانگ رہا ہے اور رِضَاکَ کے بعد وَالْجَنَّۃَ میں واوٴ عاطفہ داخل فرمایا اور سارے علماءِ نحو کا اس پر اجماع ہے کہ معطوف علیہ اور معطوف میں مغایرت لازم ہے جس کے معنی یہ ہوئے کہ آپ کی رضا کی جو لذت ہے وہ اور ہی کچھ ہے اور جنت کی لذت کچھ اور ہے۔ اللہ کی ذات کا، اللہ کی محبت کا، اللہ کے نام کا مزہ اور ہے اور جنت کا مزہ اور ہے۔ جنت مخلوق ہے اور اللہ خالق ہے لہٰذا لذتِ مخلوق، خالق کی لذت کو کہاں پا سکتی ہے۔ اسی لیے میرے شیخ حضرت شاہ عبدالغنی صاحب پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ حدیث نقل فرماتے تھے کہ جب جنت میں اللہ تعالیٰ کا دیدار ہوگا تو اہلِ جنت اتنا مزہ پائیں گے کہ اس وقت جنت ان کو یاد بھی نہ آئے گی کہ کہاں جنت ہے، کہاں حوریں ہیں اور کہاں نعماءِ جنت ہیں ؎

صحنِ چمن کو اپنی بہاروں پہ ناز تھا
وہ آ گئے تو ساری بہاروں پہ چھا گئے

ترے جلووٴں کے آگے ہمتِ شرح و بیاں رکھ دی
زبانِ بے نگہ رکھ دی نگاہِ بے زباں رکھ دی

اللہ تعالیٰ کی تجلی کے سامنے اہل جنت کو جنت کا ہوش نہ رہے گا ؎

وہ سامنے ہیں نظامِ حواس برہم ہے
نہ آرزو میں سکت ہے نہ عشق میں دم ہے

جب اللہ کے مقابلہ میں جنت اور لذاتِ جنت کی کوئی حقیقت نہیں تو دنیا کیا بیچتی ہے کیونکہ دنیا کی لذّتوں کی شراب نہ ازلی ہے نہ ابدی ہے یعنی دنیا پہلے نہیں تھی پھر اللہ نے پیدا کیا اور قیامت کے دن ہمیشہ کے لیے فنا کر دی جائے گی۔ تو دنیا کی شراب غیر ازلی غیر ابدی اور جنت کی شراب ابدی غیر ازلی ہے یعنی جنت ابدی تو ہے لیکن ازلی نہیں ہے، یعنی پہلے نہیں تھی پھر پیدا کر دی گئی اور کبھی فنا نہیں ہوگی لیکن ہمیشہ سے نہیں تھی اور اللہ تعالیٰ کی ذات ازلی ابدی ہے یعنی اللہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ تو جنت کی شراب اللہ کی خاص ذات کو، اللہ کے نام کی لذت کو، اللہ کی محبت کے مزہ کو کہاں پا سکتی ہے کیونکہ جنت ابدی سہی لیکن شانِ ازلیت اور لذتِ ازلیت سے محروم ہے۔ اور جب اعلیٰ قسم کی چیز منہ کو لگ جاتی ہے تو ادنیٰ منہ کو نہیں لگتی۔ تو اولیاء اللہ جو اللہ کے نام کی لذت کو پا گئے، اللہ کی محبت کا مزہ جن کے منہ کو لگ گیا، جن پر اللہ کی محبت چھا گئی

تو دنیا کی لذتوں کی شراب ان کے منہ کو کیا لگے گی جبکہ جنت بھی ان کو ثانوی درجہ میں ہو جاتی ہے لیکن جنت کو مانگتے ہیں کیونکہ محلِ دیدارِ الٰہی ہے اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بھی اس کے سوال کا حکم دیا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَ فِیْ ذٰلِکَ فَلْیَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَ﴾

(سورۃ المطففین، اٰیۃ: ۲۶)

تم لوگ ہماری نعمتوں پر لالچ کرو۔ پس جب اللہ تعالیٰ اپنی نعمتوں پر ہمیں لالچ کرنے کا حکم دیں تو وہ ظالم ہے جو قناعت کرے۔

چوں طمع خواہد ز من سلطانِ دیں
خاک بر فرق قناعت بعد ازیں

مولانا رومی فرماتے ہیں کہ جب وہ سلطانِ دیں ہم سے طمع چاہے تو قناعت کے سر پر خاک ڈالو۔

تو جس طرح اللہ کی رضا جنت سے بڑھ کر ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کی ناراضگی دوزخ سے بڑھ کر ہے جس کی دلیل اس حدیثِ پاک کا دوسرا جز ہے کہ وَاَعُوْذُ بِکَ مِنْ سَخَطِکَ وَالنَّارِ سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پہلے اللہ تعالیٰ کی ناراضگی سے پناہ مانگی اور دوزخ سے پناہ کو مؤخر فرمایا۔ یہاں بھی واوٴ عطف کا ہے اور معطوف علیہ و معطوف میں مغایرت کو لازم کرتا ہے یعنی آپ کی ناراضگی اور جہنم کی عقوبت برابر نہیں ہوسکتی، آپ کا ناراض ہو جانا عذاب جہنم سے بڑھ کر ہے۔ اسی لیے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم عرض کرتے ہیں:

﴿اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِکَ اَنْ تَصُدَّ عَنِّیْ وَجْھَکَ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ﴾

(المعجمُ الکبیر لِلطبرانی)

اے اللہ! میں پناہ چاہتا ہوں کہ قیامت کے دن آپ اپنا چہرہ مجھ سے پھیر لیں۔ دیکھو اگر باپ یا استاد یا شیخ اپنا چہرہ ناراضگی سے پھیر لے تو لائق بیٹا اور لائق شاگرد اور لائق مرید پر کیا گذر جائے گی۔ پٹائی کے ڈنڈے سے زیادہ اس پر اپنے باپ یا شیخ کی ناراضگی شاق ہوتی ہے۔ اسی لیے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کی ناراضگی کو دوزخ پر مقدم فرمایا کہ عذابِ دوزخ کا سبب تو ان کی ناراضگی ہی ہے۔

اور اللہ تعالیٰ نے قیامت کے دن کفار کو اپنی رویت سے محروم کرنے کو موقع سزا میں بیان فرمایا جو حق تعالیٰ کی شان محبوبیت کی عظیم الشان دلیل ہے:

﴿کَلَّآ اِنَّھُمْ عَنْ رَّبِّھِمْ یَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ﴾

(سورۃُ المطففین، اٰیۃ: ۱۵)

ہرگزنہیں یہ (کفار) قیامت کے دن اپنے رب کے دیدار سے محروم ہوں گے۔ بطور سزا کے مجوبی کا اعلان اللہ تعالیٰ کی شانِ محبوبیت پر دلالت کرتا ہے کیونکہ دنیا میں کسی سلطانِ وقت نے کسی مجرم کو یہ سزا نہیں سنائی کہ ہم تجھے اپنے دیدار سے محروم کرتے ہیں کیونکہ دنیوی بادشاہ حاکمِ محض ہوتے ہیں محبوب نہیں ہوتے۔ ان کے مجرمین تو صرف سزا سے بچنا چاہتے ہیں، بادشاہوں کے دیدار کے حریص نہیں ہوتے لیکن موقع سزا میں حق تعالیٰ کے اس اعلان سے ثابت ہوا کہ ان کے دیدار سے محرومی کافروں کے لیے خود ایک عذاب ہوگی اور کفار سخت ضیق اور گھٹن میں ہوں گے۔

معلوم ہوا کہ اللہ سے دوری اور ان کی ناراضگی دوزخ سے بڑھ کر ہے کیونکہ جس سے اللہ ناراض ہوتا ہے اسی کو دوزخ میں ڈالے گا اور دوزخ کا حاصل اللہ تعالیٰ سے جدائی ہے اور جو گناہ کرتا ہے وہ دنیا ہی میں اللہ تعالیٰ سے جدا ہو جاتا ہے اور دوزخ میں دوزخیوں کا جو حال ہوگا کہ **لَا یَمُوْتُ فِیْھَا وَلَا یَحْیٰی** نہ مرے گا نہ جئے گا، موت و زندگی کی کشمکش میں مبتلا ہوگا اسی طرح گنہگار کی زندگی اللہ تعالیٰ کی دوری کے عذاب سے دنیا ہی میں تلخ ہو جاتی ہے۔ (فغانِ رومی، صفحہ:۵۲۔۵۸)

حدیث نمبر ۴۱

﴿ **اَللّٰھُمَّ وَاقِیَۃً کَوَاقِیَۃِ الْوَلِیْدِ** ﴾

(کنزُ العمّال)

ترجمہ: آپ ہماری ایسی حفاظت کیجیے جیسے ماں اپنے چھوٹے بچے کی حفاظت کرتی ہے۔

اگر آپ نے ہمیں ہمارے نفس کے حوالہ کر دیا تو ہم ایسے نالائق ہیں کہ اپنے ہاتھوں سے اپنے پاؤں پر کلہاڑی ماریں گے لہٰذا آپ ہمارا ہاتھ پکڑ لیجیے اور ہمیں اپنی نافرمانی نہ کرنے دیجیے کیونکہ ہمارا ہاتھ تو گندگی میں جاتا ہے، گندے گندے کاموں کی طرف بڑھتا ہے جیسے چھوٹا بچہ اپنی اماں سے کہہ دے کہ اے اماں! میں نادان ہوں، میری تو فطرت ہی خراب ہے، میرے اندر بھلے بُرے کی بھی تمیز نہیں۔ پس اگر میں پیشاب پاخانے میں ہاتھ ڈالوں تو قبل اس کے کہ وہ گندگی میں ملوث ہو اس وقت آپ میرا ہاتھ پکڑ لیا کیجیے۔ تو اے خدا! اس وقت ماں اس کی کیسی حفاظت کرے گی۔ اے اللہ! آپ تو ماؤں کی محبت اور ماتا کے خالق ہیں ؎

مادراں را مہر من آموختم

ماؤں کو محبت کرنا تو آپ ہی نے سکھایا لہٰذا ہم آپ سے فریاد کرتے ہیں:

﴿ **اَللّٰھُمَّ وَاقِیَۃً کَوَاقِیَۃِ الْوَلِیْدِ** ﴾

(کنزُ العمّال)

کہ آپ ہماری ایسی حفاظت کیجئے جیسے ماں اپنے چھوٹے بچہ کی کرتی ہے کیونکہ اے خدا مومن کے لیے دنیا میں اس سے بڑھ کر کوئی ذلیل ترین کام نہیں کہ وہ آپ کی نافرمانی کر کے اپنے قلب اور قالب کو ناپاک کرلے اور آپ سے دور ہوجائے لہٰذا اے اللہ ہمیں ہمارے نفس کے حوالہ نہ کیجئے اور اپنی خاص مدد شاملِ حال کرکے نفس کے ہاتھوں سے ہمیں چھڑا لیجئے۔

پردہ را بردار و پردہ ما مدر

ہمارے اندر گناہوں کے جو تقاضے اور گناہوں کا جو خبیث ذوق ہے۔ اس پر اپنی رحمت اور ستاری کے پردے کو قائم رکھئے، اس پردہ کو اٹھنے نہ دیجئے، اپنی ستاری اور پردہ پوشی کا پردہ نہ پھاڑیئے یعنی ہمارے عیبوں کو ظاہر نہ کیجئے ورنہ ہم ذلیل ورسوا ہوجائیں گے کیونکہ اے اللہ گناہوں پر مسلسل اصرار کی وجہ سے آپ جس سے انتقام لیتے ہیں تو اس کا پردۂ ستاریت پھاڑ دیا جاتا ہے اور وہ سارے عالم میں رسوا ہوجاتا ہے لہٰذا۔

اے خدا ایں بندہ را رسوا مکن
گر بدم من سر من پیدا مکن

اے اللہ! اپنے اس بندہ کو رسوا نہ کیجئے۔ اگرچہ میں انتہائی نالائق ہوں لیکن میری نالائقیوں اور میرے عیبوں کو اپنے بندوں پر ظاہر نہ کیجئے۔ (فغانِ رومی، صفحہ:۸۲۔۸۴)

حدیث نمبر۴۲

﴿اِذَا لَمْ تَسْتَحْيِ فَاصْنَعْ مَاشِئْتَ﴾

(صحیحُ البخاری، کتابُ الانبیاء، باب حدیث الغار، ج: ۱، ص: ۴۹۵)

ترجمہ: جب تجھ سے حیا ختم ہوگئی تو پھر جو چاہے کر۔

نعوذ باللہ کیا شریعت یہ اجازت دے رہی ہے کہ شرم کو ختم کر کے جو چاہو کرو۔ نہیں! یہ صورتاً امر ہے حقیقتاً خبر ہے کہ اگر تجھ سے حیا جاتی رہی تو پھر تو ہر گناہ کرے گا کیونکہ ہر گناہ کا سبب بے حیائی ہے، اگر بدنظری کر رہا ہے تو اس کا سبب بے حیائی ہے، زنا کر رہا ہے تو نہایت درجہ کا بے حیا ہے کہ دوسروں کی ماں بہنوں کے ساتھ ایسا کر رہا ہے جو اپنی ماں بہنوں کے لیے پسند نہیں کرتا اور اس کو پرواہ نہیں کہ اللہ نے اگر مخلوق پر ظاہر کر دیا تو کس قدر رسوائی ہوگی۔ اس کے علاوہ خدا کے حکم کو توڑنا خود بے حیائی ہے۔ اسی طرح اگر کوئی جھوٹ بول رہا ہے تو وہ بے حیا ہے۔ حیا والا آدمی سوچے گا کہ اگر کبھی میرا جھوٹ ظاہر ہوگیا تو کیا منہ دکھاؤں گا۔ غرض ہر گناہ کی جڑ میں بے حیائی پوشیدہ ہے۔ گناہ بغیر بے حیائی و بے غیرتی کے ہو ہی نہیں سکتا۔

پس جس کی زندگی کی ہر سانس میں اللہ تعالیٰ کی ذات مقصود و مراد ہو کہ ایک لمحہ بھی اس کا اللہ سے غافل نہ ہو تو ایسا شخص چاہے مسجد میں ہو، چاہے دکان میں سودا بیچ رہا ہو، چاہے بیوی بچوں سے باتیں کر رہا

ہو یا دوستوں سے خوش طبعی کر رہا ہو یہ ہر وقت باغِ قرب میں ہے اور اللہ کا راستہ اس کے لیے گویا پھولوں کے جھرمٹ اور درختوں کے سائے میں نہایت سکون و عافیت سے گذر جائے گا اور بہت مزے میں یہ منزل تک پہنچ جائے گا۔ اسی لیے مولانا نے فرمایا کہ اے اللہ! صرف آپ ہی ہمارا مقصد، ہمارا مقصود، ہماری مراد، ہماری آرزوؤں اور تمناؤں کا مرکز بن جائیں تاکہ آپ کا راستہ ہم پر نہایت آسان اور انتہائی لذیذ ہو جائے۔ شیطان کے لیے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ شیطان تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے اور نفس کے لیے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

﴿اِنَّ اَعْدٰی عَدُوِّکَ فِیْ جَنْبَیْکَ﴾

تیرا سب سے بڑا دشمن تو تیرے پہلو میں ہے۔ اور نفس و شیطان دونوں بھی مراد لیے جا سکتے ہیں لیکن شیطان کا یہاں مراد ہونا زیادہ اقرب الیٰ القیاس ہے کیونکہ دشمنِ ازلی اور مردودِ ازلی ہے اس کی دشمنی کبھی ختم نہیں ہو سکتی اور نفس کا اگر تزکیہ ہو جائے تو یہ ولی اللہ بھی ہو جاتا ہے، تو شیطان ظالم ہم سے کتنا حسد رکھتا ہے۔ پس اے خدا میں اس دشمن کے خلاف آپ سے فریاد کرتا ہوں جیسے کوئی دشمن کسی بچہ کو مار رہا ہو تو وہ بچہ اپنے ابا کو پکارتا ہے پس اے اللہ! اس دشمن شیطان اور دشمن نفس کے ستانے پر ہم آپ ہی کو پکار رہے ہیں کہ آپ سے ہماری فریاد ہے کہ اس دشمن کی پٹائی سے ہمیں بچا لیجئے۔ (فغانِ رومی، صفحہ:۱۲۹۔۱۳۱)

حدیث نمبر ۴۳

﴿اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنِیْ مِنَ التَّوَّابِیْنَ وَاجْعَلْنِیْ مِنَ الْمُتَطَھِّرِیْنَ﴾

(سننُ الترمذی، کتابُ الطھارۃ، باب فیْ مایقالُ بعدَ الوضوء، ج: ۱، ص: ۱۸)

ترجمہ: اے اللہ! مجھے بہت زیادہ توبہ کرنے والوں میں سے بنا دیجئے اور بہت پاکیزہ لوگوں میں سے بنا دیجئے۔

حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے وضو کے بعد کی مسنون دعا اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنِیْ مِنَ التَّوَّابِیْنَ وَاجْعَلْنِیْ مِنَ الْمُتَطَھِّرِیْنَ کی تشریح میں لکھا ہے کہ اے خدا! ہم نے وضو تو کر لیا اور اپنے ظاہری اعضا پاک کر لیے لیکن ہمارے ہاتھ دل تک نہیں پہنچ سکتے، ہم اپنے دل کو پاک نہیں کر سکتے، دل کا وضو تیرے ہاتھ میں ہے لہٰذا ہمیں توفیقِ توبہ بھی دے دے تاکہ ہمارا دل بھی پاک ہو جائے اور ہم پاک صاف لوگوں میں ہو جائیں۔

شریعت نے جس وقت کی جو دعا بتائی ہے اس میں ایک خاص مناسبت اور جوڑ ہے۔ دیکھئے وضو میں اور اس دعا میں کیسا جوڑ ہے کہ وضو کے پانی سے اپنے اعضاء بدن کو پاک کرنا تو میرے اختیار میں تھا

لیکن دل کو پاک کرنا آپ کے اختیار میں ہے لہٰذا توفیقِ توبہ دے کر آپ میرے دل کو پاک فرما دیجئے تا کہ میرا باطن بھی صالح ہو جائے اور میں آپ کے نیک بندوں میں شمار ہو جاؤں۔ توبہ دل کا وضو ہے اور توبہ تین چیزوں کا نام ہے:

۱۔ **اَلرُّجُوْعُ مِنَ الْمَعْصِیَۃِ اِلَی الطَّاعَۃِ** گناہ چھوڑ کر عبادت میں لگ جانا۔

۲۔ **اَلرُّجُوْعُ مِنَ الْغَفْلَۃِ اِلَی الذِّکْرِ** غفلت کی زندگی چھوڑ کر اللہ کو یاد کرنے لگنا۔

۳۔ **اَلرُّجُوْعُ مِنَ الْغَیْبَۃِ اِلَی الْحُضُوْرِ** اللہ سے دل ذرا سا غائب ہو جائے تو پھر خدا کے سامنے حاضر کر دینا۔ تو مطلب یہ ہوا کہ اے اللہ توبہ کی تینوں قسموں تک رسائی دے دے اور ہم کو پاک کر دے کیونکہ توفیقِ توبہ آسمان سے آتی ہے۔ دلیل قرآن شریف کی یہ آیت ہے:

﴿**ثُمَّ تَابَ عَلَیْھِمْ لِیَتُوْبُوْا**﴾

(سورۃُ التوبۃ، اٰیۃ: ۱۱۸)

کہ اللہ تعالیٰ نے صحابہ پر توجہ فرمائی تا کہ وہ توبہ کر لیں۔ علامہ آلوسی **تَابَ عَلَیْھِمْ** کی تفسیر فرماتے ہیں **اَیْ وَفَّقَھُمْ لِلتَّوْبَۃِ** یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کو توفیق دی کہ وہ توبہ کریں۔ معلوم ہوا کہ توفیق آسمان سے آتی ہے تب زمین والے توبہ کر کے ولی اللہ بنتے ہیں۔ اگر توفیق اپنے اختیار میں ہوتی تو ساری دنیا ولی اللہ ہو جاتی۔ توفیقِ توبہ انعامِ الٰہی ہے۔ جس کو توفیقِ توبہ نہ ہو سمجھ لو کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عنایت سے محروم ہے۔ کیا کوئی باپ اپنے بیٹے کو گٹر میں گرا ہوا دیکھ سکتا ہے؟ لیکن اگر کوئی بیٹا گٹر میں گرا ہوا ہے اور باپ دیکھ بھی رہا ہے لیکن نہیں نکالتا تو یہ دلیل ہے کہ یہ شخص باپ کی نظرِ عنایت سے محروم ہے۔ جو لوگ توبہ میں دیر کرتے ہیں تو سمجھ لو اللہ تعالیٰ کی عنایت سے محروم ہیں۔ جس پر اللہ کی توجہ، رحمت اور مہربانی ہوتی ہے ایک سیکنڈ بھی وہ توبہ میں دیر نہیں کرتا، وہ گناہ کی حالت میں رہتے ہوئے اطمینان سے نہیں رہتا، جلدی سے توبہ کرتا ہے کہ اے اللہ مجھے معاف کر دیجیے، آپ کی ناخوشی کی راہوں سے میرے دل نے جو حرام خوشی امپورٹ کی میں ان حرام خوشیوں سے معافی چاہتا ہوں کیونکہ ایسا تو نہیں ہو سکتا کہ انسان انبیاء کی طرح بالکل معصوم ہو جائے۔ کبھی نہ کبھی خطا ہو گی، بشریت سے مغلوب ہو کر کبھی سالک سے بھی لغزش ہو جائے گی اور باطن میں حرام مزہ درآمد کر لے گا لیکن جس پر اللہ کا کرم ہوتا ہے وہ گناہ کو اوڑھنا بچھونا نہیں بنا سکتا فوراً بے چین ہو کر توبہ و استغفار کرے گا کہ اے خدا میرے نفس نے آپ کو ناخوش کر کے جو حرام خوشی درآمد کی ہے میں اس ملعون خوشی اور حرام خوشی سے معافی چاہتا ہوں۔ آپ مجھ کو معاف کر دیجئے کیونکہ آپ کی ناخوشی کی راہوں سے میری خوشیاں نامبارک اور قابلِ لعنت ہیں، منحوس اور غیر شریفانہ ہیں کہ اپنے پالنے والے محسن کو ناراض

کر کے میں اپنا دل خوش کر رہا ہوں۔ جو بیٹا اپنے باپ کو ناراض کر کے خوشیاں منا رہا ہو تو اس بیٹے کی یہ خوشیاں غیر شریفانہ اور کمینہ پن کی خوشیاں ہیں لہٰذا اے خدا میں ان تمام خوشیوں پر نادم ہوں جن سے آپ ناراض ہوئے ہوں کیونکہ کوئی بندہ آپ کی نافرمانی میں مبتلا ہو اس سے بڑھ کر کوئی عذاب ہی نہیں ہے۔ دنیا میں سب سے بڑا عذاب آپ کی نافرمانی ہے۔ بندہ ہو کر اپنے مالک کا اور قادرِ مطلق مالک کا نافرمان ہو، اس پر جتنے جوتے پڑ جائیں کم ہیں اور جتنے عذاب اور بے چینیاں دل پر نازل ہو جائیں تھوڑی ہیں۔

(فغانِ رومی، صفحہ:۱۹۱۔۱۹۴)

دعاءِ وضو کی عاشقانہ حکمت

وضو کے بعد یہ دعا اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِیْ مِنَ التَّوَّابِیْنَ وَاجْعَلْنِیْ مِنَ الْمُتَطَهِّرِیْنَ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس لیے تعلیم فرمائی تاکہ بندوں کا باطن اور قلب بھی پاک ہو جائے کیوں کہ توبہ دل کی طہارت کا نام ہے۔ پس وضو سے ہاتھ پیر دھونا ہمارے اختیار میں تھا لیکن دل تک ہمارا ہاتھ نہیں پہنچ سکتا، دل کو دھونا ہمارے اختیار میں نہیں تو جہاں بندہ کا اختیار نہ ہو وہاں دعا کرنا عبدیت ہے کہ مانگ لو اے خدا وضو کر لیا، ہاتھ پیر دھو لیے یعنی جسم کے اعضاء دھو لیے لیکن میرا ہاتھ میرے دل تک نہیں پہنچ سکتا آپ اپنے کرم سے میرا دل بھی دھو دیجیے کیوں کہ دل اگر پاک نہیں ہے تو ظاہری پاکی کا اعتبار نہیں ہے۔ علامہ آلوسی تفسیر روح المعانی میں فرماتے ہیں فَاِنَّ حَقِیْقَةَ الطَّهَارَةِ طَهَارَةُ الْاَسْرَارِ مِنْ دَنَسِ الْاَغْیَارِ اصل طہارت یہ ہے کہ دل غیر اللہ سے پاک ہو جائے، جس کا گھر ہے وہ رہے۔ جب دل پاک ہوتا ہے تو اللہ پاک ہے وہ پاک دل میں آتا ہے یعنی تجلی خاص سے متجلی ہوتا ہے ورنہ جسم کی پاکی تو ہندو بھی کر سکتا ہے۔ ایک ہندو دریا میں کود گیا اور نہا لیا تو اس کا جسم نجاستِ حسیہ سے پاک ہو گیا، پیشاب پاخانہ سب دُھل گیا لیکن اللہ تعالیٰ نے مومن کو ایک امتیازی شان عطا فرمائی ہے جو کسی کافر کو نصیب نہیں۔ دشمنوں اور دوستوں میں کچھ فرق تو ہونا چاہیے۔ دوستوں کو امتیازی ڈش دی جاتی ہے، امتیازی نعمت دی جاتی ہے۔ اس لیے طہارۃ الاسرار یعنی باطن کی پاکی، غیر اللہ سے قلب کی پاکی مومن کی شان ہے لہٰذا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایمان والوں کے لیے وضو کے بعد دعا سکھائی۔

وضو کے وقت اہل اللہ کی خشیت

اکابر سے سنا ہے کہ بعض بزرگوں پر وضو کرتے ہی خوف طاری ہو جاتا ہے کہ اب اللہ کے سامنے کھڑا ہونا ہے اس لیے وضو کرتے وقت گپ شپ کرنا، شور وغل کرنا ٹھیک نہیں ہے، یہ علامت اچھی نہیں ہے۔ وضو خانے میں آوازیں سنتا ہوں جیسے مچھلی بازار۔ جب وضو شروع کرو اس وقت سے اللہ کی عظمت و

ہیبت چہرے پر آجانی چاہیے کیونکہ اس وضو کے بعد ہم کو اپنے مولیٰ کے پاس کھڑا ہونا ہے، عظیم الشان مولیٰ کے پاس کھڑا ہونا ہے۔ خاموشی سے وضو کرو، جب شور وغل کرو گے تو وضو کی دعا کب پڑھو گے کیونکہ زبان تو مشغول ہوگئی فضولیات میں۔

وَسِّعْ لِیْ فِیْ دَارِیْ کے معنیٰ

میرے شیخ شاہ ابرارالحق صاحب دامت برکاتہم نے فرمایا کہ دورانِ وضو حدیث سے ایک ہی دعا ثابت ہے:

﴿اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِیْ ذَنْبِیْ وَ وَسِّعْ لِیْ فِیْ دَارِیْ وَ بَارِکْ لِیْ فِیْ رِزْقِیْ﴾

(السنن الکبریٰ للنسائی، کتاب عمل الیوم واللیلة، باب مایقول اذا توضأ، ج:۶،ص:۲۴)

اے اللہ! میرے گناہوں کو معاف فرما دیجئے اور میرا گھر بڑا بنا دیجئے اور میرے رزق میں برکت عطا فرمائیے۔

وَ وَسِّعْ لِیْ فِیْ دَارِیْ یعنی گھر کو وسیع بنانے کے دو معنی ہیں۔ ایک تو یہ کہ ظاہری طور پر بڑا گھر ہوجائے اور دوسرے یہ کہ ہمارے گناہوں کو معاف فرما دیجئے کہ گناہوں سے ہمارے دل میں اندھیرا ہے جس کی وجہ سے سارا عالم ضَاقَتْ عَلَیْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ کا مصداق ہے۔ گنہگار اور مجرم کو سارا عالم تنگ معلوم ہوتا ہے۔

جب سارا عالم اس کو تنگ معلوم ہوتا ہے تو اس کو اپنا گھر کیسے بڑا معلوم ہوگا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں جس سے ناراض ہوتا ہوں تو میری ناراضگی تو عرش پر ہوتی ہے مگر دو علامتوں سے دنیا میں اس کا ظہور ہوتا ہے:

(۱) ضَاقَتْ عَلَیْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ

پوری دنیا اس کو اندھیری لگتی ہے اور اتنی لمبی چوڑی زمین تنگ معلوم ہونے لگتی ہے اس کا جینا جانوروں سے بھی زیادہ بدتر ہوجاتا ہے۔

(۲) وَضَاقَتْ عَلَیْهِمْ اَنْفُسُهُمْ

اور وہ اپنی جان سے بیزار ہوجاتا ہے۔ (محبوبِ الٰہی بننے کا طریقہ، صفحہ:۱۸۔۲۲)

محبوبیت عنداللہ کے دوام کا طریقہ

تو وضو کی دعا کے متعلق اللہ نے مجھے یہ علم عظیم عطا فرمایا کہ مُتَطَهِّرِیْنَ بابِ تفعل سے ہے یعنی تکلیف اُٹھا کر طہارت حاصل کرو، طہارتِ قلبیہ بھی طہارتَ قالبیہ بھی، دل بھی پاک ہو، جسم بھی پاک ہو، تو

اس کا فائدہ کیا ملے گا؟ تم چوبیس گھنٹے اللہ کے محبوب رہو گے۔ یہ نہیں کہ وضو کے وقت یہ دعا پڑھ لی اور نماز کے وقت تک پاک صاف رہے لیکن جب مارکیٹ گئے، کلفٹن گئے، الفنسٹن اسٹریٹ گئے تو نظر خراب کر لی اور تمہاری طہارت متأثر ہوگئی تو جب طہارتِ باطنی سے اور توبہ کی برکت سے محبوبیت میں جو جگہ ملی تھی جب بھی توبہ کے دائرہ سے اور طہارت کے دائرہ سے خروج اختیار کرو گے دائرۂ محبوبیت سے بھی تمہارا خروج ہو جائے گا، اس وقت گناہ کی حالت میں تم اللہ کے پیارے نہیں رہو گے۔ دیکھا آپ نے طہارت اور توبہ کا یُحِبُّ سے کیا جوڑ لگا کہ اللہ تعالیٰ تم کو محبوب رکھتے ہیں جب تک تم دائرۂ توبہ سے اور دائرۂ طہارت سے خروج اختیار نہیں کرتے اور اللہ تعالیٰ نے مضارع استعمال فرمایا جو حال اور استقبال کے لیے ہوتا ہے یعنی زندگی بھر جب تک تم توبہ کرتے رہو گے تو ہماری محبوبیت سے تمہارا خروج اور (Exit) نہیں ہوگا۔ کیونکہ ساؤتھ افریقہ کے علماء بیٹھے ہیں ان کی مادری زبان انگریزی ہے اس لیے تھوڑا سا انگریزی لفظ بول دیتا ہوں۔ تو آپ لوگ بتائیے آپ کیا چاہتے ہیں کہ ہم ہر وقت اللہ کے پیارے رہیں یا کبھی پیارے رہیں اور کبھی غیر پیارے رہیں، یعنی کبھی اللہ کے پیارے رہیں اور کبھی اللہ کے پیار سے محروم رہیں۔ تو جب پیار دائمی چاہتے ہیں تو یہ دونوں صفت اپنے اندر پیدا کر لیجئے۔ (۱) تَوَّابِیْنَ کی اور (۲) مُتَطَهِّرِیْنَ کی۔

مُتَطَهِّرِیْنَ کے بارے میں مفسرین لکھتے ہیں کہ یہاں مراد طہارتِ باطنی اور طہارتِ قلب ہے کیوں کہ اصل طہارت یہ ہے کہ غیر اللہ سے ہمارا فاصلہ رہے، کسی طرح سے بھی ہمارا قلب ایک اعشاریہ، ایک ڈگری بھی اللہ سے نہ ہٹے۔ جہاں ہٹنے کا اثر محسوس ہونے لگے اور دیکھے کہ کسی حسین کی طرف دل جھکا جا رہا ہے وہاں سے راہِ فرار اختیار کرو۔ جب تک اس کے ٹارگٹ اور اس کے محاذات سے آگے نہیں بڑھو گے تمہارے قلب کا قبلہ صحیح نہیں رہے گا۔ یہ فَفِرُّوْا اِلَی اللّٰہِ کی تفسیر ہے کہ غیر اللہ سے بھاگو اور غیر اللہ سے ہر وہ چیز مراد ہے جس سے آپ کے قلب کا قبلہ متأثر ہو اور ایک اعشاریہ بھی اللہ سے دور ہو۔ جو دل اللہ تعالیٰ سے ایک اعشاریہ بھی دور نہ ہوگا ایسے دل کو اپنی ذاتِ پاک سے، اللہ تعالیٰ ایسے چپٹا لیں گے کہ سارا عالم اسے ایک اعشاریہ اپنی طرف مائل نہ کر سکے گا۔ بتاؤ یہ علمِ عظیم پیش کر رہا ہوں یا نہیں؟ جس کی قسمت میں اللہ کی محبت ہوتی ہے وہ اپنے شیخ کی باتوں کو عظمت و محبت سے سنتا ہے۔

استغفار اور توبہ کا فرق

توبہ کے متعلق ایک ضمنی سوال ہے کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ استغفار کرو، بعض بزرگ کہتے ہیں کہ توبہ کرو۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے دونوں ہی حکم دیئے ہیں کہ استغفار بھی کرو اور توبہ بھی کرو۔ سوال یہ ہے کہ توبہ اور استغفار ایک ہی چیز ہے یا دونوں میں فرق ہے؟ بتائیے کیسا سوال ہے۔ عام مسلمان اور عام

امتی اس کو ایک ہی سمجھتا ہے لیکن یہ ایک نہیں ہے۔ دونوں الگ الگ چیزیں ہیں۔ میں ان شاء اللہ کوئی چیز بلا دلیل نہیں پیش کروں گا۔ اس فقیر پر اللہ پاک کا کرم ہے، میرے اوپر اللہ کے کرم کا آفتاب ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اِسۡتَغۡفِرُوۡا رَبَّکُمۡ اپنے رب سے استغفار کرو، مغفرت مانگو ثُمَّ تُوۡبُوۡا اِلَیۡہِ پھر توبہ بھی کرو۔ اگر توبہ و استغفار ایک ہی چیز ہے تو عطف کیوں داخل ہوا کیونکہ عطف کا داخل ہونا معطوف الیہ اور معطوف میں مغایرت کی دلیل ہے۔ اگر یہ ایک ہی چیز ہوتی تو عطف داخل ہی نہ ہوتا۔ علامہ آلوسی تفسیر روح المعانی میں فرماتے ہیں کہ یہاں حرف عطف ثم کا نازل ہونا دلیل ہے کہ استغفار الگ چیز ہے اور توبہ الگ چیز ہے کیونکہ عطف کا قاعدہ کلیہ ہے کہ معطوف الیہ اور معطوف میں مغایرت لازم ہے۔ جیسے ایک آدمی کہے کہ روٹی اور سالن لاؤ اور وہ خالی روٹی لاتا ہے۔ آپ نے پوچھا کہ سالن کیوں نہیں لائے تو کہتا ہے کہ روٹی اور سالن ایک چیزیں ہیں تو آپ کہیں گے کہ اگر ایک چیز تھی تو روٹی کے بعد اور کیوں لگایا، یہ حرف عطف مغایرت کو لازم کر رہا ہے۔ معلوم ہوا کہ روٹی اور سالن الگ الگ چیز ہے۔ لیجئے اردو میں بھی عربی نحو کا قاعدہ لگا دیا۔

اسی طرح استغفار اور توبہ ایک چیز نہیں ہے۔ تو استغفار اور توبہ میں کیا فرق ہے؟ استغفار کہتے ہیں کہ جن گناہوں کی وجہ سے ہم اللہ سے دور ہو گئے، خدا کے قرب سے محروم ہو گئے اور ہماری حضوری دوری میں تبدیل ہو گئی، منزلِ قرب سے منزلِ غضب میں جا پڑے تو دوری کے غم اور عذاب کی وجہ سے ندامت کے ساتھ اپنی اس نالائقی سے معافی چاہنا یہ استغفار کا مفہوم ہے کہ آہ گناہ کر کے ہم اپنے اللہ سے کیوں دور ہوئے، نہ ہم گناہ کرتے نہ قرب سے محروم ہوتے۔ معلوم ہوا کہ ماضی کے گناہوں پر ندامت سے معافی مانگنے کا نام استغفار ہے اور توبہ کیا ہے؟ توبہ کے معنی رجوع الی اللہ کے ہیں۔ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے مرقاۃ میں لکھا ہے جو مشکوٰۃ کی عربی زبان میں شرح ہے گیارہ جلدوں میں کہ تَوَّابُوۡنَ کے معنی رَجَّاعُوۡنَ کے ہیں یعنی کثیر الرجوع الی اللہ جس کا ترجمہ میرے قلب کو اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا کہ گناہ سے تم اللہ سے جتنی دور ہو گئے تھے پھر اپنے اللہ کے پاس واپس آجاؤ، اپنے مرکز اور مستقر سے بھاگ گئے تھے پھر منزلِ جاناں پر آجاؤ، منزلِ محبوب پر آجاؤ، پھر منزل مولیٰ پر آجاؤ، پھر اپنے قلب کو اللہ کے قدموں میں ڈال دو۔ خلاصہ یہ ہے کہ توبہ نام ہے اللہ کے پاس واپس لوٹ آنا، گناہوں کی وجہ سے جس مقامِ قرب سے بندے دور ہو گئے تھے پھر اسی مقام پر واپس لوٹ آنا۔ رجوع الی اللہ کا نام توبہ ہے کہ گناہوں سے دوری کو ندامت کے ساتھ حضوری سے بدل کر یہ عزم کرنا کہ اے اللہ آئندہ کبھی آپ کو ناراض نہیں کریں گے، آئندہ کبھی آپ سے دور نہیں ہوں گے، آپ کے دامنِ رحمت سے چپٹ جائیں گے اور آپ کی آغوشِ رحمت میں لپٹ

جائیں گے، آپ کے قدموں میں سر رکھ دیں گے اور آئندہ ہمیشہ تقویٰ سے رہیں گے اور کبھی آپ کو ناراض نہیں کریں گے۔ اس کا نام توبہ ہے۔ اب فرق معلوم ہوگیا؟ استغفار ماضی کی تلافی کرتا ہے اور توبہ عزم علی التقویٰ سے مستقبل روشن کرتا ہے۔

لفظ تَوَّابِیۡنَ کے نزول کی حکمت

اصطلاح میں تَوَّابِیۡنَ کی تین قسمیں ہیں۔ محدثین کی شرح سے پیش کررہا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ توّابین کو محبوب رکھتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ تائبین کیوں نہیں فرمایا۔ جواب یہ ہے کہ جب تم کثیر الخطا ہو تو تم کو کثیر التوبہ ہونا چاہیے، جب تمہارا بخار تیز ہے تو جیسا مرض ویسی دوا۔ جب تم نے خطائیں زیادہ کی ہیں تو زیادہ توبہ کرنے میں تم کو کیا رکاوٹ ہے۔ اسی لیے فرمایا کہ میں محبوب رکھتا ہوں کثرت سے توبہ کرنے والوں کو کیونکہ جو کثیر الرجوع نہیں ہیں وہ ہماری جدائی کا احساس بھی زیادہ نہیں رکھتے، وہ ہم سے کچھ فاصلے بھی رکھتے ہیں۔ اسی لیے پریشانی میں ہیں اور اسی لیے جلدی توبہ بھی نہیں کرتے کہ دو چار گناہ اور کرلیں، ہر بس اسٹاپ پر گناہ کے مزے لوٹ کر جائیں، پھر شام کو گھر آکر توبہ کرلیں گے کیوں کہ اگر ایک اسٹاپ پر توبہ کرلیں گے تو اگلے اسٹاپ پر مزہ کیسے ملے گا۔ بتاؤ یہ کس قدر کمینہ پن ہے اور تصوف کی روح ہی نہیں ہے اس ظالم کے اندر۔ یہ حق تعالیٰ کی جدائی پر صبر کرنے والا، حرام لذت سے مزے اُڑانے والا، بہت ہی نامناسب مزاج رکھنے والا غیر شریفانہ ذوق رکھتا ہے۔

ولایتِ عامہ اور ولایتِ خاصہ

اب رجوع الی اللہ کی تین قسمیں ہیں اور جب شانِ محبوبیت ہماری توبہ یعنی رجوع الی اللہ سے متعلق ہے تو محبوبیت کی بھی تین قسمیں ہو جائیں گی، اللہ کے پیاروں کی تین قسمیں ہو جائیں گی۔ ایک عوامی پیار، کہ اللہ ہر مومن کو پیار دیتا ہے۔ جیسے فرمایا:

﴿اَللّٰہُ وَلِیُّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا﴾

(سورۃ البقرۃ، اٰیۃ: ۲۵۷)

اللہ ہر ولی کو پیار کرتا ہے، ہر مومن کا ولی ہے۔ مگر یہ ولایتِ عامہ ہے۔ جو تقویٰ سے رہتے ہیں وہ خاص ولی ہیں، ان کی دوستی کا معیار بلند ہوجاتا ہے، مومن متقی ولی خاص ہوتا ہے لیکن ہر مومن کو ولی فرمایا اگرچہ گنہگار ہو مگر میرے دائرۂ دوستی سے خارج نہیں ہے، بوجہ کلمہ اور ایمان کے کچھ نہ کچھ دوستی یعنی ولایتِ عامہ تو حاصل ہے۔ اَللّٰہُ وَلِیُّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا میں تقویٰ شامل نہیں ہے۔ ولایتِ خاصہ تقویٰ پر موقوف ہے جس کی دلیل ہے:

﴿ اَلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ کَانُوۡا یَتَّقُوۡنَ ﴾
(سورۃ یونس،اٰیۃ:۶۳)

اور فرمایا:

﴿ اَللّٰہُ وَلِیُّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا یُخۡرِجُھُمۡ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوۡرِ ﴾
(سورۃ البقرۃ،اٰیۃ:۲۵۷)

فرماتے ہیں میری ولایت اور دوستی کا معیار اور علامت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو اندھیروں سے نکالتا رہتا ہے فی الحال بھی اور مستقبل میں بھی۔ظلمات جمع ہے اور نور واحد ہے۔اللہ تعالیٰ نے اندھیرے کو جمع اور نور کو مفرد کیوں نازل فرمایا اس کی وجہ علامہ آلوسی سید محمود بغدادی رحمۃ اللہ علیہ روح المعانی میں فرماتے ہیں جَمَعَ الظُّلُمَاتِ لِتَعَدُّدِ فُنُوۡنِ الضَّلاَلِ ظلمات کو جمع نازل فرمایا کیونکہ گمراہی کی بہت قسمیں ہیں۔کفر کی گمراہی اور ہے فسق کی گمراہی اور ہے، زِنا کی اور ہے، بدنظری کی اور ہے،تکبر کی اور ہے۔پس چونکہ گمراہی کی بے شمار طرحیں اور اقسام ہیں اس لیے اللہ تعالیٰ نے ظلمات کو جمع نازل فرمایا اور نور کو واحد نازل فرمایا لوحدۃ الحق کیونکہ حق ایک ہوتا ہے۔

جتنی تَوَّابُوۡنَ کی قسمیں ہوں گی توبہ کی بھی اتنی ہی قسمیں ہیں اور اتنی ہی محبوبیت کی قسمیں لازمی ہوجائیں گی۔تو اب سنئے توبہ کی تین قسمیں ہیں:

(۱) تَوۡبَۃُ الۡعَوَامِ
(۲) تَوۡبَۃُ الۡخَوَاصِ
(۳)تَوۡبَۃُ اَخَصِّ الۡخَوَاصِ

تو اللہ تعالیٰ کی محبوبیت کی بھی تین قسمیں ہوجائیں گی:

(۱)محبوبیت عامہ سے محبوب عام
(۲)محبوب خاص
(۳)محبوب اخص الخواص

یعنی اللہ کا پیار عوامی والا اور اللہ کا پیار علی الخواص اور اللہ کا پیار اخص الخواص والا یعنی اللہ کے پیارے پھر خاص پیارے پھر خاص میں بھی اخص الخواص۔آپ لوگ اللہ تعالیٰ کا کون سا پیار چاہتے ہیں اخص الخواص والا،سب سے اعلیٰ والا یا یونہی معمولی؟ دیکھو ایک دن مرنا ہے۔اگر اعلیٰ درجہ کے پیار کو نہیں پاؤ گے تو پچھتانا پڑے گا۔

۱۔**توبہ کی پہلی قسم**:توبہ کی پہلی قسم کا نام ہے اَلرُّجُوۡعُ مِنَ الۡمَعۡصِیَۃِ اِلَی الطَّاعَۃِ توبہ عوام

یہ ہے کہ گناہ چھوڑ دے اور اللہ کی فرماں برداری میں لگ جائے۔ تشکر اور تکبر میں تضاد ہے۔ تشکر کریں گے تو اللہ کا قرب ملے گا۔ تکبر سے بُعد ہوتا ہے اور تشکر سے قرب ہوتا ہے اور بُعد اور قرب میں تضاد ہے اور اجتماعِ ضدین محال ہے۔ تکبر ہمیشہ ظالم اور احمق کو ہوتا ہے جو اللہ کا شکر ادا نہیں کرتا اللہ سے نظر ہٹ کر اپنی صفت پر اس کی نظر آجاتی ہے۔ شکر سے اللہ کی صفتِ قرب اس کو عطا ہو تو ناممکن ہے کہ اس میں تکبر بھی آجائے چونکہ تکبر نام ہے بندہ کا اپنے مولیٰ سے غافل ہو کر اپنی کسی صفت پر نظر کرنا کہ میں ایسا ہوں اس لیے دوسروں سے برتر ہوں۔ جیسے ایک شخص دعویٰ کرتا ہے کہ آپ میرے محبوب ہیں اور میں آپ کے حسن و جمال پر فدا ہوں۔ اس کے بعد پھر آئینہ لے کر کہتا ہے کہ آپ کا تمام حسن و جمال اور شانِ کمال تسلیم مگر واہ رے میری ناک اور واہ رے میرا کتابی چہرہ اور واہ رے میری پتلی کمر جو ؎

کہاں ہے کس طرف ہے اور کدھر ہے

کا مصداق ہے۔ ایسے عاشق کو محبوب بھی ایک جوتا مارے گا، کہے گا کہ تم مجھ پر عاشق ہو تو میری خوبیوں سے نظر ہٹا کر اپنی خوبی کیوں دیکھتے ہو؟ تو مولیٰ سے نظر ہٹا کر اپنی خوبی دیکھنے والا احمق ہے اور احمق ہمیشہ متکبر ہوتا ہے۔

تو عوام کی توبہ کا نام ہے **اَلرُّجُوْعُ مِنَ الْمَعْصِیَةِ اِلَی الطَّاعَةِ** جو گناہوں کو چھوڑ کر فرماں بردار ہو گئے اور ان کی توبہ سے اللہ نے ان کو محبوب بنالیا یہ توبۃ العوام ہے پس جو توبۃ العوام تک رہے گا اس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے عام لوگوں والا پیار اور محبت ملے گی۔

۲۔**توبہ کی دوسری قسم**: اس کے بعد توبہ الخواص ہے۔ وہ ہے **اَلرُّجُوْعُ مِنَ الْغَفْلَةِ اِلَی الذِّکْرِ** یعنی فرماں بردار تو پہلے ہی تھے مگر اپنے شیخ کا بتایا ہوا ذکر و تلاوت سب بھول گئے تھے لیکن پھر چونکے اور دوبارہ اللہ کو یاد کرنا شروع کر دیا۔ ذکر کی قضا نہیں ہے ندامت کافی ہے۔ ذکر چھوٹ گیا تو اب پھر شروع کر دو، اللہ کی یاد سے پھر جان میں جان آجائے گی ؎

مدت کے بعد پھر تیری یادوں کا سلسلہ
اک جسمِ ناتواں کو توانائی دے گیا

اللہ کے ذکر کا ناغہ روح کا فاقہ ہے۔ اس بات کو یاد رکھو۔ میں نے جن کو سو بار ذکر بتایا اگر کسی دن بہت تھک گئے ہو تو دس دفعہ ہی لا الٰہ الا اللہ پڑھ لو اور دس مرتبہ اللہ اللہ کرلو۔ آپ کہیں گے دس سے کیا ہوگا۔ ایک پر دس کا وعدہ ہے آپ کا سو پورا ہو جائے گا۔

ایک صاحب نے لکھا کہ میں حسینوں کو دیکھ کر اللہ کی معرفت حاصل کرتا ہوں کہ واہ رے اللہ کیا

شان ہے آپ کی ! لہٰذا دنیا کے جتنے حسین ہیں یہ سب آئینۂ جمالِ خداوندی ہیں ان کے آئینہ میں اللہ کا جمال دیکھتا ہوں۔حکیم الامت نے کیا جواب لکھا کہ آئینہ ہونا تسلیم مگر یہ آتشی آئینے ہیں جل کر خاک ہوجاؤ گے، نہ تم رہو گے نہ تمہارا ایمان رہے گا۔لہٰذا تقویٰ سے رہو۔(محبوبِ الٰہی بننے کا طریقہ،صفحہ:۲۵۔۳۵)

آخر میں سب سے پیارا درجہ اخص الخواص کا ہے جن کو اولیائے صدیقین کہتے ہیں۔تو اخص الخواص کی توبہ کیا ہے:

۳۔**توبہ کی تیسری قسم**:اَلرُّجُوْعُ مِنَ الْغَیْبَۃِ اِلَی الْحُضُوْرِ جو ایک لمحہ اپنے دل کو اللہ سے غائب نہ ہونے دے، ہر وقت قلب کو اللہ کے سامنے رکھے۔ جب اِدھر اُدھر ہو فوراً ٹھیک کر لے۔ان کا رجوع گناہ سے نہیں ہوتا، گناہ سے تو وہ عموماً محفوظ کر دیئے جاتے ہیں بس کبھی دل پر کچھ غبار سا، کچھ حجاب سا آ گیا اس غبار کو ہٹا کر وہ دل کو اللہ تعالیٰ کے محاذات میں لے آتے ہیں۔

توبہ کے معنی ہیں رجوع کرنا۔رجوع کے لفظ کا اطلاق جب ہوتا ہے جب کوئی اپنے گھر سے باہر نکل جائے پھر لوٹ آئے تو اللہ کے قرب کی منزل سے دور ہونا لیکن پھر نادِم ہو کر منزلِ قرب پر واپس لوٹ آنا اس کا نام رجوع الی اللہ ہے،توبہ ہے۔معلوم ہوا کہ توبہ کی فرضیت اس بات کو ثابت کرتی ہے کہ کبھی کبھی اللہ کے قرب سے ہمارا خروج ہوگا، شیطان و نفس کبھی ہم کو اللہ سے دور کر دیں گے لہٰذا جلد لوٹ آؤ۔اب اس لوٹنے کی تین قسمیں ہیں جو ابھی بیان ہو گئیں۔اللہ کی طرف سے جیسا جس پر یُحِبُّ کا ظہور ہوگا ویسی ہی اس کی توبہ ہوگی۔عوام پر اللہ کی شانِ محبوبیت عام ہے، خاص پر خاص ہے اخص الخواص پر اعلیٰ درجہ کی محبوبیت اور پیار ہے جس پر میں نے ایک شعر بھی کہا ہے ؎

از لبِ نادیدہ صد بوسہ رسید
من چہ گویم روح چہ لذت چشید

اللہ تعالیٰ کے عاشق اپنی نظر کو حسینوں سے بچا کر زخمِ حسرت کھاتے ہیں اور خونِ آرزو کرتے ہیں اس مجاہدہ کی برکت سے ان کی جان اللہ کے پیار کی وہ لذت محسوس کرتی ہے جس کو بیان نہیں کیا جا سکتا۔لیکن یہ وہی لوگ ہیں جو حوصلے میں ہیجڑے اور مخنث نہیں ہوتے۔اپنے بازِ شاہی سے شاہ بازی سیکھتے ہیں، اور بازِ شاہی کون ہے؟ شیخ ہے۔اس سے شاہ بازی سیکھتے ہیں، حسینوں کے محاذات سے ہٹ جاتے ہیں، دیکھنا تو درکنار اس کے ٹارگٹ اور محاذات میں نہیں رہتے کیونکہ میگنٹ ادھر بھی ہے، اس کے سامنے رہیں گے تو اندیشہ ہے کہ کھنچ جائیں گے ایک میگنٹ دوسرے کو کھینچتا ہے لہٰذا فوراً اس کے ٹارگٹ اور محاذات سے آگے بڑھ جاؤ، ہٹ جاؤ۔اٹھنی اور میگنٹ کو سامنے کرو تو اٹھنی پھنستی جاتی ہے اور اگر زیادہ نزدیک کیا تو میگنٹ سے چپٹ

جاتی ہے لیکن اگر اس اٹھنی کو جلدی سے گذار دو تو میگنٹ کے دائرۂ کشش سے اس کا خروج ہو گیا اب اس سے نقصان کم ہو گا۔ جب کوئی حسین سامنے آئے تو اللہ تعالیٰ نے سکھایا ہے **فَفِرُّوْا اِلَی اللّٰہِ** آہستہ مت چلو اللہ کے پاس بھاگ کر جاؤ مگر کتنا بھاگو؟ اتنا بھاگو کہ اللہ کو دل میں پا جاؤ، مولیٰ کے پاس جا کر لپٹ جاؤ، سجدے میں پڑ جاؤ۔ اللہ ایسا پیارا ہے جو اُن سے چپٹتا ہے سارا عالم اسے لپٹاتا ہے۔ دیکھو اگر کوئی پانی میں کرنٹ چھوڑ دے تو اس پانی کو مت چھوؤ۔ کرنٹ لگ جائے گا لیکن اللہ والوں سے مصافحہ کرنے سے مت ڈرو۔ ان پر اللہ کی معیت کی بجلی ہے۔ یہ وہ کرنٹ ہے جو حیات عطا کرتا ہے، دنیا کا کرنٹ موت دیتا ہے، دنیاوی بجلی کا اگر کرنٹ لگ جائے تو موت آتی ہے لیکن اللہ والوں پر جو جذب کی تجلی ہے ان سے مصافحہ کرنا، ان کے پاس بیٹھنا ان کو دیکھنا ان شاء اللہ ضرور جذب کا ذریعہ ہو جائے گا۔ مولانا رومی فرماتے ہیں کہ سیب کی منڈی میں سیب مت خریدو، باغ میں چلے جاؤ۔ منڈی میں خراب سیب بھی ہوتے ہیں لیکن باغ میں تازہ سیب ملیں گے۔ باغ میں سوتے بھی رہو گے تو سیب کی خوشبو سے ہی دماغ تازہ ہو جائے گا۔ یہ اللہ والے اللہ کی محبت کے باغ ہیں۔ اللہ والوں کے یہاں پڑے ہوئے سوتے بھی رہو تو اللہ والوں کا نور ہوا کے ذریعہ تمہارے اندر جاتا رہے گا۔ اس لیے بڑے بڑے عبادت گذار اس مقام تک نہیں پہنچے جو اللہ والوں کی صحبت میں رہنے والوں کو مل گیا۔ حاجی امداد اللہ صاحب ہمارے دادا پیر فرماتے ہیں کہ مولانا رومی کو سو برس کی تہجد سے وہ قرب نہ ملتا جو چند دن شمس تبریزی کے پاس بیٹھنے سے مل گیا۔ دوسرے یہ کہ اب کوئی قیامت تک صحابی نہیں ہوسکتا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدا دیدہ آنکھوں کی پیغمبرانہ نسبت سے، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اتنے بڑے ہائی پاور بلب تھے کہ اب قیامت تک کسی کو ویسا بلب نہیں مل سکتا۔ جو شخص ایک کروڑ پاور کا بلب دیکھ لے اور بلب بھی ایسا کہ اس جیسا قیامت تک دوسرا بلب نہ پیدا ہو تو اس بلب کے دیکھنے والوں کے برابر بھی کوئی نہیں ہوسکتا لہٰذا قیامت تک کوئی بڑے سے بڑا ولی کسی ادنیٰ صحابی کے برابر بھی نہیں ہوسکتا۔

اللہ تعالیٰ سے دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ہم سب کو وہ دردِ دل عطا فرما دے جو آپ اخص الخصواص کو دیتے ہیں اور اختر اور ہم سب بہت اعلیٰ قسم کی ڈش مانگ رہے ہیں تو اے خدا اخص الخواص اولیائے صدیقین کی جو آخری سرحد ہے ہم سب کو اور پورے عالم کو بلا استحقاق عطا فرما دیں، آمین۔

(محبوبِ الٰہی بننے کا طریقہ، صفحہ: ۳۵۔۳۸)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو ارحم امتی ہیں یعنی امت کے ساتھ سب سے زیادہ رحم دل، انہوں نے یہ روایت بیان کی یعنی حدیث کے پورے مجموعہ میں دو چار روایتیں ہیں صدیق اکبر

رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اوران ہی دو چار روایتوں میں یہ حدیث بھی ہے چونکہ یہ امت پر رحمت کا معاملہ تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ میرے نبی کی امت گناہ کرنے سے مایوس ہو جائے اس لیے بوجہ رحمت حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو بیان فرمایا۔ یہ روایت مشکوٰۃ میں بھی ہے:

﴿مَا اَصَرَّ مَنِ اسْتَغْفَرَ وَ اِنْ عَادَ فِی الْیَوْمِ سَبْعِیْنَ مَرَّۃً﴾

(سنن ابی داؤد، کتابُ الصلوٰۃ، باب فی الاستغفار، ج: ۱، ص: ۲۱۲)

یعنی جو شخص استغفار کرتا رہے، معافی مانگتا رہے، روتا رہے، گڑگڑاتا رہے اور ہمت سے ارادہ کرلے کہ آئندہ گناہ نہیں کرنا ہے تو گنہگاروں میں تو کیا، اس کا شمار گناہ پر اصرار کرنے والوں میں بھی نہیں ہوگا، اگرچہ دن میں ستر مرتبہ اس کی توبہ ٹوٹ جائے۔

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر روح المعانی میں اصرار کی تعریف بیان کی ہے اَ لْاِصْرَارُ الشَّرْعِیُّ الْاِقَامَۃُ عَلَی الْقَبِیْحِ بِدُوْنِ الْاِسْتِغْفَارِ وَ الرُّجُوْعِ بِالتَّوْبَۃِ یعنی برائی پر قائم رہنا اور استغفار وتوبہ نہ کرنا یہ ہے اصرارِ شرعی۔ (خونِ تمنا کا انعام، صفحہ:۳۲)

حدیث نمبر ۴۴

﴿اِنَّ اللہَ عَزَّ وَجَلَّ یَبْسُطُ یَدَہٗ بِاللَّیْلِ لِیَتُوْبَ مُسِیْءُ النَّھَارِ وَ یَبْسُطُ یَدَہٗ بِالنَّھَارِ لِیَتُوْبَ مُسِیْءُ اللَّیْلِ حَتّٰی تَطْلُعَ الشَّمْسُ مِنْ مَّغْرِبِھَا﴾

(صحیح مسلم، کتابُ التوبۃ، باب قبول التوبۃ من الذنوب، ج: ۲، ص: ۳۵۸)

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ کی رحمت رات بھر اپنے ہاتھ پھیلائے رہتی ہے کہ دن کا خطا کار رات کو توبہ کرلے اور دن بھر ہاتھ پھیلائے رہتی ہے کہ رات کا خطا کار دن میں توبہ کرلے اور یہ اس وقت تک ہے جب تک کہ سورج مغرب سے نہ طلوع ہوجائے۔

اللہ کے نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو یہ بشارت دی کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت رات بھر اپنے ہاتھ پھیلائے رہتی ہے کہ دن کا خطا کار رات کو توبہ کرلے اور دن بھر ہاتھ پھیلائے رہتی ہے کہ رات کا خطا کار دن میں توبہ کرلے۔ سبحان اللہ! کیا رحمت ہے آپ کی بندوں پر کہ ایک کروڑ گناہ بھی اگر کوئی کرلے لیکن ندامت کا ایک آنسو بھی نکل آیا، دل میں ندامت پیدا ہوگئی کہ آہ میں نے کیا کیا تو اسی وقت تمام گناہوں کو آپ معاف فرما دیتے ہیں، سو برس کا کافر جو رات دن کفر کر رہا تھا، اگر کلمہ پڑھ لے تو اسی وقت ولی اللہ ہوجاتا ہے۔

میرے شیخ حضرت شاہ عبدالغنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے یہ واقعہ سنایا تھا کہ ایک ہندو نوے برس

تک اپنے بت کو صنم صنم پکار رہا تھا کہ ایک دن غلطی سے اس کے منہ سے صمد نکل گیا تو آواز آئی لبیک یا عبدی میرے بندے میں حاضر ہوں تو اس کافر نے ڈنڈا اٹھایا اور سب بتوں کو توڑ دیا کہ نوے سال تک میں نے تمہیں پکارا اور تم نے کوئی جواب نہیں دیا اور آج غلطی سے مسلمانوں کے خدا کا نام نکل گیا تو فوراً جواب آ گیا کہ لبیک میرے بندے میں موجود ہوں۔ سبحان اللہ! تو عفو کرنے میں آپ بے حد کریم ہیں کہ نوے برس کے کافر کو بھی نہیں بھولتے اور ایک لمحہ میں معاف فرما کر اپنا پیارا بنا لیتے ہیں۔

اور آپ **حی لم یزل** ہیں یعنی زندہ حقیقی ہیں کہ ہمیشہ سے زندہ ہیں اور ہمیشہ زندہ رہیں گے اور آپ کی حیات میں کبھی زوال نہیں آ سکتا بلکہ ہر وقت آپ کی ایک نئی شان ہے:

﴿كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِيْ شَأْنٍ﴾

(سورۃ الرحمٰن، اٰیۃ: ۲۹)

علامہ آلوسی روح المعانی میں اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ یہاں یوم سے مراد وقت ہے، دن مراد نہیں ہے **اَیْ فِیْ کُلِّ وَقْتٍ مِّنَ الْاَوْقَاتِ وَ فِیْ کُلِّ لَحْظَۃٍ مِّنَ اللَّحْظَاتِ وَفِیْ کُلِّ لَمْحَۃٍ مِّنَ اللَّمْحَاتِ** یعنی ہر وقت، ہر لحظہ، ہر لمحہ آپ کی ایک نئی شان ہے۔ پس چونکہ آپ زندہ حقیقی ہیں اس لیے آپ ہی محبوبِ حقیقی ہیں۔ آپ کے علاوہ کوئی اس قابل نہیں کہ اس کو محبوب بنایا جائے کیونکہ اگر آپ کے علاوہ کسی اور کو دل دیا تو ایک دن معلوم ہوا وہ مر گیا اور اس کا جنازہ دفن ہو رہا ہے اب کہاں جاؤ گے اور کس کو دل کا سہارا بناؤ گے کیونکہ جس کو سہارا بنایا تھا وہ تو مر گیا۔ اب کیا اس لاش سے چمٹو گے اور اگر چمٹو گے تو تین دن کے بعد لاش سڑ جائے گی اور مردہ جسم پھول کر پھٹ جائے گا، پھر سب سے پہلے تم ہی اسے دفن کرو گے اور بدبو سے ناک بند کر کے وہاں سے بھاگو گے۔ لہٰذا کہاں مرنے والوں پر مر رہے ہو۔

مرنے والوں سے عشق نہ کرو کہ یہ پائیدار نہیں ہوتا عشق اس زندہ حقیقی سے کرو جو ہمیشہ سے زندہ ہے اور ہمیشہ زندہ رہے گا، جس کو کبھی موت نہیں آئے گی، جو موت و زوال وفنا سے پاک ہے اس سے محبت کرو تو تم بھی زندہ جاوید ہو جاؤ گے۔ جنت میں وہ تمہیں حیاتِ جاودانی عطا کرے گا۔ وہ ایسا زندہ حقیقی ہے جو ازل سے ہے اور ابد تک رہے گا اور **حَیَاۃُ کُلِّ شَیْءٍ بِہٖ مُؤَبَّدًا** ہر شے کی حیات اسی سے قائم ہے اور وہ قیوم بھی ہے یعنی **قَائِمٌ بِذَاتِہٖ وَ یُقَوِّمُ غَیْرَہٗ بِقُدْرَتِہِ الْقَاھِرَۃِ** اپنی ذات سے قائم ہے اور اپنی قدرتِ قاہرہ سے دوسروں کو قائم کیے ہوئے ہے اور کیونکہ اس کی ہر وقت ایک نئی شان ہے لہٰذا اس کے عاشق بھی ہر وقت ایک نئی شان میں رہتے ہیں، ہر لمحہ ان کو ایک نئی حیات عطا ہوتی ہے جس کا دنیوی عشاق تصور بھی نہیں کر سکتے۔ (فغانِ رومی ۳۰۰۔۳۰۴)

حدیث نمبر ۴۵

﴿مَنْ لَّمْ یَسْئَلِ اللّٰہَ یَغْضَبْ عَلَیْہِ﴾

(سننُ الترمذی، کتابُ الدعوات، باب ما جآء فی فضل الدعاء، ج: ۲، ص: ۱۷۵)

ترجمہ: جو شخص اللہ سے نہیں مانگتا تو اللہ تعالیٰ اس پر غصہ ہوتے ہیں۔

اے اللہ! آپ نے قرآن پاک میں فرمایا ہے:

﴿اُدْعُوْنِیْ اَسْتَجِبْ لَکُمْ﴾

(سورۃ غافر، اٰیۃ: ٦٠)

مجھ سے دعا مانگو میں قبول کروں گا اور آپ کے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خبر دی ہے:

﴿مَنْ لَّمْ یَسْئَلِ اللّٰہَ یَغْضَبْ عَلَیْہِ﴾

(سننُ الترمذی، کتابُ الدعوات، باب ما جآء فی فضل الدعاء، ج: ۲، ص: ۱۷۵)

جو اللہ سے نہیں مانگتا اللہ اس سے ناراض ہوتا ہے۔ معلوم ہوا کہ آپ نے دعا کی صرف اجازت ہی نہیں دی بلکہ حکم فرمادیا کہ بندے آپ سے مانگیں۔ اگر آپ حکم نہ دیتے تو ہم خاکی پتلوں کی کیا مجال تھی کہ آپ کے سامنے لب کھول سکتے۔ یہ حکم بھی آپ کی رحمت اور کرم عظیم ہے جس طرح اِتَّقُوا اللّٰہَ کا حکم بھی آپ کا احسان وکرم ہے کہ یہ حکم دے کر آپ نے دراصل اپنے بندوں کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا ہے، آپ نے اپنے غلاموں کو دوستی کی پیشکش کی ہے ورنہ منی اور حیض سے پیدا ہونے والے ناپاک بندے اتنے عظیم الشان مالک سے دوستی کا تصور کرنے کی بھی مجال نہیں کر سکتے تھے کیونکہ دوستی کے لیے کوئی تو قدر مشترک ہونی چاہیے اور آپ کا اے خدا کوئی مثل اور ہمسر نہیں۔ کہاں خالق کہاں مخلوق، کہاں آپ قدیم اور واجب الوجود اور کہاں ہم حادث وفانی۔

چہ نسبت خاک را با عالمِ پاک

ہم تو آپ کی دوستی کا سوچ بھی نہیں سکتے تھے لیکن آپ نے دوستی کی پیشکش فرما کر کرم کے دریا بہا دئے اور ناامیدیوں کے اندھیروں میں امید کا آفتاب طلوع فرمادیا کہ بس تقویٰ کو شرطِ ولایت ٹھہرایا:

﴿اِنْ اَوْلِیَآؤُہٗ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ﴾

(سورۃ الانفال، اٰیۃ: ۳۴)

اسی لیے یٰۤاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ کا عاشقانہ ترجمہ دلالتِ التزامی سے یہی ہے کہ اے ایمان والو تم ہمارے دوست بن جاؤ لہٰذا تقویٰ کا حکم بھی آپ کی عظیم الشان رحمت ہے۔

چوں دعا ما امر کردی اے عجاب
ایں دعائے خویش را کن مستجاب

اے ہمارے بے مثل رب جب آپ نے خود ہم کو دعا مانگنے کا حکم فرمایا ہے تو یہ دلیل ہے کہ آپ ہماری دعاؤں کو قبول فرمانا چاہتے ہیں کیونکہ شاہ جب کسی چیز کو مانگنے کا حکم دے تو یہ دلیل ہے کہ وہ عطا کرنا چاہتا ہے اور باپ جب بچہ سے کہتا ہے معافی مانگ تو یہ دلیل ہے کہ وہ معاف کرنا چاہتا ہے۔ پس حکم دینے کا مطلب یہ ہے کہ ہماری دعا آپ کو مطلوب ہے اور آپ کی رحمتِ واسعہ سے بعید ہے کہ اپنی مطلوب کو آپ ردفرمادیں۔ پس ہماری دعاؤں کو اے کریم قبول فرمالیجئے۔ (فغانِ رومی، صفحہ: ۳۳۸۔۳۴۰)

حدیث نمبر ۴۶

﴿مَا مِنْ عَبْدٍ مُؤْمِنٍ يَخْرُجُ مِنْ عَيْنَيْهِ دُمُوْعٌ وَ اِنْ كَانَ مِثْلَ رَأْسِ الذُّبَابِ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ثُمَّ يُصِيْبُ شَيْئًا مِّنْ حُرِّ وَجْهِهٖ اِلَّا حَرَّمَهُ اللّٰهُ عَلَى النَّارِ﴾

(سنن ابن ماجة، کتابُ الزھد، باب الحزن و البکاء، ص: ۳۰۹)

ترجمہ: اگر کسی بندہ مؤمن کی آنکھوں سے ایک آنسو اللہ تعالیٰ کے خوف نکل آئے خواہ وہ مکھی کے سر کے برابر ہی کیوں نہ ہو، وہ اس کے چہرے پر لگ جائے تو اللہ تعالیٰ اسے دوزخ کی آگ پر حرام کردیتے ہیں۔

سید الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بشارت دی ہے کہ خشیتِ الٰہی سے نکلے ہوئے آنسو قلب کو شفا دینے والے ہیں تَشْفِيَانِ الْقَلْبَ بِذُرُوْفِ الدُّمُوْعِ (جامع صغیر) اور خشیتِ الٰہی سے نکلے ہوئے آنسو کا ایک قطرہ خواہ وہ مکھی کے سر کے برابر ہو دوزخ کی آگ کے حرام ہونے کا ذریعہ ہے یعنی کسی بندۂ مومن کی آنکھوں سے اگر ایک آنسو اللہ کی خشیت سے نکل آئے خواہ مکھی کے سر کے برابر ہو اور اس کے چہرہ پر لگ جائے تو اللہ اس کو دوزخ کی آگ پر حرام کردیتے ہیں اور اپنی خطاؤں پر ندامت کے آنسو نجات کا ذریعہ ہیں:

﴿عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ لَقِيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ مَا النَّجَاةُ فَقَالَ اَمْلِكْ عَلَيْكَ لِسَانَكَ وَلْيَسَعْكَ بَيْتُكَ وَابْكِ عَلٰى خَطِيْئَتِكَ﴾

(مسند احمد. مشکوٰۃ المصابیح، کتابُ الاداب، باب حفظ اللسان، ص: ۴۱۳)

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کیا کہ نجات کا راستہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ اپنی زبان کو قابو میں رکھ اور تیرا گھر تیرے لیے وسیع ہو جائے اور اپنی خطاؤں پر روتے رہو۔ اور ندامت سے رونے والے گنہگاروں کی آواز اللہ تعالیٰ کو تسبیح پڑھنے والوں کی بلند آوازوں سے زیادہ محبوب ہے۔ حدیثِ قدسی میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿لَاَ نِیْنُ الْمُذْنِبِیْنَ اَحَبُّ اِلَیَّ مِنْ زَجَلِ الْمُسَبِّحِیْنَ﴾

(روح المعانی فی تفسیر القراٰن العظیم والسبع المثانی، سورۃ القدر، ج:۳۰، ص:۱۹۶)

گنہگاروں کا گریۂ ندامت مجھے تسبیح پڑھنے والوں کی بلند آوازوں سے زیادہ محبوب ہے ۔

اے جلیل اشکِ گنہگار کے اک قطرہ کو

ہے فضیلت تری تسبیح کے سو دانوں پر

اور تنہائی میں اللہ کے لیے نکلے ہوئے آنسوؤں پر قیامت کے دن سایۂ عرشِ الٰہی کی بشارت ہے:

﴿وَ رَجُلٌ ذَکَرَ اللہَ خَالِیاً فَفَاضَتْ عَیْنَاہُ﴾

(صحیحُ البخاری، کتابُ الاذان،باب من جلس فی المسجد ینتظر الصلوٰۃ، ج:۱،ص:۹۱)

وہ شخص جو تنہائی میں اللہ کو یاد کرے اور اس کی آنکھیں بہہ پڑیں یعنی آنسو جاری ہوجائیں اس کو قیامت کے دن عرش کا سایہ ملے گا۔ اور اللہ کے نزدیک دو محبوب قطروں میں سے ایک محبوب قطرہ وہ آنسو ہے جو اللہ کے خوف سے نکلا ہو اور دوسرا وہ قطرہ خون ہے جو اللہ کے راستہ میں گرا ہو:

﴿لَیْسَ شَیْءٌ اَحَبَّ اِلَی اللہِ مِنْ قَطْرَتَیْنِ وَاَثْرَیْنِ قَطْرَۃِ دُمُوْعٍ مِنْ خَشْیَۃِ اللہِ وَقَطْرَۃِ دَمٍ تُھْرَاقُ فِیْ سَبِیْلِ اللہِ......الخ﴾

(سننُ الترمذی، کتابُ فضل الجھاد عن رسول اللہ ﷺ، ج:۱، ص:۲۹۶)

اللہ تعالیٰ کے نزدیک دو قطروں سے زیادہ کوئی چیز محبوب نہیں، ایک آنسو کا وہ قطرہ جو اللہ کے خوف سے نکلا ہو اور ایک خون کا وہ قطرہ جو اللہ کے راستہ میں بہا ہو۔ سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ سے موسلا دھار برسنے والی بارش کی طرح رونے والی آنکھیں مانگی ہیں:

﴿ اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنِیْ عَیْنَیْنِ ھَطَّالَتَیْنِ تَشْفِیَانِ الْقَلْبَ بِذُرُوْفِ الدُّمُوْعِ مِنْ خَشْیَتِکَ قَبْلَ اَنْ تَکُوْنَ الدُّمُوْعُ دَمًا وَّ الْاَضْرَاسُ جَمْرًا﴾

(الجامع الصغیر للسیوطی، ج:۱، ص:۵۹)

(وفی روایۃٍ تسقیان القلب بذروف الدمع کما فی المناجات المقبول)

اے اللہ! مجھے ایسی آنکھیں عطا فرما جو موسلا دھار اَبر کی طرح برسنے والی ہوں تَسْقِیَانِ الْقَلْبَ جو آنسوؤں سے دل کو سیراب کردیں قبل اس کے کہ دوزخ میں آنسو خون اور ڈاڑھیں انگارے بن جائیں۔ مناجاتِ مقبول میں جو روایت منقول ہے اس میں تَشْفِیَانِ الْقَلْبَ کے بجائے تَسْقِیَانِ الْقَلْبَ ہے۔

غیم ھاطل کے معنیٰ موسلا دھار برسنے والا بادل یعنی موسلا دھار بارش اور **ھطالۃ** مبالغہ کا وزن ہے جو یہاں صفت ہے عینین کی اور عینین عربی قاعدہ سے مؤنث ہے اس لیے اس کی صفت **ھطالۃ** بھی مؤنث استعمال فرمائی گئی۔ سرورِ عالم سید الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بارگاہِ حق میں عرض کرتے ہیں کہ اے

اللہ آپ مجھے ایسی آنکھیں عطا فرمائیے جو ھاطلۃ نہیں ھطالۃ ہوں ھاطلۃ میں بھی موسلا دھار بارش جیسے گریہ کا مفہوم تھا لیکن نبوت کی جانِ عاشق نے اس پر قناعت نہیں فرمائی بلکہ ایسی آنکھیں مانگیں جو ھطالۃ ہوں یعنی موسلا دھار برسنے والے ابر سے بھی زیادہ رونے والی ہوں۔

تو ھطالتین عینین کی صفتِ اولیٰ ہے یعنی اللہ والی آنکھوں کی پہلی صفت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ھطالتین فرمائی کہ وہ موسلا دھار بارش سے بھی زیادہ آنسو برسانے والی ہیں۔اس کے بعد سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آنکھوں کی دوسرے صفت اللہ تعالیٰ سے مانگ رہے ہیں کہ تَشْفِیَانِ الْقَلْبَ بِذُرُوْفِ الدَّمْعِ یا تَسْقِیَانِ الْقَلْبَ بِذُرُوْفِ الدَّمْعِ وہ آنکھیں ایسی ہوں جو بہتے ہوئے آنسوؤں سے دل کو شفا دینے والی ہوں یا بہتے ہوئے آنسوؤں سے دل کو سیراب کر دیں۔صرف وہی آنسو دل کو سیراب کرتے ہیں جو اللہ کی محبت یا اللہ کے خوف سے بہتے ہیں۔معلوم ہوا کہ ہر رونے والی آنکھ دل کو سیراب نہیں کرتی، جو آنسو غیر اللہ کے لیے نکلتے ہیں وہ دل کو سیراب نہیں کرتے بلکہ دل کا ستیاناس کر دیتے ہیں۔

کسی عربی شاعر نے کہا ہے کہ جو آنکھیں آپ کے لیے بیدار نہ ہوں، آپ کے غیروں کے لیے جاگ رہی ہوں وہ آنکھیں اور ان کی بیداری بے کار اور تضیع اوقات ہے اور جو آنسو آپ کی جدائی کے غم کے بجائے مرنے والوں کے لیے بہہ رہے ہوں وہ باطل ہیں۔

تو عینین کی صفتِ ثانیہ یعنی اللہ والی آنکھوں کی دوسری صفت تَسْقِیَانِ الْقَلْبَ بِذُرُوْفِ الدَّمْعِ فرما کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اخلاص کے آنسو مانگے ہیں کہ صرف وہی دل کو سیراب کرتے ہیں۔

اور عینین کی صفتِ ثالثہ یعنی آنکھوں کی تیسری صفت سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مانگ رہے ہیں قَبْلَ اَنْ تَکُوْنَ الدُّمُوْعُ دَمًا وَّ الْاَضْرَاسُ جَمْرًا کہ اے اللہ! رونے کی یہ توفیق اسی حیاتِ دنیا میں عطا فرما دیجیے قبل اس کے کہ دوزخ میں یہ آنسو خون اور ڈاڑھیں انگارے بن جائیں کیونکہ دوزخ میں دوزخی خون کے آنسو روئے گا لیکن وہ آنسو کسی کام کے نہ ہوں گے کہ وہ تو عذاب کے آنسو ہوں گے۔پس مبارک وہ آنسو ہیں جو اسی دنیا کی زندگی میں اللہ کے لیے بہہ جائیں کہ اللہ تعالیٰ کے پیار کا اور عذابِ جہنم سے حفاظت کا ذریعہ ہیں۔

اور قَبْلَ اَنْ تَکُوْنَ الدُّمُوْعُ دَمًا وَّ الْاَضْرَاسُ جَمْرًا ظرف ہے اور ہر ظرف مظروف کے لیے بمنزلہ قید ہوتا ہے اور قید بمنزلہ صفت ہوتی ہے پس یہ نحوی صفت تو نہیں ہے لیکن معنوی صفت ہے۔اس لیے اس کو عَیْنَیْنِ کی صفتِ ثالثہ قرار دینا صحیح ہے۔

جب احقر معارفِ مثنوی لکھ رہا تھا یہ خاص شرح اس وقت اللہ تعالیٰ نے اپنے کرم سے عطا

فرمائی۔ فالحمد للہ رب العالمین۔ (فغانِ رومی، صفحہ: ۳۴۱۔۳۴۹)

تشریح حدیثِ بالا بعنوانِ دِگر

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک دو قطروں سے زیادہ کوئی قطرہ پسند نہیں ایک آنسو کا قطرہ جو اللہ کے خوف سے نکلا ہو دوسرا خون کا قطرہ جو اللہ کے راستے میں نکلا ہو غالباً اسی حدیث کے پیش نظر مولانا رومی نے فرمایا۔

کہ برابر میکند شاہِ مجید
اشک را در وزن باخونِ شہید

اللہ تعالیٰ گنہگار بندوں کے آہ و نالوں کے وقت نکلے ہوئے آنسوؤں کو شہیدوں کے خون کے برابر وزن کرتے ہیں۔

میرے بزرگو اور دوستو! بے حساب مغفرت اور عرش کے سائے کا نسخہ بھی حق تعالیٰ کے خوف سے تنہائی میں رونا ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے دریافت کیا یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! کیا آپ کی اُمت میں کوئی ایسا بھی ہے جو بے حساب کتاب جنت میں داخل ہوگا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں! جو اپنے گناہوں کو یاد کر کے روتا ہے۔

بخاری شریف میں باب من جلس فی المسجد ینتظر الصلوٰۃ و فضل المساجد کے ذیل میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ حدیث تحریر فرمائی ہے:

﴿سَبۡعَۃٌ یُظِلُّھُمُ اللہُ فِیۡ ظِلِّہٖ یَوۡمَ لَاظِلَّ اِلَّا ظِلُّہٗ﴾

(صحیحُ البخاری، کتابُ الاذان، باب من جلس فی المسجد ینتظر الصلوٰۃ، ج: ۱، ص: ۹۱)

قیامت کے دن سات (قسم کے) آدمی ایسے ہوں گے جن کو حق تعالیٰ شانہ عرش کا سایہ عطا فرمائیں گے۔ ان میں ایک شخص وہ ہوگا:

﴿وَ رَجُلٌ ذَکَرَ اللہَ خَالِیاً فَفَاضَتۡ عَیۡنَاہُ﴾

(صحیحُ البخاری، کتابُ الاذان، باب من جلس فی المسجد ینتظر الصلوٰۃ، ج: ۱، ص: ۹۱)

وہ آدمی جو اللہ تعالیٰ کو تنہائی میں یاد کرے اور پھر اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگیں۔

شرح بخاری فتح الباری (ج: ۲، ص: ۱۴۷) میں حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ راجح قول یہاں سایہ سے مراد عرش کا سایہ ہے **فَیُرَجَّحُ اَنَّ الۡمُرَادَ ظِلُّ الۡعَرۡشِ۔ ذَکَرَ اللہَ اَیۡ بِقَلۡبِہٖ**

مِنَ التَّذْکِرَۃِ اَوْ بِلِسَانِہٖ مِنَ الذِّکْرِ ذکر اللہ سے مراد دل میں یاد کرنا اللہ تعالیٰ کو یا زبان سے ذکر کرنا اور خالیاً یعنی تنہائی کی قید اس لیے ہے کہ ریاء سے محفوظ رہے لِاَنَّہٗ یَکُوْنُ اَبْعَدَ مِنَ الرِّیَاءِ وَ الْمُرَادُ خَالِیاً مِّنَ الْاِلْتِفَاتِ اِلٰی غَیْرِ اللہِ وَ لَوْ کَانَ فِیْ مَلَاءٍ یعنی مراد تنہائی سے یہ ہے کہ قلب توجہ الی اللہ رکھے اور غیر اللہ سے خالی ہو اگرچہ مجمع میں ہو۔ اور اس مفہوم کی تائید امام بیہقی کی اس روایت سے ہوتی ہے ذَکَرَ اللہَ بَیْنَ یَدَیْہِ لیکن مطلق تنہائی جہاں کوئی نہ ہو اس مفہوم کی تائید عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ اور حماد بن زید رحمۃ اللہ علیہ کی روایت ذَکَرَ اللہَ فِیْ خَلَاءٍ سے ہوتی ہے اَیْ فِیْ مَوْضِعٍ خَالٍ یعنی بالکل تنہائی ہو کوئی مخلوق نہ ہو اور حافظ عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ھِیَ الْاَصَحُّ یہی زیادہ صحیح ہے۔ احقر عرض کرتا ہے کہ اہل محبت کو ذوقاً بھی یہی خلوت محبوب ہے۔ (روح کی بیماریاں اور ان کا علاج، حصہ دوم، صفحہ:۵۵۔۵۸)

حدیث نمبر ۴۷

﴿اَللّٰھُمَّ لَا تُخْزِنِیْ فَاِنَّکَ بِیْ عَالِمٌ وَلَا تُعَذِّبْنِیْ فَاِنَّکَ عَلَیَّ قَادِرٌ﴾

(کنزُ العمّال)

ترجمہ: اے اللہ! مجھے رسوا نہ کیجئے کہ یقیناً آپ مجھے خوب جانتے ہیں اور مجھے عذاب مت دیجئے کہ یقیناً آپ مجھ پر خوب قادر ہیں۔

سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جو دعا تعلیم فرمائی میرے حق میں اس کو قبول فرمالیجئے اَللّٰھُمَّ لَا تُخْزِنِیْ فَاِنَّکَ بِیْ عَالِمٌ اے اللہ مجھے رسوا نہ کیجئے کیونکہ آپ مجھے خوب جانتے ہیں، میری تمام نالائقیوں کا آپ کو علم ہے اس لیے مجھے رسوا کرنا آپ کو کچھ مشکل نہیں وَلَا تُعَذِّبْنِیْ فَاِنَّکَ عَلَیَّ قَادِرٌ اور مجھے عذاب نہ دیجئے کہ میں پوری طرح آپ کی قدرتِ قاہرہ غالبہ کاملہ کے تحت ہوں، جو پوری طرح قدرت میں ہو اس کو عذاب دینا قادرِ مطلق کو کیا مشکل ہے لیکن آپ کریم ہیں اپنے کرم کے صدقہ میں اس بندۂ عاجز اور مغلوب کو رُسوا بھی نہ کیجئے اور عذاب بھی نہ دیجئے۔ لہٰذا اے خدا! میری مدد فرمائیے اور نفس و شیطان کی مکاریوں سے اور ان کی چالوں اور دھوکوں سے مجھے بچا لیجئے کہ نفس و شیطان مجھے مغلوب نہ کرسکیں۔ اَللّٰھُمَّ وَاقِیَۃً کَوَاقِیَۃِ الْوَلِیْدِ اور میری ایسی حفاظت فرمائیے جیسے ماں اپنے چھوٹے سے بچہ کی حفاظت کرتی ہے کہ اس کے بچہ کو اگر مٹی کھانے کی عادت ہے تو گھر میں جھاڑو لگا کر گھر کو مٹی سے پاک کردیتی ہے اور اگر کوئی دوسرا بچہ چھپا کر مٹی لاتا ہے تو اس کا کسٹم کرتی ہے اور مٹی اس سے چھین کر پھینک دیتی ہے اور ایسے بچہ کو اپنے بچہ کے پاس بھی نہیں آنے دیتی اور اگر بچہ کبھی چھپا کر مٹی منہ میں رکھ لیتا ہے تو

اس کے منہ میں انگلی ڈال کر نکال لیتی ہے اور کبھی نگل لیتا ہے تو اس کو قے کرا دیتی ہے تاکہ کوئی مضر چیز میرے بچہ کو نقصان نہ پہنچا دے۔ تو اے اللہ ماں کی رحمت تو آپ کی رحمت کی ادنیٰ بھیک ہے، ماؤں کو محبت کرنا تو آپ ہی نے سکھایا ہے۔ پس اے خالقِ رحمتِ مادراں! گناہوں سے میری بھی اسی طرح حفاظت فرمائیے کہ اگر میں گناہ کرنا بھی چاہوں تو آپ نہ کرنے دیجئے اور گناہ اور اسبابِ گناہ کو مجھ سے اس طرح دور کر دیجئے جیسے ماں مضر چیزوں کو اپنے چھوٹے بچہ سے دور کر دیتی ہے۔

پس اے کریم! ہمارے گناہوں کو محض اپنے کرم سے معاف فرما دیجئے بلکہ گناہوں کے آثار و نشانات کو بھی محو فرما دیجئے کیونکہ عفو کے معنی ہیں گناہوں کے نشانات اور شہادتوں کو مٹا دینا۔ اے اللہ آپ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب بندہ آپ سے معافی مانگتا ہے اور آپ جب اس کو معاف فرما دیتے ہیں تو آپ گناہ کے چاروں گواہوں کو ختم کر دیتے ہیں، کراماً کاتبین سے اس کے گناہ کو بھلا دیتے ہیں اور اس کے اعمالنامہ سے اس گناہ کو خود مٹا دیتے ہیں اور جس زمین پر اس نے گناہ کیا تھا اس زمین سے بھی گناہ کے آثار کو مٹا دیتے ہیں اور اس کے اعضا جو قیامت کے دن اس کے خلاف گواہی دینے والے تھے ان اعضا کو بھی وہ گناہ بھلا دیتے ہیں حَتّٰی یَلْقَی اللہَ وَلَیْسَ عَلَیْہِ شَاھِدٌ مِنَ اللہِ بِذَنْبٍ یہاں تک وہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملے گا کہ اس کے خلاف کوئی گواہ نہ ہوگا۔

پس اے اللہ! میں آپ سے معافی مانگ رہا ہوں، اپنے جرائم پر نادم ہو کر توبہ کر رہا ہوں آپ اپنے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بشارت کو میرے حق میں قبول فرما لیجئے اور مجھے معاف فرما دیجئے اے کریم۔

اور آپ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں یہ دعا بھی سکھائی اَللّٰھُمَّ اِنَّکَ عَفُوٌّ اور بعض احادیث میں لفظ کَرِیْمٌ کا بھی اضافہ ہے کہ اے اللہ آپ بہت معاف کرنے والے، بڑے کریم ہیں، ناقابلِ معافی اور مستحقِ عذاب کو بھی بوجہ اپنے کرم کے معاف فرما دیتے ہیں اور یہی نہیں کہ صرف معاف فرماتے ہیں بلکہ تُحِبُّ الْعَفْوَ معاف کرنے کو آپ محبوب رکھتے ہیں اس کی شرح محدثین نے یہ کی ہے کہ اَنْتَ تُحِبُّ ظُھُوْرَ صِفَۃِ الْعَفْوِ عَلٰی عِبَادِکَ اپنے بندوں پر اپنی صفتِ عفو و مغفرت کا ظہور آپ کو خود محبوب ہے یعنی اپنے گنہگار بندوں کو معاف کرنا آپ کا محبوب عمل ہے۔ پس آپ کے اس محبوب عمل کے لیے ہم گنہگار اپنے گناہوں پر ندامت و استغفار و توبہ کی گٹھڑی لے کر حاضر ہوئے ہیں فَاعْفُ عَنِّیْ پس ہم کو معاف کر دیجئے کہ آپ کا محبوب عمل ہو جائے گا اور ہمارا بیڑہ پار ہو جائے گا۔ ملا علی قاری ایک حدیث پاک کی شرح میں لکھتے ہیں:

﴿اِنَّ الْمُسْتَغْفِرِیْنَ نُزِّلُوْا مَنْزِلَةَ الْمُتَّقِیْنَ﴾

(مرقاۃ المفاتیح، کتابُ الدعوات، بابُ الاستغفار، ج:۵، ص: ۱۷۱)

گناہوں سے توبہ کرنے والے بھی متقین کے درجہ میں کر دیئے جاتے ہیں۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں اَللّٰھُمَّ لاَ تُعَذِّبْنِیْ فَاِنَّکَ عَلَیَّ قَادِرٌ اے اللہ! مجھے عذاب نہ دیجئے کیونکہ میں تو پوری طرح آپ کے قبضۂ قدرت میں ہوں، آپ سے بچ کر میں کہاں جاسکتا ہوں۔ سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ عنوان ہے جلبِ رحمتِ حق کے لیے جیسے چھوٹا بچہ باپ سے کہتا ہے کہ ابا مجھے نہ ماریئے میں تو آپ کا چھوٹا سا بچہ ہوں، آپ کے قبضہ میں ہوں تو باپ کو اس کی بے بسی پر رحم آجاتا ہے تو سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بھی اُمت کو سکھا دیا کہ اپنے رب سے ایسے ہی کہو تاکہ ان کی رحمت کو جوش آجائے۔

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اے وہ ذات جس کو ہمارے گناہوں سے کوئی نقصان نہیں پہنچتا، اگر وہ سارے عالم کو بخش دے تو اس کے خزانۂ مغفرت میں ایک ذرّہ کمی واقع نہ ہو پس میرے ان گناہوں کو بخش دے جس سے اے اللہ آپ کو کوئی نقصان نہیں پہنچا اور مجھے وہ مغفرت عطا فرمادے جس کی آپ کے یہاں کوئی کمی نہیں ہوتی۔ (فغانِ رومی، صفحہ:۳۶۶۔۳۷۳)

موردِ رحمت چار قسم کے افراد

حدیثِ پاک میں ہے:

﴿لَوْ لاَ رِجَالٌ خُشَّعٌ وَ شُیُوْخٌ رُکَّعٌ وَاَطْفَالٌ رُضَّعٌ وَ بَھَائِمُ رُتَّعٌ لَصَبَبْنَا عَلَیْکُمُ الْعَذَابَ صَبًّا﴾

(تفسیر قرطبی، ج:۲،ص:۱۱۶)

اگر خشوع کرنے والے مرد نہ ہوتے اور کمر جھکے ہوئے بوڑھے نہ ہوتے اور دودھ پیتے بچے نہ ہوتے اور بے زبان جانور نہ ہوتے تو تمہارے اوپر بارش کی طرح عذاب نازل ہوجاتا۔ معلوم ہوا کہ چار قسم کی مخلوق کی وجہ سے ہم لوگ عذابِ الٰہی سے بچے ہوئے ہیں۔ نمبر ایک رِجَالٌ خُشَّعٌ ڈرنے والے مردِ خدا، دودھ پیتے جس کو اَطْفَالٌ رُضَّعٌ کہا گیا ہے، نمبر تین بڑے بوڑھے جنہیں شُیُوْخٌ رُکَّعٌ کہتے ہیں نمبر چار بے زبان جانور جن کو بَھَائِمُ رُتَّعٌ کہتے ہیں۔ آج دیکھو لاکھوں مرغیاں جلا دی گئیں، بے گناہ مخلوق کو زندہ جلا دیا گیا، اللہ تعالیٰ ان بے گناہوں مظلوموں کی آہ سن لے اور ہم پر کوئی ایسا حاکم بنادے جس سے پورے ملک میں امن وامان قائم ہوجائے، علمِ الٰہی میں جس کا نظم وانتظام وصلاحیت ہمارے لیے خیر ہو، آپ بہتر جانتے ہیں، ہم تو آپ سے مانگتے ہیں، اپنی ذات پر بھروسہ مت کرو، ہم جن کو اچھا سمجھتے ہیں دُم اٹھاؤ تو مادّہ نظر آتی ہے ؎

ہر کہ او دم برداشتہ مادہ نظر می آید

اس لیے عرض کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ سے رجوع کرو، اپنے علم پر نازمت کرو، اللہ تعالیٰ کے حوالے کرو کہ

اے خدا اپنے علم کے اعتبار سے ہماری خیر و بہتری کے لیے عالمِ غیب سے اسباب پیدا فرما۔
(نفس کے حملوں سے بچاؤ کے طریقے، صفحہ: ۲۴-۲۵)

رحمتِ حق کو متوجہ کرنے والا عجیب عنوانِ دعا

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قربان جایئے، سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر لاکھوں کروڑوں کروڑوں صلوٰۃ وسلام نازل ہوں، کیسی پیاری دعا سکھا دی **اَللّٰھُمَّ لَا تُخْزِنِیْ فَاِنَّکَ بِیْ عَالِمٌ** اے اللہ! ہم کو ذلیل نہ فرما کہ جس کوٹھڑی میں ہم گناہ کررہے تھے وہاں آپ بھی موجود تھے آپ ہمارے سارے عیوب کو جانتے ہیں لہٰذا اے خدا ہم کو رسوا نہ فرما۔ مخلوق سے تو ہم چھپ لیے لیکن آپ اس وقت بھی موجود تھے جب ہم گناہ کررہے تھے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یہ دعا سکھا رہے ہیں۔ قربان جایئے کیا پیاری دعا ہے **اَللّٰھُمَّ لَا تُخْزِنِیْ فَاِنَّکَ بِیْ عَالِمٌ** پس تحقیق کہ آپ خوب جانتے ہیں جو ہم تنہائیوں میں خلوتوں میں، کوٹھڑیوں، میں حجروں، میں چھپ چھپ کے گناہ کرتے ہیں اے خدا! آپ وہیں ہوتے ہیں اور آپ اپنی قدرتِ قاہرہ کے ساتھ ہمیں دیکھتے ہیں۔ یہ آپ کا کمالِ حلم وکرم ہے کہ جلدی بدلہ نہیں لیتے۔ موقع دیتے ہیں کہ شاید اب توبہ کرلے، شاید اب توبہ کرلے **وَلَا تُعَذِّبْنِیْ فَاِنَّکَ عَلَیَّ قَادِرٌ** اور مجھ کو عذاب نہ دیجیے کیونکہ آپ مجھ پر پوری قدرت رکھتے ہیں۔ (اہل اللہ اور صراطِ مستقیم، صفحہ: ۱۱-۱۲)

حدیثِ بالا کی مزید تشریح

اے اللہ! آپ ہم کو ذلیل اور رُسوا نہ کیجیے۔ کیونکہ آپ ہمارے ہر گناہ سے باخبر ہیں، جب ہم گناہ کرتے ہیں تو آپ موجود ہوتے ہیں اور جب نیکی کرتے ہیں تو بھی موجود رہتے ہیں۔ آپ کبھی غیر موجود ہوتے ہی نہیں۔ **وَھُوَ مَعَکُمْ اَیْنَمَا کُنْتُمْ** کا یہی ترجمہ ہے کہ اے اللہ! آپ اپنے بندوں سے کبھی غیر موجود نہیں ہوتے، مسجد میں بھی آپ ساتھ ہیں، دفتر میں بھی ساتھ ہیں، ہوائی جہاز پر بھی ساتھ ہیں، بحری جہاز پر بھی ساتھ ہیں، شہر میں بھی ساتھ ہیں، جنگل میں بھی ساتھ ہیں، کہیں کوئی ایسی جگہ نہیں ہے جہاں آپ ساتھ نہ ہوں۔ **وَھُوَ مَعَکُمْ** جملۂ اسمیہ ہے اس سے خروج محال ہے۔ اب منطق سنئے کہ **وَھُوَ مَعَکُمْ** جملۂ اسمیہ ہے اور جملۂ اسمیہ دلالت کرتا ہے دوام پر اور دوام دلالت کرتا ہے عدم خروج پر کہ اس حالت سے اس کا خروج نہیں ہوسکتا۔ یعنی بندہ ایک سانس ایسا نہیں لے سکتا کہ خدا اُس کے ساتھ نہ ہو، انسان کا کوئی سانس ایسا نہیں گذر سکتا کہ جس سانس میں **وَھُوَ مَعَکُمْ** سے اس کا خروج اور ایگزٹ (Exit) ہوجائے۔ بتاؤ ایسا رفیق کہاں ملے گا جو زمین کے اوپر بھی اور جو زمین کے نیچے بھی، عالمِ برزخ میں بھی، میدانِ محشر میں بھی اور جنت میں بھی ساتھ ہو، لاؤ ہمارے پیارے اللہ کے سوا کوئی ایسا ساتھی، ایسا رفیق، ایسا مولیٰ جو

کبھی اور کہیں ساتھ نہ چھوڑتا ہو۔

ورنہ جنازہ جب قبر میں اُترتا ہے تو بڑی بڑی عاشق بیویاں زمین کے اوپر رہ جاتی ہیں، مال و دولت و کاروبار اور دفتر اور آفس جس کی وجہ سے اُن کو فش ملتا ہے اور ڈش ملتا ہے، اگر آفس نہ چلے تو فش بھی غائب اور ڈش بھی غائب۔ موت کے وقت آفس اور ڈش سب ساتھ چھوڑ دیتے ہیں یا نہیں؟ یا آفس ساتھ جاتا ہے کہ صاحب جو کاروبار چھوڑ کر جارہے ہیں اس کی ترقی کے لیے وقتاً فوقتاً ہدایت جاری کرتے رہیں گے۔

تو اَللّٰھُمَّ کے معنی ہیں اے اللہ! اور اللہ اسمِ اعظم ہے۔ کیا مطلب؟ کہ میرے اسمِ اعظم کے صدقہ میں بھیک مانگو کہ اَللّٰھُمَّ لاَ تُخْزِنِیْ اے اللہ! مجھے رسوا کرنے کی جو قدرت آپ کو حاصل ہے تو رُسوا نہ کرنے کی بھی آپ کو قدرت ہے۔ ایک طرفہ قدرت پر اللہ تعالیٰ مجبور نہیں ہے کہ ایک قدرت رسوا کرنے کی تو حاصل ہو اور دوسری قدرت رسوا نہ کرنے کی حاصل نہ ہو اور قدرت کی تعریف کیا ہے؟ فلسفہ کا قاعدۂ مسلمہ ہے اور اس پر میں بڑے بڑے ایم ایس اور بڑے سے بڑے سائنسدان کو للکارتا ہوں کہ اپنی سائنس کے زور سے میری اس بات کو ذرا رد کر کے دکھاؤ کہ قدرت ضدین سے متعلق ہوتی ہے یعنی قدرت کہتے ہیں کہ ضدین پر قدرت حاصل ہو، جو کام کر سکتا ہو اس کو نہ بھی کر سکتا ہو اس کا نام قدرت ہے۔ اگر کسی کی گردن ایک طرف کو اکڑ گئی ہے دوسری طرف نہیں مُڑ سکتی تو اس کو کہتے ہیں کہ تشنج ہو گیا ہے، کزاز ہو گیا ہے، ٹٹنس ہو گیا ہے اس کو قدرت نہیں کہتے۔ یہ سب طب کی کتابوں میں مجھ کو پڑھایا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا کرم ہے کہ آج میری طبِ یونانی طبِ ایمانی میں تبدیل ہو رہی ہے۔ تو فلسفے کے قاعدۂ مسلمہ کے مطابق قدرت نام ہے جو ضدین سے متعلق ہو۔ جو کام کر سکتا ہو نہ بھی کر سکتا ہو۔ چنانچہ ایک فلسفہ داں نے حکیم الامت کو لکھا کہ میں جب کسی حسین پر نظر ڈالتا ہوں تو پھر ہٹا نہیں سکتا، میرے اندر طاقت ہٹانے کی نہیں ہوتی۔ حضرت نے لکھا کہ آپ غلط کہتے ہیں۔ اگر آپ دیکھنے کی طاقت رکھتے ہیں تو نہ دیکھنے کی بھی آپ کو طاقت ہے کیونکہ قدرت ضدین سے متعلق ہوتی ہے۔

اَللّٰھُمَّ لاَ تُخْزِنِیْ کی شرح کا دردانگیز عاشقانہ اور نادر عنوان

وہ خالقِ سائنس اور خالقِ فلسفہ اللہ تبارک تعالیٰ اپنے نبی اُمی کو جو کسی مکتب کا پڑھا ہوا نہیں تھا علومِ نبوت عطا فرما رہا ہے کہ آپ اس طریقہ سے اُمت کو سکھایئے مگر کمال ہے شفقت اور رحمت کا کہ اس نبی رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اُمت کی خطاؤں کو خود اوڑھ لیا اور عرض کیا لاَ تُخْزِنِیْ اے خدا! اپنے نبی کو رُسوا نہ کیجیے۔ کیا شانِ رحمت ہے رحمۃ للعلمین کی اور کلامِ نبوت کا کیا کمالِ بلاغت ہے کہ رحمتِ حق کو

جوش دلانے کے لیے امت کی رسوائی کو اپنی رسوائی سے تعبیر کیا ورنہ کیا نبی بھی کہیں رسوا ہوتا ہے؟ نبی تو معصوم ہوتا ہے۔ اور ذلت و رسوائی اس پر ممتنع اور محال ہے، تو یہ سب ہماری تعلیم کے لیے ہے، ہم کو سکھا دیا کہ ایسے مانگو مگر کیا پیارا انداز ہے کہ اپنے غلاموں کو داغدار نہیں ہونے دیا، سب اپنے اوپر اوڑھ لیا کہ اے خدا! ہم کو رسوا نہ کرنا۔ فَاِنَّکَ بِیْ عَالِمٌ کیونکہ آپ کو ہمارے سب گناہوں کا علم ہے۔ جب ہم گناہ کرتے ہیں آپ ہمیں دیکھتے رہتے ہیں۔ نامناسب کا لفظ یاد رکھئے کہ گناہ نام ہی ہے مرضی خدا کے خلاف کام کرنے کا۔ اللہ کی مرضی کے مطابق کھانا پینا اور ہر جائز نعمت کا استعمال حلال ہے۔ تو اس مضمون کا حاصل یہ ہوا کہ اے خدا! آپ ہمیں رسوا نہ کیجئے۔ فَاِنَّکَ بِیْ عَالِمٌ میں فاء تعلیلیہ ہے یعنی بوجہ اس کے کہ آپ کو ہمارے سب گناہوں کا علم تھا، ہے اور ہوتا رہے گا، اس لیے ہمیں رسوا کرنے کا ضابطہ سے آپ کو حق حاصل ہے کہ آپ اپنی رسوا کرنے والی قدرت کو ہم پر نافذ کر دیں، کوئی زمانہ، کوئی وقت، کوئی لمحہ ایسا نہیں کہ ہمیں رسوا کرنے کا قانون اور ضابطہ کی رو سے آپ کو حق حاصل نہ ہو۔ بحقِ ضابطہ ہمیں رسوا کرنے کی آپ کو قدرت ہے جس کی دلیل فَاِنَّکَ بِیْ عَالِمٌ ہے کیونکہ آپ کو ہمارے سارے گناہوں کا علم ہے اور جس کو کسی کے عیوب کا علم ہو جائے وہ جب چاہے اس کو رسوا کر سکتا ہے۔ پس بحقِ ضابطہ اگر آپ ہم کو رُسوا کر دیں تو آپ ظالم نہیں ہوں گے۔ آپ کا عین عدل، عین انصاف، عین قانون اور ضابطہ ہوگا۔

رحمتِ ارحم الراحمین کا کامل نمونہ

مگر حقِ ضابطہ کے بجائے ہم حقِ رابطہ آپ سے مانگتے ہیں کہ آپ وہ ارحم الراحمین ہیں جو مولائے رحمۃ للعلمین ہیں۔ آج زندگی میں پہلی دفعہ اللہ کی رحمت سے اختر اس عنوان سے فریاد کر رہا ہے کہ آپ ارحم الراحمین ہیں مگر آپ کس پیغمبر کے مولیٰ ہیں؟ سید الانبیاء رحمۃ للعلمین کے مولیٰ ارحم الراحمین ہیں۔ یوں تو آپ ہم سب کے مولیٰ ہونے کی نسبت سے، عظیم الشان منسوب الیہ کی نسبت سے بے مثل ارحم الراحمین کی شانِ رحمت کی معرفت میں اضافہ ہوتا ہے کہ آپ اس نبی رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مولیٰ ہیں جو رحمتِ ارحم الراحمین کا مظہرِ اتم ہے، آپ کی رحمت کا کامل نمونہ ہے۔ جس کی شان یہ ہے کہ مکہ کے ظالموں کو، ستانے والوں کو، حالتِ نماز میں آپ پر اونٹ کی اوجھڑی ڈالنے والوں کو، راہ میں کانٹے بچھانے والوں کو، طائف کے بازار میں پتھر مار کر آپ کے سر مبارک کے خونِ مبارک سے نعلین بھرنے والے ظالموں کو فرما دیا کہ لَا تَثْرِیْبَ عَلَیْکُمُ الْیَوْمَ آج کے دن تم سے کوئی انتقام نہیں، جو بھائی یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں کے ساتھ کیا وہی تمہارا بھائی آج تمہارے ساتھ رحمت کا معاملہ کرے گا۔ آہ! بھائی بھی فرما رہے ہیں تو ایسے نبی رحمت کے آپ مولیٰ ہیں! پھر آپ کی رحمت کا کیا ٹھکانہ ہوگا! ہمارے وہم و گمان

سے اور قیل وقال سے آپ کی رحمت بے پایاں بالاتر ہے۔ پس بحقِ ضابطہ ہم مستحق رسوائی ہیں لیکن اے ارحم الراحمین اے مولائے رحمۃ للعلمین ہم آپ سے بحقِ رابطہ، بحقِ رحمت، بحقِ رحمۃ للعلمین فریاد کرتے ہیں کہ ہم رحمۃ للعلمین صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی ہیں اور اس نسبتِ غلامی کا آپ کو واسطہ دیتے ہیں کہ لاَ تُخْزِنِیْ ہمیں رُسوا نہ کیجئے، معاف کر دیجئے، کیونکہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُمت کو جو دعا سکھائی تو اس منفی میں مثبت درخواست پوشیدہ ہے کہ اے خدا! آپ کو ہمیں رُسوا کرنے کی جتنی قدرت ہے اتنی ہی قدرت رُسوا نہ کرنے کی بھی ہے۔ آپ کو دونوں قدرت حاصل ہے۔ چاہیں تو بحقِ ضابطہ آپ ہم کو ذلیل و رُسوا کر دیں کہ سارے عالم کو ہم منہ دِکھانے کے قابل نہ رہیں اور چاہیں تو بحقِ رابطہ، بحقِ رحمت اور بحقِ محبت جو ہمیں پیدا کرنے اور پالنے کی وجہ سے آپ کو ہم سے ہے اپنی اس رسوا کرنے والی قدرت کے قضیہ کا عکس کر دیں اور ہمیں رُسوا نہ کریں کیونکہ ہمیں آپ کے خاص بندوں اور بڑے بڑے علماء نے بتایا ہے کہ فلسفہ کا قاعدہ مسلمہ ہے کہ قدرت ضدین سے متعلق ہوتی ہے یعنی قادر وہ ہے جو ضدین پر قادر ہو کہ جو کام کرسکتا ہو وہ نہ بھی کرسکتا ہو اور جو دوطرفہ قدرت نہ رکھتا ہو وہ مجبور ہوتا ہے اور آپ مجبور نہیں ہیں۔ آپ جس طرح رُسوا کرنے والی صفت کے ظہور پر قادر ہیں اسی طرح اپنی اس صفت کو ظاہر نہ کرنے پر بھی قادر ہیں یعنی آپ کو دونوں پر قدرت ہے۔ آپ ہم کو جتنا رُسوا کرنے کی قدرت رکھتے ہیں اتنا ہی رسوا نہ کرنے کی بھی قدرت رکھتے ہیں۔ لہٰذا اے ارحم الراحمین اپنی رحمت کے صدقہ میں اپنی رسوا کرنے والی صفت ہم پر ظاہر نہ کیجئے بلکہ اس کا ضد اور عکس یعنی رُسوا نہ کرنے والی صفت کا ہم پر ظہور فرما دیجئے۔

ایک بزرگ سے کسی نے کہا کہ ہم نے تم کو نامناسب حالت میں دیکھا ہے۔ اس بزرگ نے کہا کہ تم نے تو میری صرف ایک غلطی دیکھی ہے لیکن میری زندگی میں کتنے گناہ ہیں کہ جن کی اللہ تعالیٰ نے پردہ پوشی فرمائی ہے۔ جو تم کہہ رہے ہو یہ تو ان ہزاروں خطاؤں اور گناہوں میں سے ایک ہے جن کو تم نہیں جانتے۔ ہر گنہگار اپنے گناہوں کی تعداد کو جانتا ہے، کمیات کو بھی جانتا ہے کیفیات کو بھی جانتا ہے اور کس جغرافیہ سے گناہ کیا ہے وہ بھی جانتا ہے۔ لیکن علمِ جغرافیہ کے باوجود اللہ تعالیٰ نے اس کی تاریخ گناہ پر اپنی ستاریت کا پردہ ڈالا ہوا ہے اسی لیے دعا کرتا ہوں اَللّٰھُمَّ لاَ تُخْزِنِیْ فَاِنَّکَ بِیْ عَالِمٌ اے اللہ! مجھے رُسوا نہ کیجئے کہ آپ میرے تمام گناہوں سے باخبر ہیں۔

حدیثِ پاک کے دوسرے جز کی عشق انگیز وعارفانہ شرح

اب دوسرا جملہ بھی اسی سرکارِ عالیہ کا ہے جس کا پہلا جملہ آپ ابھی سن چکے ہیں۔ اب درِ عالیہ کا دوسرا جملہ بھی مسجدِ اشرف سے نشر کرنے کا شرف حاصل ہو رہا ہے وَلاَ تُعَذِّبْنِیْ فَاِنَّکَ عَلَیَّ قَادِرٌ اور

اے خدا ہم کو عذاب نہ دیجئے کہ ہمیں عذاب دینے کی بحقِ قانون وضابطہ آپ کو پوری قدرت حاصل ہے لہٰذا پوری قدرت کے اعتبار سے ہم کو پورا عذاب دینے پر آپ قادر ہیں لیکن اے مولیٰ! جتنا عذاب دینے کی آپ کو قدرت ہے تو اس قضیہ کے عکس کی یعنی عذاب نہ دینے کی بھی آپ کو اتنی ہی قدرت حاصل ہے۔ عذاب دینے کی یک طرفہ قدرت کے اظہار پر آپ مجبور نہیں ہیں۔ لہٰذا ہم بے کسوں، غریبوں اور گنہگاروں پر آپ رحم فرمائیں اور عذاب نہ دینے کی قدرت کا ہم پر ظہور فرما دیجئے۔

ارحم الراحمین کی عظمتِ شان کے عجیب عارفانہ نکات

اور مخلوق میں چونکہ تأثر وانفعال ہے اس لیے اس پر جب اس کی کسی صفت کا غلبہ ہو جاتا ہے تو دوسری صفت میں منتقل ہونے میں دیر لگتی ہے جیسے کسی پر غصہ چڑھ گیا تو اب رحم وکرم کی صفت میں منتقل ہونے میں اس صاحبِ غضب کو کچھ تاخیر ہوگی، کچھ وقت لگے گا کیونکہ خون گرم ہو گیا، گردن کی رگیں پھول گئیں، آنکھیں سرخ ہو گئیں، تو اب صفتِ غضب سے صفتِ عفو میں آنے میں کچھ دیر لگے گی لیکن اللہ تعالیٰ کی شان سن لو کہ جس لمحہ اور جس سیکنڈ میں اگر اللہ تعالیٰ غضب اور اظہارِ قدرت کا ارادہ کر لیں تو اسی لمحہ اور سیکنڈ میں اللہ تعالیٰ اظہارِ قدرتِ عذاب کو اظہارِ کرم وعفو میں منتقل کرنے پر قادر ہیں، ان کی صفتِ غضب وانتقام کو صفتِ عفو وکرم میں تبدیل ہونے میں ایک لمحہ کی تاخیر نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات تأثر وانفعال سے پاک ہے۔ وہ فاعل تو ہے منفعل نہیں ہو سکتا، وہ مؤثر ہے متأثر نہیں ہو سکتا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ دعا سکھا کر ہمارا بیڑہ پار کر دیا کہ میرا اُمتی اگر یہ دعا پڑھ لے تو حق تعالیٰ کی صفتِ تعذیب اور صفتِ غضب سیکنڈوں میں نہیں اس سے بھی زیادہ جلدی اور تیزی سے صفت عفو وکرم میں تبدیل ہو جائے گی کیونکہ سیکنڈ ہمارا بنایا ہوا ہے اللہ تعالیٰ سیکنڈ سے بھی بے نیاز ہے، وہ سیکنڈ سے بھی زیادہ تیز کام کر سکتا ہے جس کا احاطہ اعداد وشمار نہیں کر سکتے۔ پس آپ عذاب دینے کی قدرت کو عذاب نہ دینے کی قدرت میں تبدیل کر کے ہمارا بیڑہ پار کر دیجئے اور یہ ہم آپ سے بحقِ رابطہ مانگتے ہیں کہ آپ مولائے رحمۃ للعالمین ہیں اور اس نبی رحمت کی یہ شان ہے جنہوں نے اپنے خون کے پیاسوں کو معاف فرما دیا تو آپ کی شانِ ارحم الراحمین کا کیا عالم ہوگا۔ پس اپنی رحمت کے صدقہ میں آپ اپنے غضب اور عذاب دینے کی قدرت کو عذاب نہ دینے کی قدرت میں تبدیل فرما دیجئے کیونکہ جتنی قدرت عذاب دینے کی ہے آپ کو ہے اتنی ہی قدرت عذاب نہ دینے کی بھی ہے دونوں میں ذرا بھی فرق نہیں ہو سکتا۔

حق تعالیٰ کی شانِ رحمت شانِ غضب سے زیادہ ہے

بلکہ ایک بات مزید یہ ہے کہ عذاب دینے کی جتنی قدرت آپ کو ہے عذاب نہ دینے کی قدرت بوجہ رحمت و کرم اس سے بھی زیادہ ہے، آپ کی رحمت آپ کے غضب سے زیادہ ہے۔ یہ ادائے اُلوہیت بزبانِ نبوت اختر پیش کررہا ہے، یہ ادائے خواجگی عبدِ کامل کی زبان سے اختر پیش کررہا ہے جس سے بڑا کوئی کامل بندہ نہیں ہے۔ سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ کی رحمت اور غضب کی صفت میں دوڑ ہوئی، مسابقہ ہوا تو حدیث قدسی ہے:

﴿سَبَقَتْ رَحْمَتِیْ غَضَبِیْ﴾

(صحیحُ البخاری، کتابُ التوحید، باب قول اللہ بل ھو قراٰنٌ مجید، ج:۲، ص:۱۱۲۷)

اللہ کی صفتِ رحمت غضب سے آگے بڑھ گئی جس سے بندوں کا بیڑہ پار ہوگیا۔ اسی لیے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہمیں یہ دعا سکھائی وَ لَا تُعَذِّبْنِیْ اور ہمیں آپ عذاب نہ دیجئے فَاِنَّکَ عَلَیَّ قَادِرٌ کیونکہ آپ کو تو ہم پر پوری قدرت ہے، ہم تو آپ کے تحت القدرۃ ہیں جو چاہیں آپ ہمیں کردیں، کتا بنادیں، سور بنادیں، زمین پھاڑ کر دھنسادیں، عذاب کی جتنی قسمیں ساری اُمتوں پر آئی ہیں، آپ سب کی سب اجتماعی طور پر اس گنہگار پر نازل کرنے کی قدرت رکھتے ہیں لیکن آپ ہم کو عذاب دینے کی تمام قدرتوں میں سے ایک قدرت کا بھی ظہور نہ کیجئے، عذاب دینے کی جتنی قدرت آپ کو حاصل ہے اس میں سے ایک ذرّہ بھی نافذ نہ کیجئے بلکہ عذاب نہ دینے والی قدرت میں ایک ذرّہ نہ چھوڑیئے۔ آہ! سوچو تو سہی کیا یہ حق تعالیٰ کا کرم اور علمِ عظیم نہیں ہے کہ عذاب دینے کی جو قدرت آپ کو ہے اس میں سے ایک ذرّہ، ایک اعشاریہ ظاہر نہ ہونے دیجئے اور عذاب نہ دینے کی جو آپ کو قدرت ہے وہ سب کی سب ہم پر ڈال دیجئے۔ کیا مطلب؟ کہ غضب کا سارا ظہور ختم اور ساری رحمت ہم پر تمام کردیجئے، بحرِ رحمتِ ذخارِ غیر محدود کو ہم پر اُنڈیل دیجئے، اپنی رحمت کی بارش فرمادیجئے کہ آپ کی رحمت کا تماشہ دیکھ کر ساری دنیا حیرت زدہ ہوجائے کہ ارے اس کو تو ہم معمولی سمجھتے تھے، یہ کیا سے کیا ہوا جارہا ہے۔ اللہ تعالیٰ جس کی تاریخ بدلتا ہے تو سارا عالم حیرت زدہ ہوجاتا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کی تاریخِ ذلت کو بدلتا ہے اور عزت کی تاریخ دیتا ہے تو سارے مؤرخینِ عالم اور مؤرخینِ کائنات انگشتِ بدنداں، حواس باختہ اور حیران و ششدر رہ جاتے ہیں۔ بس اب لغت ختم، دنیائے لغت سرنگوں ہے۔ اللہ اللہ ہے، ہماری کوئی لغت ان کے کمالات کی تعبیر و تفسیر کرنے سے قاصر ہے۔ اب دنیائے لغت سرنگوں و عاجز ہے اس لیے بس

گفتن امکاں نیست خامش و السلام

ایسے موقع پر مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ کی سنت ادا کر رہا ہوں کہ اب میرے پاس الفاظ نہیں ہیں لہٰذا اب میں خاموش ہوتا ہوں اور اللہ کے سپرد اختر اپنے کو بھی کرتا ہے اور آپ سب کو بھی اللہ کے سپرد کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے ہم سب پر اپنی خاص نوازش فرمادیں، آمین۔ (یاارحم الراحمین مولائے رحمۃ اللعالمین، صفحہ: ۲۸۔۳۳)

حدیث نمبر ۴۸

﴿اِنَّ الدُّنیَا مَلْعُوْنَۃٌ مَلْعُوْنٌ مَا فِیْھَا اِلَّا ذِکْرُاللہِ وَ مَا وَالاہُ وَعَالِمٌ اَوْ مُتَعَلِّمٌ﴾

(سننُ الترمذی، کتابُ الزھد، باب ماجآء فی ھوان الدنیا علی اللہ، ج: ۲، ص: ۵۸)

ترجمہ: حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ دنیا ملعون ہے اور جو کچھ دنیا میں ہے سب ملعون ہے (اللہ کی رحمت سے دور ہے) مگر اللہ کا ذکر اور وہ چیز جو اس کے قریب ہو اور عالم اور طالب علم۔

فائدہ: اللہ تعالیٰ کے ذکر میں جو چیزیں معین ہوں مثلاً کھانا پینا لباس اور زندگی کے تمام اسبابِ ضروریہ سب ذکر کے قریب ہیں اور اسی طرح اللہ تعالیٰ کے قرب سے تمام عبادتیں اس میں شامل ہیں اور دونوں صورتوں میں علم ان میں خود داخل ہے اس وجہ سے کہ علم ہی اللہ تعالیٰ کے ذکر کے قریب لے جاتا ہے بغیر علم کے خدا کو پہچاننا ممکن نہیں لیکن علم کی اتنی ضرورت اور اہمیت کے باوجود عالم اور طالب علم کو علیحدہ اہتمام کی وجہ سے بیان فرمایا کہ امت کو معلوم ہو کہ علمِ دین بہت بڑی دولت ہے (اصل علم علمِ دین ہے اور اس کے علاوہ تمام علوم فنون ہیں) ایک حدیث میں ہے کہ علم کا صرف اللہ کے لیے سیکھنا اللہ کے خوف کے حکم میں ہے اور علم کی تلاش میں کہیں جانا عبادت ہے اور علم کا یاد کرنا تسبیح ہے۔ تحقیقاتِ علمیہ کے لیے بحث کرنا جہاد ہے اور پڑھنا صدقہ ہے اور اس کا اہل پر خرچ کرنا اللہ کے یہاں قربت ہے اس لیے کہ علم جائز ناجائز کے پہچاننے کی علامت ہے اور جنت کے راستوں کا نشان ہے، وحشت میں جی بہلانے کا سامان ہے اور سفر کا ساتھی ہے (سفر میں کتاب کا مطالعہ) تنہائی کا ایک ہمکلام دوست ہے۔ خوشی اور رنج میں دلیل ہے، دشمنوں پر ہتھیار ہے۔ دوستوں کے لیے حق تعالیٰ شانہٗ اس کی وجہ سے ایک جماعتِ علماء کو بلند مرتبہ کرتا ہے کہ وہ خیر کی طرف بُلانے والے ہوتے ہیں اور ایسے امام ہوتے ہیں کہ ان کے نشانِ قدم پر چلا جائے اور ان کے افعال کی اتباع کی جائے۔ ان کی رائے کی طرف رجوع کیا جائے، فرشتے اُن سے دوستی کرنے کی رغبت کرتے ہیں، فرشتے اپنے پروں کو (برکت حاصل کرنے کے لیے یا محبت کے طور پر) ان پر ملتے ہیں اور ہر تر و خشک چیز دنیا کی ان کے لیے مغفرت کی دعا کرتی ہے حتیٰ کہ سمندر کی مچھلیاں اور جنگل کے درندے اور چوپائے اور زہریلے جانور (سانپ وغیرہ تک) بھی دعائے مغفرت کرتے ہیں اور یہ سب اس لیے کہ علم دلوں کی روشنی ہے، آنکھوں کا نور ہے، علم کی وجہ سے بندہ امت کے بہترین افراد تک پہنچ جاتا ہے دنیا اور آخرت کے بلند مرتبوں کو حاصل کر لیتا ہے اس کا مطالعہ روزوں کے برابر ہے، اس کا یاد کرنا تہجد کے برابر

ہے،اسی سے رشتے جوڑے جاتے ہیں اوراسی سے حلال وحرام کی پہچان ہوتی ہے۔وہ علم کا امام ہےاورعمل کاامام ہےاورعمل اس کا تابع ہےسعیدلوگوں کواس کا الہام کیاجا تاہےاور بدبخت اس سے محروم رہتے ہیں۔

(روح کی بیماریاں اوران کا علاج،حصہ اوّل،صفحہ:۱۲۸۔۱۳۰)

حدیث نمبر ۴۹

﴿اَللّٰھُمَّ افْتَحْ اَقْفَالَ قُلُوْبِنَا بِذِکْرِکَ﴾

(عمل الیوم واللیلة لابن السنی، باب کیف مسئلة الوسیلة، ص: ۵۰)

ترجمہ:اے اللہ!ہمارے دلوں کے تالوں کوکھول دے اپنے ذکر کے ذریعہ۔

اللہ کے ذکر سے کبھی غافل نہیں ہونا چاہیے۔ذکردراصل ایک کنجی ہے جس سے دل کاقفل کھلتا ہے اور طاعت وفرماں برداری میں جی لگتا ہےاوراس کے لیے جذبہ پیدا ہوتا ہے پھراس کنجی کے دندانے کوبھی درست رکھنے کی ضرورت ہےتاکہ دل کاقفل آسانی سے کھلےکوئی مشکل اوردشواری پیش نہ آئے۔اورذکرکی کنجی کے دندانے کودرست رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ ذکروفکراورتوبہ کوخشوع وخضوع کے ساتھ کیا جائے۔ ایسے ہی ذکر کے خاطرخواہ اثرات مرتب ہوتے ہیں۔

ذکرکی کنجی کی جو بات میں نے کہی ہے وہ اپنی طرف سے نہیں کی بلکہ اس کی دلیل حدیث میں موجود ہے، ارشاد ہے اَللّٰھُمَّ افْتَحْ اَقْفَالَ قُلُوْبِنَا بِذِکْرِکَ یعنی اے اللہ ہمارے دلوں کے تالوں کو کھول دے اپنے ذکر کے ذریعہ ذکر میں صرف کمیت یعنی مقدار وتعداد مطلوب نہیں ہے بلکہ کیفیت بھی مقصود ہے،یعنی اللہ کا خیال اور دھیان جس قدر ذکر میں جمایا جائے گا اسی قدر ذاکرکونفع اور فائدہ ہوگا۔اور اتنی ہی اس کے اندر طاقت وقوت پیدا ہوگی۔دیکھئے لومڑی کس قدر بزدل اورڈرپوک ہےلیکن شیر اگراس کی پشت پر ہاتھ پھیردے اور یہ کہے کہ میں تمہارے ساتھ ہوں،تواس وقت لومڑی چیتے کا جگر بھی نکال سکتی ہےاوراس کے لیےاس کے اندر ہمت پیدا ہوسکتی ہے۔اسی طرح ذاکر کے ساتھ اللہ کی مدد ونصرت ہوتی ہےاورکسی حال میں تنہائی محسوس نہیں کرتا بلکہ نورِ ذکر کی برکت سے ذاکراپنے قلب میں حق تعالیٰ کا خاص تعلق محسوس کرتا ہےجس کومشائخ معیت خاصہ کہتے ہیں معیتِ عامہ توہرمسلمان کوحاصل ہے۔

(روح کی بیماریاں اوران کا علاج،حصہ اوّل،صفحہ:۲۸۱۔۲۸۲)

حدیث نمبر ۵۰

﴿اِذَا عَطَسَ اَحَدُکُمْ فَلْیَقُلْ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ﴾

(صحیحُ البخاری، کتابُ الادب، باب اذا عطس کیف یشمت، ج:۲، ص: ۹۱۹)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہدایت فرمائی کہ اگرکسی کو چھینک آئے تو وہ کہے الحمد للہ (تمام

تعریفیں اللہ کے لیے ہیں) لوگوں نے اس موقع پر الحمدللہ کی تعلیم دیئے جانے کی مختلف حکمتیں بیان کی ہیں لیکن ایک حکمت ان سب میں نرالی ہے۔ شاید آپ نے یہ حکمت نہ کسی کتاب میں پڑھی ہو نہ کسی سے سنی ہو، وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو بہترین شکل وصورت میں بنایا ہے مگر جب اس کو چھینک آتی ہے تو اس وقت اس کی شکل بگڑ جاتی ہے چونکہ چھینک کے بعد شکل اپنی حالت پر عود کر آتی ہے اور اس کا بگاڑ ختم ہو جاتا ہے اس لیے حکم دیا گیا کہ الحمدللہ کہو، تاکہ اللہ کی عظیم نعمت جو تم سے خواہ ایک آن کے لیے ہی سہی، مگر چھین لی گئی تھی، اوراب واپس دے دی گئی ہے۔ اس پر تمہاری طرف سے شکر ادا ہو سکے۔

سوچئے! چھینک کے بعد الحمدللہ کہنا بظاہر کتنی معمولی بات ہے، لیکن اس میں کتنی بڑی حقیقت پوشیدہ ہے۔ شریعت کی ہر تعلیم میں اس طرح کی حکمتیں چھپی ہوئی ہیں۔ خواہ ہمیں ان کا ادراک ہو سکے یا نہیں تاہم، ہم ہر تعلیم پر عمل کرنے کے پابند ہیں۔ یہی پابندی ایک بندہ کو خدا کا بندہ بنادیتی ہے۔ یہ حکمت الحمدللہ کہنے کی حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمائی جس کو احقر نے اپنے شیخ مرشد حضرت پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ سے سنا ہے۔ (روح کی بیماریاں اوران کا علاج، حصہ اوّل، صفحہ: ۲۹۵۔۲۹۶)

حدیث نمبر ۵۱

﴿مَنْ تَوَاضَعَ لِلّٰہِ رَفَعَهُ اللّٰهُ فَهُوَ فِیْ نَفْسِهٖ صَغِیْرٌ وَ فِیْ اَعْیُنِ النَّاسِ عَظِیْمٌ وَمَنْ تَکَبَّرَ وَضَعَهُ اللّٰهُ فَهُوَ فِیْ اَعْیُنِ النَّاسِ صَغِیْرٌ وَ فِیْ نَفْسِهٖ کَبِیْرٌ حَتّٰی لَهُوَ اَهْوَنُ عَلَیْهِمْ مِنْ کَلْبٍ اَوْ خِنْزِیْرٍ﴾

(مشکوۃ المصابیح، کتابُ الاداب، بابُ الغضب و الکبر، ص: ۴۳۴)

ترجمہ: جس نے اللہ کے لیے تواضع اختیار کی اللہ تعالیٰ اس کو بلندی عطا فرماتے ہیں بس وہ اپنے نفس میں حقیر ہوتا ہے اور لوگوں کی نگاہوں میں عظیم ہو جاتا ہے اور جس نے تکبر کیا اللہ تعالیٰ اسے پست کر دیتے ہیں اور وہ لوگوں کی نگاہوں میں حقیر ہو جاتا ہے اور اپنی نگاہوں میں بڑا ہوتا ہے یہاں تک کہ وہ لوگوں کے نزدیک کتے اور خنزیر سے بھی زیادہ ذلیل ہو جاتا ہے۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشادِ مبارک ہے جس کو حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے خطبات الاحکام میں حضرت امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ سے نقل فرمایا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ مَنْ تَوَاضَعَ لِلّٰہِ جس نے اللہ کے لیے تواضع اختیار کی، اپنے نفس کو مٹایا۔ رَفَعَهُ اللّٰهُ اللہ تعالیٰ اس کو بلندی دیتا ہے فَهُوَ فِیْ نَفْسِهٖ صَغِیْرٌ بس وہ اپنے نفس میں حقیر ہوتا ہے تواضع کی وجہ سے اپنے دل میں تو اپنے کو چھوٹا سمجھتا ہے، لیکن اس فنائیت کی برکت سے اللہ اس کو لوگوں کی نظر میں عظیم کر دیتا ہے، عزت دیتا ہے تمام مخلوق میں اس کی عظمت اور بڑائی ڈال دیتا ہے وَ فِیْ اَعْیُنِ النَّاسِ عَظِیْمٌ اپنے نفس میں تو اپنے کو حقیر

سمجھا مگر اس تواضع کا کیا انعام ملا؟ تمام لوگوں میں اس کو عظمت عطا ہوگئی ساری دنیا کے انسانوں میں اللہ تعالیٰ اس کو عظمت دیتے ہیں۔

وَمَنْ تَکَبَّرَ وَضَعَهُ اللّٰهُ اور جو اپنے کو بڑا سمجھتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو گرا دیتے ہیں اور جس کو خدا گرائے اس کو کون اُٹھائے؟ ہے کسی میں دم کہ جس کو خدا گرا دے پوری کائنات میں اس کو کوئی اُٹھا دے، جس کو اللہ ذلیل کرے اس کو پوری کائنات میں کوئی عزت نہیں دے سکتا کیونکہ جو بندہ اپنے کو بڑا سمجھتا ہے حقیقت میں وہ بڑا نہیں ہے جس کا مادّۂ تخلیق باپ کی منی اور ماں کا حیض ہو وہ کیسے بڑا ہوسکتا ہے؟ اس لیے وَمَنْ تَکَبَّرَ فرمایا۔ تکبر بابِ تفعُّل سے ہے جس میں خاصیت تکلف کی ہوتی ہے یعنی وہ اپنی حقیقت کے اعتبار سے بڑا نہیں ہے بہ تکلف بڑا بن رہا ہے اس لیے اللہ تعالیٰ اس کو گرا دیتے ہیں ذلیل کر دیتے ہیں۔

لیکن اللہ تعالیٰ کے لیے جب یہ صفت آتی ہے تو وہاں اس کے یہ معنیٰ نہیں ہوں گے۔ قرآن پاک میں ہے اَلْعَزِیْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَکَبِّرُ، عزیز معنی طاقت والا، جبار کے معنی ظالم کے نہیں ہیں جیسا کہ عام لوگ سمجھتے ہیں کہ فلاں بڑا ظالم جابر ہے، جبار کے معنی ہیں ٹوٹی ہڈی کو جوڑنے والا اور اپنے بندوں کی بگڑی بنانے والا (روح المعانی، پ:۲۸، ص:۶۳) اَلَّذِیْ یُصْلِحُ اَحْوَالَ خَلْقِهٖ بِقُدْرَتِهِ الْقَاهِرَةِ جو اپنے بندوں کی ہر حالت کو بنانے پر قادر ہو۔ انتہائی خراب حالت کسی بندہ کی ہو تو اس کی منتہائے تباہی اور منتہائے تخریب کو اللہ تعالیٰ کے ارادۂ تعمیر کا نقطۂ آغاز کافی ہے، بس وہ ارادہ فرمالیں کہ مجھے اپنے اس بندہ کو سنوارنا ہے وہ اسی وقت اللہ والا بن جائے گا۔

علامہ آلوسی تفسیر روح المعانی میں تحریر فرماتے ہیں کہ اس آیتِ مبارکہ میں متکبر کے معنی صاحبِ عظمت کے ہیں اگرچہ یہ بابِ تفعل ہے لیکن تکلف کی خاصیت جو کہ عموماً بابِ تفعل کا خاصہ ہے یہاں ہرگز جائز نہیں ہوگی بلکہ یہاں نسبت الی الماخذ ہے یعنی صاحبِ عظمت (روح المعانی، پ:۲۸، ص:۶۳) اللہ تعالیٰ عظمت والے ہیں لہٰذا اللہ تعالیٰ کے لیے لفظ متکبر کا ترجمہ ہمیشہ صاحبِ عظمت کیا جائے گا کیونکہ بڑائی صرف اللہ ہی کے لیے خاص ہے سوائے اللہ کے کوئی بڑا نہیں ہے اور جو بندہ اپنے کو بڑا بنائے گا اللہ تعالیٰ اس کو گرا دیں گے۔

کبر جب دل میں ہوتا ہے تو اس کی چال، اس کی رفتار، اس کی گفتار، اس کی زندگی کے ہر شعبہ میں اس کا تکبر شامل ہوتا ہے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرما رہے ہیں کہ متکبر انسان لوگوں کی نگاہوں میں ذلیل ہوجاتا فَهُوَ فِیْ اَعْیُنِ النَّاسِ صَغِیْرًا تمام دنیا کے انسانوں میں اللہ اس کو ہلکا چھوٹا اور حقیر کر دیتا ہے، لوگ ہر طرف اسے کہتے ہیں کہ بہت ہی نالائق ہے، بڑا متکبر ہے، اینٹھ کے چلتا ہے، وَ فِیْ نَفْسِهٖ کَبِیْرًا مگر اپنے دل میں وہ اپنے کو خوب بڑا سمجھتا ہے کہ میری عظمتوں سے لوگ واقف نہیں ہیں۔ میری عظمتوں کی

لوگ قدر نہیں کرتے، میرے علم وعمل کو نہیں پہچانتے، اس قسم کی باتیں شیطان اس کے دل میں ڈال دیتا ہے سمجھتا ہے کہ بس ہم چنیں ما دیگرے نیست مجھ جیسا کوئی دوسرا نہیں، ہمارے ایک دوست کہتے تھے کہ جو کہتا ہے کہ ہم چنیں ما دیگرے نیست وہ دراصل یہ دعویٰ کرتا ہے کہ ہم چنیں ڈنگرے نیست کہ مجھ جیسا کئی ڈنگر یعنی جانور نہیں ہے۔

تو حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرما رہے ہیں کہ جو شخص اپنے کو بڑا سمجھتا ہے اللہ اس کو گرا دیتا ہے پس وہ لوگوں کی نظروں میں ذلیل اور اپنے دل میں کبیر ہوتا ہے، یعنی اپنے دل میں وہ اپنے کو بڑا سمجھتا ہے لیکن ساری دنیا کی نظروں میں حقیر اور ذلیل ہو جاتا ہے، حَتّٰی لَھُوَ اَھْوَنُ عَلَیْھِمْ مِنْ کَلْبٍ اَوْ خِنْزِیْرٍ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس کو لوگوں کی نظروں میں کتے اور سور سے بھی زیادہ ذلیل کر دیتا ہے، ایسی خطرناک بیماری ہے یہ تکبر، اس کو سوچئے کہ یہ تو سمجھ رہا ہے کہ میں بہت بڑا ہوں، بڑی عزت والا ہوں، لیکن لوگوں کی نگاہوں میں کتے اور سور سے بھی زیادہ ذلیل ہے۔

اس لیے متکبر کے ساتھ تکبر صدقہ ہے، یعنی متکبر کے سامنے زیادہ تواضع اور خاکساری مت دکھائیے، دل میں تو اس کی تحقیر نہ ہو بلکہ اس وقت بھی دل میں اپنی ہی حقارت پیش نظر ہو لیکن بظاہر اس کا زیادہ اکرام نہ کیجئے اگر اس کا زیادہ اکرام کیا جائے گا تو اس کا مرض تکبر اور بڑھ جائے گا۔

یہ بیماری بہت خطرناک ہے اور اس کے علاج کے لیے خانقاہوں کی ضرورت ہے، بڑے بڑے علماء اہل اللہ سے تعلق جوڑا کہ ہمارا نفس مٹ جائے اور مٹنے سے جو پھر ان کو مقبولیت عطا ہوئی، ایسی شہرت و عزت اللہ نے دی کہ قیامت ان کا نام زندہ رہے گا۔ تکبر سے عزت نہیں ملتی اور تکبر کا مقصد عزت حاصل کرنا ہی تو ہے لیکن اس راستہ سے خدا عزت نہیں دیتا بلکہ گردن مروڑ دیتا ہے اگر کسی کو عزت ہی لینی ہے تو اپنے کو مٹائے پھر دیکھئے کہ اللہ تعالیٰ کیسی عزت دیتا ہے لیکن یہ مٹانا عزت کے لیے نہ ہو بلکہ اللہ کے لیے ہو۔ مَنْ تَوَاضَعَ کے بعد للہ فرمایا اس کے بعد رَفَعَهُ اللّٰهُ ہے۔ معلوم ہوا کہ تواضع پر رفعت وعزت اُس وقت ملے گی جب یہ تواضع اللہ کے لیے ہو جس نے اللہ کے لیے اپنے کو گرا دیا اللہ اس کو عزت دیتا ہے۔ حضرت حکیم الامت تھانوی فرماتے ہیں کہ یہ نعمت صوفیاء کے اندر خاص ہوتی ہے کہ بزرگوں کی صحبت میں رہ کر اپنے نفس کو مٹاتے چلے جاتے ہیں۔ بہت کچھ ہوتے ہیں لیکن اپنے کو کچھ نہیں سمجھتے۔ (علاجِ کبر، صفحہ: ۱۴۔۱۹)

حدیث نمبر ۵۲

﴿اِنَّ لِلّٰهِ مَا اَخَذَ وَلَهٗ مَا اَعْطٰی وَ کُلٌّ عِنْدَهٗ بِأَجَلٍ مُّسَمًّی﴾

(صحیحُ البخاری، کتابُ الجنائز، باب قول النبی ﷺ یعذب المیت ببعض، ج: ۱، ص: ۱۷۱)

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ ہی کا ہے جو اس نے واپس لے لیا اور اسی کی ملکیت ہے جو کچھ اس نے عطا کیا اور

ہر شئے کا اس کے پاس ایک وقت مقرر ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے والد حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جب انتقال ہوا تو بہت لوگوں نے تعزیت کی لیکن ایک بدوی (دیہاتی) بزرگ آئے اور انہوں نے ایسی تعزیت کی جس سے حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو بہت تسلی ہوئی، انہوں نے کہا کہ اے عبداللہ ابن عباس تمہارے والد کا انتقال ہو گیا۔ یہ بتاؤ کہ تمہارے والد کے لیے تم زیادہ بہتر ہو یا عباس کا اللہ زیادہ بہتر ہے اور عباس کی وفات سے جو تمہیں غم پہنچا اور اس مصیبت پر صبر کے بدلہ میں جو تمہیں اجر و ثواب ملا بلکہ اس سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ مل گیا تو یہ بتاؤ کہ یہ انعام عظیم تمہارے لیے کیا عباس سے بہتر نہیں ہے۔ سبحان اللہ کیا عنوان ہے دیہات کے تھے وہ، لیکن اللہ جس کو چاہے مضمون عطا فرماتا ہے۔ (تسلیم و رضا، صفحہ: ۲۲۔۲۳)

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ اِنَّ لِلّٰہِ مَا اَخَذَ وَ لَہٗ مَا اَعۡطٰی اللہ جو چیز ہم سے لیتا ہے وہ ہماری نہیں اللہ ہی کی ہے، اس کا مالک اللہ ہے جو چیز اس نے لے لی ہے وہ اسی نے عطا فرمائی تھی۔ اگر کوئی اپنی امانت واپس لے لے تو آپ اس پر زیادہ غم نہیں کرتے کیونکہ وہ آپ کی چیز نہیں تھی جس کی تھی اس نے لے لی، وہ اس کا مالک ہے۔ ہم کو جو حد سے زیادہ غم ہوتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم لوگ غلطی سے اس کو اپنی ملکیت سمجھتے ہیں۔ حالانکہ الفاظِ نبوت یہ ہیں اِنَّ لِلّٰہِ مَا اَخَذَ جو کچھ اللہ نے تم سے لے لیا، جس کو اللہ نے اپنے پاس بلا لیا وہ اللہ ہی کا، تھا اسے تم کیوں اپنا سمجھتے ہو؟ اگر آپ کو کوئی شخص اپنی گھڑی دے دے کہ آپ دو مہینے اس کو استعمال کر لیجئے پھر دو مہینے کے بعد وہ آپ سے گھڑی مانگے کہ میری گھڑی واپس کر دیجئے تو آپ روئیں گے نہیں، آپ یہی کہیں گے کہ ٹھیک ہے صاحب لیجئے یہ آپ کی گھڑی ہے بلکہ آپ کا شکریہ کہ اتنے دن تک آپ نے اپنی گھڑی مجھے دی تھی۔ تو آپ بھی شکر کریں کہ ہماری والدہ کو اللہ نے اتنی زندگی دی ورنہ اس سے پہلے بھی تو اللہ تعالیٰ ان کو اُٹھا سکتے تھے، بچپن ہی میں آپ کو چھوٹا سا چھوڑ کر اللہ تعالیٰ اُٹھا سکتے تھے، یہ اُن کا احسان ہے کہ آپ لوگ بڑے ہو گئے، ماشاء اللہ بال بچے دار ہو گئے تب بلایا، اتنے روز تک آپ کے پاس رکھا لہٰذا شکر ادا کیجئے کہ اللہ آپ کا شکر ہے کہ آپ نے ہماری والدہ کو اتنے عرصہ ہمیں دے رکھا جیسے وہ شخص کہتا ہے جس کو آپ نے گھڑی دی کہ ہم آپ کے شکر گذار ہیں کہ اتنے عرصہ تک اپنی گھڑی آپ نے ہمیں دی ہوئی تھی جو کچھ لے لیا وہ بھی اللہ کا وَ لَہٗ مَا اَعۡطٰی اور جو کچھ عطا فرمایا وہ بھی اللہ ہی کا ہے جو چیزیں دی ہیں ان کا بھی شکر ادا کیجئے، ان کا شکر کیا ہے کہ یا اللہ! آپ کا احسان ہے کہ آپ نے میرے والد کا سایہ میرے سر پر عطا فرمایا ہوا ہے اور کتنی نعمتیں دی ہوئی ہیں۔ میری اولاد ہے، بیوی بچے ہیں، مکان ہے، ہزاروں نعمتیں دی ہوئی ہیں جن کا شمار نہیں کیا جا سکتا، ان کا شکر ادا کیجئے کہ اے

اللہ آپ کی بے شمار نعمتوں کا بے شمار زبانوں سے شکر ادا کرتا ہوں وَ کُلٌّ عِنۡدَہٗ بِأَجَلٍ مُسَمًّی اور اللہ تعالیٰ کے یہاں ہر چیز کا ایک وقت مقرر ہے جو کچھ اللہ لیتا ہے اور جو کچھ عطا فرماتا ہے اللہ تعالیٰ کے یہاں پہلے ہی سے مقدر ہے یہاں تک کہ برتنوں کا وقت بھی مقرر ہے مثلاً آپ مدینہ شریف سے ایک گلاس لائے لیکن اچانک کسی بچہ سے وہ گر گیا تو سمجھ لیجئے کہ اس کا یہی وقت مقرر تھا۔ حدیث پاک میں ہے کہ برتنوں کی بھی ایک عمر ہوتی ہے اس لیے اپنے بچوں کی بے طرح پٹائی نہ کرو کہ نالائق تو نے مدینہ شریف کا گلاس کیوں توڑ دیا۔ مار پٹائی کر رہے ہیں گھر میں ایک شور مچا ہوا ہے اکثر اس معاملہ میں بچوں پر زیادتی کر جاتے ہیں۔ ایسا نہیں کرنا چاہیے نرمی سے سمجھا دو کہ بیٹے گلاس کو دونوں ہاتھوں سے مضبوط پکڑا کرو لیکن زیادہ پٹائی نہ کرو بلکہ کہو اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیۡہِ رَاجِعُوۡنَ اس کی زندگی کا وقت ختم ہو گیا تھا اور اس کا یہی وقت مقرر تھا۔

جس کے گھر میں کوئی غمی ہو جائے تو ایسے وقت میں اس کے ذمہ دو کام ہیں ایک تو یہ کہ جانے والے کے لیے ثواب پہنچایئے کیونکہ جو چلا گیا اب وہ بے عمل ہو گیا، اس کی عمل کی فیلڈ ختم ہو گئی اب وہ خود کوئی عمل نہیں کر سکتا لہٰذا اس کو صبح و شام ثواب کا پارسل بھیجنا چاہیے یعنی زیادہ سے زیادہ ایصالِ ثواب کیجئے، بدنی عبادت اور مالی عبادت دونوں کا ثواب پہنچانا چاہیے۔ بدنی ثواب تو اس طرح سے کہ تلاوت کر لی مثلاً سورۃ یٰسین پڑھ کر بخش دیا یا تین مرتبہ قل ہو اللہ پڑھ کر ہمیشہ صبح و شام بخش دیا، تین بار قل ہو اللہ پڑھنے سے ایک قرآن کے برابر ثواب ملتا ہے، اللہ سے کہہ دیا کہ یا اللہ یہ جو میں نے پڑھا ہے اس کا ثواب میری والدہ کو پہنچا دیجئے، اس طرح روز کا روز صبح و شام آپ کی طرف سے ثواب کا پارسل پہنچتا رہے گا۔

حدیث میں آتا ہے کہ جب یہ ثواب پہنچتا ہے تو وہ مرنے والے پوچھتے ہیں کہ اللہ میاں یہ ہماری نیکیاں کہاں سے بڑھ رہی ہیں، ہم تو مر گئے ہیں اب عمل نہیں کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تمہاری اولاد تمہیں ثواب بھیج رہی ہے۔ دیکھئے زمین پر دوسروں کا عمل اور آخرت میں مرنے والوں کے اعمال نامہ میں لکھا جا رہا ہے اس طرح ان کے عمل کا میٹر چل رہا ہے۔ کیونکہ اب وہ عمل نہیں کر سکتے لہٰذا ہمارے پارسلوں کا انتظار کرتے ہیں کہ ہماری اولاد ہمیں کچھ بھیجے۔

حدیث شریف میں ہے کہ یہ ثواب کا تحفہ ان کو دنیا و ما فیہا سے زیادہ محبوب ہوتا ہے۔ لہٰذا اس کا معمول بنا لیجئے کہ روزانہ ہمیشہ کچھ پڑھ کر اپنے اعزاء و اقرباء کو جو مر گئے ہیں بخش دیا کریں کم از کم صبح و شام تین مرتبہ قل ھو اللہ شریف تین مرتبہ قل اعوذ برب الفلق تین مرتبہ قل اعوذ برب الناس پڑھ کر بخش دیا اور اس کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ مخلوق کے ہر شر سے حفاظت رہے گی، کسی قسم کا کالا جادو یا جنات یا شیطان کوئی پڑوسی اور کوئی حاسد آپ کو ایک ذرّہ نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ کیونکہ الفاظِ نبوت ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام ہے:

﴿تَكْفِيْكَ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ﴾

(مشکوٰۃ المصابیح، کتابُ فضائل القرآن، ص: ۱۸۸)

یعنی یہ تینوں سورتیں ہر شر سے حفاظت کے لیے کافی ہیں۔ نبی کی بات کو اللہ نہیں ٹالتا کیونکہ نبی وہی کہتا ہے جو اللہ کہلاتا ہے، نبی اپنی طبیعت سے کوئی بات کہتا ہی نہیں۔ صبح کو پڑھ لیا تو شام تک حفاظت ہوگئی اور شام کو پڑھ لیا تو رات بھر حفاظت رہے گی۔

اگر کوئی حاسد جادو یا سفلی عمل کرے گا تو اس عمل کی برکت سے اُلٹا اسی پر پڑ جائے گا۔ کوئی دشمن آپ کے خلاف اسکیم بنائے گا تو اللہ تعالیٰ اس کو ناکام کردیں گے۔ اس لیے صبح وشام یہ تینوں سورتیں آپ بھی پڑھیے اور اپنے بیوی بچوں کو بھی پڑھائیے اور اسی کو اپنی والدہ کو بخش دیجیے ان کو ثواب بھی پہنچ جائے گا اور آپ لوگ حاسدین اور شیاطین کے شر سے اور جنات اور کالا عمل کرانے والوں کے شر سے غرض ساری مخلوق کے شر سے محفوظ رہیں گے۔ آج کل تو بس ذرا ذرا سی دشمنی پر جادو اور کالا عمل کرا دیتے ہیں پھر ہم لوگ عاملوں کی طرف دوڑتے ہیں تو عاملوں کے پاس جانے کی بجائے ہم یہ عمل کیوں نہ کرلیں جو ہمیں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عطا فرمایا ہے جس کے بعد کسی عامل کے پاس جانے کی کبھی ضرورت نہیں پڑے گی کیونکہ آج کل ننانوے فیصد عامل ٹھگ بیٹھے ہیں۔ (تسلیم ورضا، صفحہ: ۲۴۔۲۸)

حدیث نمبر ۵۳

﴿اَلنِّكَاحُ مِنْ سُنَّتِيْ﴾

(سنن ابن ماجة، کتابُ النکاح، باب ماجآء فی فضل النکاح، ص: ۱۳۳)

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نکاح میری سنت ہے اور جو نکاح کی سنت ادا نہ کرے، میری سنت سے اعراض کرے وہ مجھ سے نہیں ہے۔ اس حدیث کی شرح کیا ہے؟ اگر کوئی مجبور ہے، اس کے کچھ حالات خاص ہیں مثلاً اللہ تعالیٰ کی محبت کا کوئی حال غالب ہوگیا، شادی کی ذمہ داریاں قبول نہیں کرسکتا، بیوی بچوں کے حقوق کما حقہ ادا نہیں کرسکتا تو یہ اعراض نہیں ہے لیکن اگر کوئی مجبوری نہیں ہے بلا عذر سنت سے اعراض کرتا ہے تب وہ اس وعید کا مستحق ہے لہٰذا بدگمانی نہ کیجیے کیونکہ بعض بڑے بڑے علماء اور اولیاء اللہ ایسے ہوئے ہیں جنہوں نے شادیاں نہیں کیں۔ چنانچہ حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ، مسلم شریف کی شرح لکھنے والے علامہ محی الدین ابوزکریا نووی رحمۃ اللہ علیہ، علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ ان حضرات کی بھی شادیاں نہیں ہوئیں۔

حدیث میں آتا ہے کہ شوہر اگر ناراض سو جائے تو عورت کا کوئی عمل قبول نہیں چاہے ساری رات

تسبیح کھٹکھٹاتی رہے۔ بیویوں کو یہ بھی سوچنا چاہیے کہ اللہ نے شوہروں کا درجہ اتنا بلند کیا ہے کہ اگر سجدہ کسی کو جائز ہوتا تو شوہروں کو جائز ہوتا لیکن جائز نہیں ہے اس لیے اس کا حکم نہیں دیا گیا۔ سجدہ کے لائق صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اس لیے اللہ کے علاوہ کسی کو سجدہ جائز نہیں۔ لیکن ہمیشہ یاد رکھو اور ماں باپ پر بھی فرض ہے کہ اپنی بیٹیوں کو سمجھاتے رہیں کہ شوہر کی طرف سے اگر کچھ کڑواہٹ بھی آجائے تو برداشت کرو اس کے ہاتھوں سے تمہیں نعمتیں بھی تو مل رہی ہیں۔ (خوشگوار ازدواجی زندگی، صفحہ: ١٧-١٨)

سید الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ سب سے برکت والا نکاح ہے اَیْسَرُہٗ مَئُوْنَۃً جس میں کم خرچ ہو۔ ولیمہ بھی بالکل سادہ کیجئے۔ اپنی حیثیت کے موافق دس بیس کو بلا لیجئے بس کافی ہے کوئی دس ہزار کا ولیمہ واجب نہیں ہے۔ ڈیکوریشن کوئی ضروری نہیں، اپنے کمرے میں ہی کھلا دیں، میرج ہال میں پیسے ضائع کرنا کیا ضروری ہے اور ساتھ ساتھ یہ بھی سن لیجئے کہ یہی پیسہ بچا کر اپنی بیٹی کو دے دیجئے، داماد کو دے دیجئے۔ یا اپنے لیے ہی رکھ لیجئے۔

مدینہ پاک میں ایک صحابی نے شادی کی۔ اتنے غریب تھے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دعوتِ ولیمہ نہ دی۔ آپ نے دریافت فرمایا کیا تم نے شادی کر لی۔ عرض کیا ہاں یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم (ترمذی، ج:١، ص:٢٠٨) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ناراضگی ظاہر نہیں کی کہ تم نے مجھ کو کیوں نہیں پوچھا۔ آج تو خاندان والے لڑتے ہیں تم نے ہمیں نہیں پوچھا۔ چلو اب آئندہ ہم تمہاری کسی خوشی میں شریک ہی نہیں ہوں گے۔ یہ سب جہالت کی باتیں ہیں۔ غرض جتنا کم خرچ والا نکاح ہوگا سمجھ لو برکت والا ہوگا۔

خرچ پر یاد آیا کہ حضرت حکیم الامت مجدد الملت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی نور اللہ مرقدہ نے بیویوں کا ایک اور حق لکھا ہے۔ ملفوظات کمالاتِ اشرفیہ میں ہے کہ بیوی کا ایک حق یہ ہے کہ ہر ماہ اس کو کچھ جیب خرچ دے دو اور پھر اس کا حساب بھی نہ لو کیونکہ وہ مجبور ہے، آپ کی دستِ نگر ہے، کما نہیں سکتی۔ اب اس کا بھائی آیا ہے یا چھوٹے چھوٹے بھانجے بھتیجے آئے ہیں اس کا جی چاہتا ہے کہ ان کو کچھ تحفہ ہدیہ دے دوں۔ کہاں سے دے گی۔ لہٰذا اپنی اپنی حیثیت کے موافق کچھ رقم اپنی بیویوں کو ایسی دے دیجئے کہ بعد میں اس کا کوئی حساب نہ لیا جائے اور اس سے کہہ بھی دیں کہ یہ رقم تمہارے لیے ہے جہاں جی چاہے خرچ کرو۔ (خوشگوار ازدواجی زندگی، صفحہ: ٢٤-٢٥)

حضرت حوا علیہا السلام کی تاریخ

عبداللہ بن مسعود اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ابلیس کو جب

جنت سے نکالا اور حضرت آدم علیہ السلام تنہا جنت میں رہ گئے تو کوئی نہ رہا جس سے اُنس حاصل کرتے۔ پس اللہ تعالیٰ نے ان پر نیند طاری فرمادیا اور ایک پسلی بائیں طرف سے نکالی اور اس کی جگہ گوشت رکھ دیا۔ اور اسی پسلی سے حضرت حوا علیہا السلام کو پیدا فرمایا۔ پس جب آدم علیہ السلام بیدار ہوئے تو اپنے سر کے پاس ان کو بیٹھے ہوئے پایا۔ اور دریافت کیا کہ تم کون ہو؟ کہا میں عورت ہوں۔ پوچھا کہ تجھے کیوں پیدا کیا گیا؟ کہا تاکہ آپ مجھ سے سکون اور تسلی حاصل کریں۔

پھر ملائکہ نے حضرت آدم علیہ السلام سے دریافت کیا کہ یہ کون ہیں؟ فرمایا یہ عورت ہے۔ دریافت کیا کہ ان کا نام امرأۃ کیوں ہے؟ فرمایا کیونکہ یہ **خُلِقَتْ مِنَ الْمَرْءِ** مرد سے پیدا کی گئی ہے۔ دریافت کیا ان کا نام کیا ہے فرمایا حواء۔ پوچھا کہ نام حوا کیوں ہے؟ فرمایا **لِاَنَّھَا خُلِقَتْ مِنْ شَیْءٍ حَيٍّ** کیونکہ وہ زندہ سے پیدا کی گئی ہیں۔ (روح المعانی، ج:۱،ص:۲۳۳)

بخاری شریف کی حدیث میں اسی طرف اشارہ ہے:

﴿اَلْمَرْاَۃُ کَالضِّلَعِ اِنْ اَقَمْتَھَا کَسَرْتَھَا وَ اِنِ اسْتَمْتَعْتَ بِھَا اسْتَمْتَعْتَ بِھَا وَ فِیْھَا عِوَجٌ﴾

(صحیحُ البخاری، کتابُ النکاح، بابُ المداراۃ مع النسآء، ج:۲، ص: ۷۷۹)

عورت مثل پسلی کے ہے، اگر اس کو سیدھا کرو گے تو توڑ دو گے اور اگر اس سے فائدہ اٹھاؤ گے تو اسی حالت میں اس سے فائدہ اٹھا سکتے ہو کہ اس کے اندر ٹیڑھا پن رہے گا۔

اس حدیث کو امام بخاری باب المداراۃ مع النسآء کے ذیل میں لائے ہیں جس سے بیویوں کے ساتھ حسنِ سلوک کا سبق ملتا ہے اور ان کی بداخلاقیوں پر صبر و تحمل کی تعلیم بھی ملتی ہے۔

دوسری حدیث میں تصریح ہے کہ پسلی سے ان کو پیدا کیا گیا ہے:

﴿وَاسْتَوْصُوْا بِالنِّسَآءِ خَیْرًا فَاِنَّھُنَّ خُلِقْنَ مِنْ ضِلَعٍ﴾

(صحیحُ البخاری، کتاب النکاح، باب الوصاۃ بالنسآء، ج:۲، ص: ۷۷۹)

عورتوں کے ساتھ بھلائی کی وصیت کرو کیونکہ ان کو پسلی سے پیدا کیا گیا ہے۔ (کشکولِ معرفت،صفحہ:۱۲۹۔۱۳۰)

حدیث نمبر ۵۴

﴿اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِّسَانِهٖ وَیَدِهٖ﴾

(صحیحُ البخاری، کتابُ الایمان، باب المسلم من سلم المسلمون، ج: ۱، ص: ۶)

ترجمہ: مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ ہوں۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ کامل اور پکا مسلمان، اللہ کا بہت پیارا مسلمان وہ ہے کہ جس کی زبان سے اور اس کے ہاتھ سے کسی مسلمان کو تکلیف نہ پہنچے۔ یہاں پر علامہ بدرالدین عینی

رحمۃ اللہ علیہ نے ایک علمی اِشکال قائم کیا ہے کہ کیا پاؤں سے مارنے کی اجازت ہے کیونکہ حدیث میں صرف یہ فرمایا گیا ہے کہ زبان سے تکلیف نہ دو اور ہاتھ سے تکلیف نہ دو۔ اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ جو اعضاء تکلیف پہنچانے میں کثرت سے استعمال ہوتے ہیں وہ صرف دو ہیں زبان اور ہاتھ۔ لات کی نوبت تو بہت کم آتی ہے۔ تو جب کثیر الاستعمال (زیادہ استعمال ہونے والے) اعضاء کو تکلیف پہنچانے سے حفاظت کی مشق ہو جائے گی تو پاؤں سے مارنے کی تو بہت کم نوبت آتی ہے، اس کا قابو میں کرنا تو بہت آسان ہو جائے گا۔

ایک ہندو نے حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب سے پوچھا تھا کہ مسلمان وہ ہے کہ جس کی ایذا رسانی سے صرف مسلمان بچے رہیں تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ غیر مسلموں یعنی ہندوؤں اور کافروں کو خوب ایذا پہنچائی جائے۔ حضرت نے فرمایا کہ نہیں! چونکہ مسلمان کا واسطہ کثرت سے مسلمانوں ہی سے پڑتا ہے تو جب اکثر آپس میں ساتھ رہنے والے اپنے رہن سہن میں ایک دوسرے کو اذیت سے بچالیں گے تو ہندوؤں سے ملاقات اور لین دین تو کبھی کبھی ہوتا ہے ان کو بدرجۂ اولیٰ مسلمانوں سے سلامتی رہے گی۔ جیسے دو برتن جو ساتھ رہتے ہیں جب ان میں کھٹ پٹ نہیں ہوتی تو جو برتن دور رہتے ہیں ان سے کیسے لڑائی ہو گی۔ البتہ حالتِ جہاد مستثنیٰ ہے لیکن عام حالات میں جب غیر مسلم صلح کر لیں یا مسلمانوں کو نہ ستائیں تو بدرجۂ اولیٰ مسلمانوں کے زبان و ہاتھ سے امن میں رہیں گے کیونکہ ان سے زیادہ معاملہ نہیں پڑتا۔ یہ جواب شیخ نے دیا جو مجھ سے نقل فرمایا۔

ایک علمی اِشکال علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ نے اور فرمایا کہ یہ بتائیے کہ کیا زبان سے کوئی تکلیف دے سکتا ہے۔ زبان میں تو ہڈی بھی نہیں، گوشت کا ایک نرم سا ٹکڑا ہے۔ زبان سے اگر کوئی کسی کو مارے تو کیا چوٹ لگے گی یا زبان کے الفاظ سے تکلیف ہوتی ہے تو پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کیوں نہیں فرمایا اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ اَلْفَاظِ لِسَانِہٖ یعنی مسلمان وہ ہے جس کی زبان کے الفاظ سے مسلمان محفوظ رہیں۔ اس اِشکال کا جواب دیتے ہیں کہ بعض وقت بغیر الفاظ کے بھی زبان سے لوگ تکلیف دیتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علوم نبوت کو کمالِ بلاغت دیا گیا تھا اس لیے آپ نے مِنْ اَلْفَاظِ لِسَانِہٖ نہیں فرمایا تا کہ اس حدیث میں وہ لوگ بھی شامل ہو جائیں مَنْ اَخْرَجَ لِسَانَہٗ اسْتِھْزَاءً جو کسی کا مذاق اُڑانے کے لیے زبان کو نکال کر ہلا دیتے ہیں۔ اس وقت وہ شخص زبان سے بالکل کوئی الفاظ نہیں نکلتا صرف زبان کو نکالا اور چڑانے کے لیے ذرا سا ہلا کر بھاگ گیا۔ اکثر بچے ایسا کرتے رہتے ہیں جب دیکھتے ہیں کہ پٹائی ہو رہی ہے اور بدلہ نہیں لے سکتے تو ایسا کر کے بھاگ جاتے ہیں کبھی بعضے بڑے بھی کر جاتے ہیں کہ

زبان کو باہر نکالا اور دائیں بائیں کو ہلا دیا۔ اور اس طرح مذاق اُڑا دیتے ہیں اور کچھ نہیں بولتے۔ دیکھئے کلام نبوت کی کیا بلاغت ہے اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِسَانِہٖ فرمایا کہ اس میں وہ لوگ بھی داخل ہو گئے جو صرف زبان سے تکلیف پہنچا دیتے ہیں اگرچہ کوئی لفظ زبان سے نہیں نکالتے۔ اگر مِنْ اَلْفَاظِ لِسَانِہٖ ہوتا تو زبان سے تکلیف پہنچانے والے اس حدیث میں شامل نہ ہوتے۔ یہ کلامِ نبوت کی بلاغت کا اعجاز ہے۔ (حقوق النساء، صفحہ:۹۔۱۱)

حدیث نمبر ۵۵

﴿لَیْسَ شَیْءٌ اَحَبَّ اِلَی اللّٰہِ مِنْ قَطْرَتَیْنِ وَاَثْرَیْنِ قَطْرَۃِ دُمُوْعٍ مِنْ خَشْیَۃِ اللّٰہِ وَقَطْرَۃِ دَمٍ تُھْرَاقُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ......الخ﴾

(سننُ الترمذی، کتابُ فضل الجهاد عن رسول الله ﷺ، ج:۱، ص:۲۹۶)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کے نزدیک کوئی چیز دو قطروں سے زیادہ محبوب نہیں۔ ایک آنسو کا وہ قطرہ جو اللہ کے خوف سے نکلا ہو اور دوسرا خون کا وہ قطرہ جو اللہ کے راستہ میں گرا ہو۔

گڑگڑا کر معافی مانگنے والوں کے لیے علامہ آلوسی تفسیر روح المعانی پارہ ۳۰ سورہ انا انزلنا کی تفسیر میں ایک حدیثِ قدسی نقل کرتے ہیں۔ حدیثِ قدسی وہ حدیث ہے جو زبانِ نبوت سے نکلے مگر نبی کہہ دے کہ اللہ تعالیٰ نے یوں فرمایا ہے تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ یہ فرماتے ہیں کہ جب کوئی بندہ گڑگڑا کر معافی مانگتا ہے کہ اللہ مجھ سے بڑے گناہ ہو گئے آپ مجھ کو معاف کر دیجئے، قبر میں کیا منہ لے کر جاؤں گا، قیامت کے دن آپ کو کیا منہ دکھاؤں گا تو اس کا یہ گڑگڑانا اتنا اللہ کو پسند ہے کہ اس کے گڑگڑانے کی اس آواز کو اللہ تعالیٰ لوگوں کی سبحان اللہ سبحان اللہ کی تسبیحات سے زیادہ پسند کرتے ہیں۔ اب حدیثِ قدسی کے الفاظ بھی سن لیجئے۔ اہل علم حضرات تفسیر روح المعانی پارہ ۳۰ سورہ انا انزلنا کے ذیل میں اس حدیث کو دیکھ لیں۔ سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ یہ فرماتے ہیں:

﴿لَاَ نِیْنُ الْمُذْنِبِیْنَ اَحَبُّ اِلَیَّ مِنْ زَجْلِ الْمُسَبِّحِیْنَ﴾

(روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم والسبع المثانی، سورة القدر، ج:۳۰، ص:۱۹۶)

گنہگاروں کا رونا، آہ کرنا، گڑگڑانا مجھے تسبیح پڑھنے والوں کی سبحان اللہ سبحان اللہ کی آوازوں سے زیادہ محبوب ہے۔ اور بانی دیوبند مولانا قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے تو ایک عجیب بات فرمائی جس کو میں نے اپنے شیخ و مرشدِ اوّل شاہ عبدالغنی صاحب پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ سے بارہا سنا جو حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے بڑے خلفاء میں سے تھے اور حضرت مولانا اصغر میاں صاحب دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ کے

معاصرین میں سے تھے۔ یہ دونوں بزرگ یعنی میرے مرشد شاہ عبدالغنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا اصغر میاں صاحب دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ جون پور میں ساتھ پڑھاتے تھے۔اسی لیے مفتی اعظم پاکستان مفتی شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ، شاہ عبدالغنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے فرماتے تھے کہ حضرت آپ خالی میرے پیر بھائی نہیں ہیں، آپ کو میں اپنے استاد کے درجہ میں سمجھتا ہوں کیونکہ آپ میرے استاد مولانا اصغر میاں صاحب دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ پڑھاتے تھے۔

مولانا قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جس ملک میں بادشاہ کوئی چیز باہر سے منگاتا ہے کسی دوسرے ملک سے درآمد یعنی امپورٹ کرتا ہے اس کی زیادہ عزت وقدر کرتا ہے کیونکہ بادشاہ کے ملک میں وہ چیز نہیں ہے۔تو مولانا قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کی عظمت وجلالتِ شان کی جو بارگاہ ہے وہاں آنسو نہیں ہیں اس لیے وہ ہمارے آنسوؤں کی بہت قدر کرتے ہیں کیونکہ آنسو تو گنہگار بندوں کے نکلتے ہیں، فرشتے رونا نہیں جانتے کیونکہ ان کے پاس ندامت تو ہے نہیں۔ان کو قربِ عبادت حاصل ہے قربِ ندامت حاصل نہیں۔قربِ ندامت تو ہم گنہگاروں کو حاصل ہے۔اس لیے مولانا شاہ محمد احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

کبھی طاعتوں کا سرور ہے کبھی اعترافِ قصور ہے
ہے ملک کو نہیں جس کی خبر وہ حضور میرا حضور ہے

اللہ والوں کو ندامت کا جو حضور ہے فرشتوں کو یہ نعمت حاصل نہیں کیونکہ ان سے خطائیں نہیں ہوتیں وہ بے چارے ندامت کیا جائیں، وہ تو مقدس مخلوق ہیں ہر وقت سبحان اللہ پڑھ رہے ہیں اس لیے اللہ تعالیٰ نے ایک ایسی مخلوق پیدا کی کہ جس کی ندامت کو دیکھیں یعنی بعض بندے باوجود عزم علی التقویٰ کے کبھی تقاضائے بشری سے مغلوب ہوکر خطا کر بیٹھیں گے تو اس غم سے کہ ہائے ہم نے اپنے اللہ کو ناراض کردیا، ان کا دل خون ہوجائے گا اور وہ ندامت سے آہ وزاری کرکے معافی مانگ کر ہم کو راضی کریں گے اور ہم اس ندامت کی راہ سے ان کو اپنا قرب عطا فرمائیں گے۔ (حقوق النساء)

حدیث نمبر ۵٦

﴿وَ قَالَ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ ظُنُّوْا بِالْمُؤْمِنِ خَیْرًا﴾

(تفسیر کبیر، ج:۱۴، ص:۱۳۴)

ترجمہ: بندۂ مؤمن سے نیک گمان رکھو۔

سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ ہر مؤمن کے ساتھ نیک گمان رکھو۔اس

حدیث کی شرح میں علماء ربانین فرماتے ہیں کہ اگر کسی چیز کے اندر ننانوے دلائل ہوں بدگمانی کے لیکن ایک راستہ ہو حسنِ ظن کا تو عافیت کا راستہ یہی ہے کہ حسنِ ظن کے اس ایک راستہ کو اختیار کرلو۔ کیوں؟ اس کی وجہ شاہ عبدالغنی صاحب پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ میرے مرشد اوّل فرمایا کرتے تھے کہ بدگمانی پر اللہ تعالیٰ قیامت کے دن مقدمہ دائر فرمائیں گے اور اس سے پوچھیں گے کہ بدگمانی کے تمہارے پاس کیا دلائل تھے اور نیک گمان پر بلا دلیل انعام عطا فرمائیں گے۔ حسنِ ظن پر بغیر دلیل کے ثواب ملتا ہے کیونکہ امر ہے ظُنُّوا بِالْمُؤْمِنِ خَیْرًا لہٰذا مقدمہ میں جان پھنسانا بے وقوفی، حماقت اور نادانی ہے۔ حضرت ہنس کر فرماتے تھے کہ احمق ہے وہ شخص جو مفت میں ثواب لینے کے بجائے اپنی گردن پر مقدمات قائم کرنے کے انتظامات کررہا ہے اور اپنے لیے مصیبتیں تیار کررہا ہے۔ نیک گمان کرکے مفت میں ثواب لو اور بدگمانی کرکے دلائل پیش کرنے کے مقدمات میں اپنی جان کو نہ پھنساؤ۔

حضرت حکیم الامت مجدد الملت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اعتراض کا منشاء دو ہوتا ہے۔ قلتِ محبت اور قلتِ علم یعنی اعتراض عموماً دو قسم کے لوگوں کو ہوتا ہے یا تو اس کے اندر محبت کی کمی ہوتی ہے جس کی وجہ سے ہر آدمی کے اندر کیڑے نکالنے کی کوشش کرتا ہے یا پھر نہایت درجہ کا جاہل ہوتا ہے کیونکہ قرآن و حدیث اور فقہ کے اصول اس کے سامنے نہیں ہوتے اس لیے جہالت کی وجہ سے اعتراض کرتا ہے اور فرمایا کہ ہماری خانقاہ میں دو ہی قسم کے لوگوں کو فائدہ پہنچ سکتا ہے یا تو انتہائی درجہ کا فقیہ ہو کہ میرے ہر عمل کو سمجھ جائے کہ یہاں فقہ کا فلاں قانون لاگو ہوسکتا ہے یا پھر انتہائی درجہ کا عاشق ہو جس کو سوائے بھلائیوں کے کچھ نظر ہی نہ آئے کیونکہ عاشق کو تو محبوب کی ہر ادا پسند آتی ہے اور اگر نہ اس میں محبت کامل ہے نہ علم کامل ہے تو ایسے لوگ پھر محروم ہی رہتے ہیں پس دینی خدّام پر اعتراض اور ان کے فیوض و برکات سے محرومی کے یہ دو ہی سبب ہیں یا محبت کی کمی یا علم کی کمی۔

دیکھئے تھانہ بھون جیسا قصبہ جہاں اپنے زمانہ کا مجدد موجود تھا، جب دور دور سے بڑے بڑے علماء اور بزرگ آتے تھے تو قریب کے رہنے والے یعنی قصبہ کے بعض لوگ مذاق اُڑاتے تھے اور کہتے تھے کہ ان لوگوں کو کیا ہوگیا ہے کہ کلکتہ سے، مدراس سے، بمبئی سے، اعظم گڑھ سے، جون پور سے چلے آرہے ہیں، کیسے بے وقوف لوگ ہیں، ہمیں تو کوئی خاص بات ان بڑے میاں میں نظر نہیں آتی لہٰذا دور دور کے لوگ کامیاب ہوگئے اور قریب کے لوگ جنہوں نے قدر نہ کی محروم رہ گئے۔

حضرت حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے ایک شخص نے کہا کہ حاجی صاحب! آپ تو کوئی بڑے عالم بھی نہیں ہیں پھر ان علماء کو کیا ہوگیا کہ مولانا گنگوہی جیسا عالم مولانا قاسم نانوتوی جیسا عالم اور

حضرت حکیم الامت جیسا عالم آپ سے مرید ہوگیا ہے مجھے تو اس بات پر سخت صدمہ اور تعجب ہے کہ یہ علماء کیوں آپ سے بیعت ہو گئے ۔ اب حاجی صاحب کا جواب سن لیجئے فرمایا کہ جتنا آپ کو تعجب ہے اس سے زیادہ مجھے تعجب ہے کہ یہ علماء اور علماء بھی ایسے کہ علم کے سمندر نہ جانے مجھ جیسے کے ہاتھ پر کیوں بیعت ہو گئے ۔ یہ حاجی صاحب کا کمالِ تواضع تھا لیکن یہ بدگمانی اوراعتراض کرنے والا کوئی بہت ہی محروم شخص تھا۔ اس کے برعکس ان حضرات کے اندر کتنا ادب تھا۔ حاجی امداد صاحب نے ایک رسالہ لکھا اور مولانا قاسم نانوتوی کو دیا اصلاح کے لیے۔ اس میں علمی لحاظ سے کوئی لفظ مسودہ میں غلط ہو گیا تو مولانا قاسم صاحب نے اس مقام پر یہ نہیں لکھا کہ حضرت آپ سے یہاں غلطی ہوگئی ہے بلکہ وہاں دائرہ بنا کر یہ لکھ دیا کہ حضرت یہ لفظ میری سمجھ میں نہیں آ رہا ہے۔ اللہ اللہ کیا ادب تھا! نقص کی نسبت شیخ کی طرف نہیں کی، اپنی سمجھ کی طرف کر دی۔ (بدگمانی اوراس کا علاج، صفحہ:۲۔۴)

حدیث نمبر ۵۷

﴿سَبَقَ الْمُفَرِّدُوْنَ قَالُوْا وَمَا الْمُفَرِّدُوْنَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ قَالَ الذَّاکِرُوْنَ اللّٰہَ کَثِیْرًا وَّالذَّاکِرَاتُ﴾

(صحیح مسلم ،کتابُ الذکر والدعاء، باب الحث علی ذکر اللہ تعالٰی، ج: ۲، ص: ۳۴۱)

ترجمہ: مفردون سبقت لے گئے ۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے پوچھا یارسول اللہ مفردون کون لوگ ہیں؟ تو آپ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالٰی کو کثرت سے یاد کرنے والے مرد اور کثرت سے یاد کرنے والی عورتیں۔

حدیث میں آتا ہے سَبَقَ الْمُفَرِّدُوْنَ مفردون یعنی عاشق بازی لے گئے ، وہ لوگ جو عاشقانہ ذکر کرتے ہیں۔ اَلْمُفَرِّدُوْنَ کا ترجمہ عاشقوں حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ نے کیا ہے۔ پھر میں نے ملا علی قاری کی مرقاۃ شرح مشکوٰۃ دیکھی کہ اَلْمُفَرِّدُوْنَ کی انہوں نے کیا شرح کی ہے ملا علی قاری فرماتے ہیں:

﴿اَلَّذِیْنَ لَا لَذَّۃَ لَھُمْ اِلَّا بِذِکْرِہٖ وَلَا نِعْمَۃَ لَھُمْ اِلَّا بِشُکْرِہٖ﴾

(مرقاۃُ المفاتیح، کتابُ الدعوات، باب ذکر اللہ عز وجلَّ ج:۵، ص: ۳۴)

مفردون سے مراد اللہ تعالٰی کے عاشقوں کا وہ طبقہ ہے جن کو دنیا میں کہیں مزہ نہ آئے سوائے اللہ کے نام کے۔ بیوی بچے، کھانا پینا، تجارت مکان انہیں جب اچھا معلوم ہوتا ہے جب پہلے اللہ کا نام لے لیتے ہیں اللہ تعالٰی کی فرماں برداری کے بعد ان کو دنیاوی نعمت میں لذت ملتی ہے اور کوئی نعمت انہیں نعمت نہیں معلوم ہوتی مگر جب اللہ تعالٰی کا شکر ادا کر لیتے ہیں۔

شیخ محی الدین ابوزکریا نووی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح مسلم میں اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے

ایک دوسری روایت نقل کی ہے کہ مفردون کے معنی ہیں کہ جو حالتِ ذکر میں وجد میں آجائیں اَلَّذِیْنَ اھْتَزُّوْا فِیْ ذِکْرِ اللّٰہِ (صفحہ۴ جلد۹ کتاب الذکر) اِھْتِزَازٌ کے کیا معنی ہیں؟ جب بارش ہوتی ہے تو زمین پھولتی ہے، حرکت میں آجاتی ہے تو معنی یہ ہوئے کہ یہ وہ لوگ ہیں کہ اللہ کے نام سے ان میں حرکت پیدا ہو جاتی ہے، جھوم جاتے ہیں اَیْ لَھَجُوْا بِہٖ یعنی خدا پر عاشق ہو جاتے ہیں۔ میں جب ہردوئی گیا تو حضرت مولانا شاہ ابرارالحق صاحب دامت برکاتہم کی خدمت میں بہت مزہ آیا۔ اللہ والوں کی معیت بہت پر کیف ہوتی ہے۔ میں نے حضرت والا سے عرض کیا کہ حضرت کی خدمت میں بہت مزہ آرہا ہے کیوں کہ اس چوکھٹ سے بڑھ کر کس کا دروازہ ہوسکتا ہے جس سے اللہ مل جائے۔ (منازلِ سلوک، صفحہ:۱۹۔۲۰)

حدیث نمبر ۵۸

﴿لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ﴾

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔

کلمہ طیبہ کے معانی

آج لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کی تفسیر کرنا چاہتا ہوں۔ لَا اِلٰهَ کے معنی غیر اللہ سے دل کو نہیں لگانا۔ جتنے باطل خدا ہیں خواہ وہ جاہ کے ہوں خواہ باہ کے ہوں یا حسن کے ہوں، ان باطل خداؤں سے قلب کو پاک کرلو تب اِلَّا اللّٰهُ ملے گا۔ ایک فوج کے افسر نے مجھ سے پوچھا کہ اِلَّا اللّٰهُ کیسے مضبوط ہوتا ہے۔ میں نے کہا جتنا لَا اِلٰهَ مضبوط ہوگا اتنا ہی اِلَّا اللّٰهُ مضبوط ہوتا ہے۔ اگر باطل خداؤں سے قلب پاک نہیں ہے تو اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی گندم لگائے لیکن وہیں دوسرے گھاس پودے پیدا ہو جائیں تو گندم کی کھاد اور پانی کو دوسری گھاس اور پودے لے لیں گے اور گندم کمزور رہ جائے گا۔ غیر اللہ دل میں ہوگا تو اِلَّا اللّٰهُ کی صحیح کیفیت محسوس بھی نہ ہوگی۔ دس ہزار روپے والا عطرِ عود ایک شخص نے لگایا مگر بلی کا پاخانہ بھی لگا لیا اور ایک مہینہ سے غسل بھی نہیں کیا تھا۔ پسینہ کی بدبو آرہی ہے۔ بتایئے عطرِ عود کی خوشبو محسوس ہوگی؟ اس لیے اللہ تعالیٰ نے لَا اِلٰهَ سے گویا قلب و روح کو دنیا کی بدبو اور پسینہ اور غیر اللہ کی آلائش سے پاک فرمایا پھر اِلَّا اللّٰهُ کا عطر عطا فرمایا۔ غیر اللہ کی نفی کو مقدم کیا۔ کلمہ کا یہ پہلا جز ہے۔ لیکن غیر اللہ سے کٹنا اور اللہ سے جُڑنا کس طرح سے ہوگا۔ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے طریقۂ سنت سے اللہ ملے گا اور طریقۂ سنت پر چلنے والے کون ہیں؟ اللہ والے متبعین سنت عارفین ہیں ان سے ہی سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا طریقہ پوچھنا پڑے گا:

﴿اَلرَّحۡمٰنُ فَاسۡئَلۡ بِهٖ خَبِيۡرًا﴾
(سورۃُ الفرقان، اٰیۃ: ۵۹)

رحمٰن کی شان کو باخبر لوگوں سے یعنی اللہ والوں سے پوچھو، علامہ آلوسی السید محمود بغدادیؒ فرماتے ہیں کہ خبیرا سے مراد عارفین ہیں۔ دنیا میں مختلف لوگوں کو مختلف چیزوں سے محبت ہوتی ہے کسی کو مال سے بہت زیادہ محبت ہوتی ہے۔ (تکمیلِ معرفت، صفحہ: ۷۔۹)

بعض لوگوں کو رزق اور عمدہ عمدہ غذاؤں کا شوق ہے۔ یہ لاَاِلٰہ کی تفسیر ہورہی ہے۔ مال کی نفی ہوچکی۔ اب نمبرآرہا ہے اچھی اچھی غذاؤں کا۔ مولانا فرماتے ہیں کہ بعض لوگ کھانے کے اتنے حریص ہیں کہ دعوت اگر مل جائے تو جماعت کی نماز چھوڑ دیتے ہیں۔ افطار کا وقت ہے، دہی بڑے ٹھونستے چلے جارہے ہیں۔ جب سجدہ کرتے ہیں تو کہتے ہیں اللہ اکبر۔ اللہ بڑا ہے مگر دہی بڑا کہتا ہے کہ میں بڑا ہوں۔ میں پہلے نکلوں گا حلق سے۔ کیوں کہ تم نے یہاں تک ٹھونسا ہوا ہے۔ اوّل تو جماعت کی نماز چھوڑنا جرم، پھر اتنا ٹھونسنا کہ حلق سے غذا باہر آنے لگے یہ بھی جائز نہیں۔ صحت کے لیے مضر ہے اتنا کھانا کیسے جائز ہوگا۔ مولانا رومی فرماتے ہیں کہ جن کو اچھے اچھے کھانے کا شوق ہے تو بے شک رزق اچھا مل جائے تو کوئی حرج نہیں۔ مگر رزّاق کی محبت پر رزق غالب نہ آئے، نعمت کی محبت جب نعمت دینے والے کی محبت پر غالب ہوجائے تو سمجھ لو کہ یہ شخص ناشکرا ہے۔ اس لیے علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ذکر کو مقدم فرمالیا شکر پر فَاذۡکُرُوۡنِیۡۤ اَذۡکُرۡکُمۡ تم یاد کرو مجھے اطاعت سے۔ یہ تفسیر بیان القرآن میں ہے کہ تم یاد کرو مجھے اطاعت سے میں تمہیں یاد کروں گا اپنی عنایت سے وَاشۡکُرُوۡا لِیۡ علامہ آلوسی فرماتے ہیں کہ شکر کو اللہ تعالیٰ نے مؤخر بیان کیا ذکر کو مقدم فرمایا اس میں کیا حکمت ہے؟ فرماتے ہیں کہ اِنَّ حَاصِلَ الذِّکۡرِ اَلۡاِشۡتِغَالُ بِالۡمُنۡعِمِ ذکر کرنے والا نعمت دینے والے کے ساتھ مشغول ہے وَاِنَّ حَاصِلَ الشُّکۡرِ اَلۡاِشۡتِغَالُ بِالنِّعۡمَۃِ جو شکر کررہا ہے وہ نعمت میں مشغول ہے۔ فَالۡاِ شۡتِغَالُ بِالۡمُنۡعِمِ اَفۡضَلُ مِنَ الۡاِشۡتِغَالِ بِالنِّعۡمَۃِ ایک نعمت میں غرق ہے اور ایک نعمت دینے والے میں ڈوبا ہوا ہے یعنی اللہ کی یاد میں غرق ہے۔ ظاہر ہے کہ جو اللہ کی یاد میں مشغول ہے اس کا درجہ بڑا ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنی یاد کو مقدم فرمایا کہ اگر تم نے ہماری یاد نہ کی تو نعمتیں تم پر غالب ہوجائیں گی، تم رزق کے غلام بن جاؤ گے، عبدالرزّاق کے بجائے عبدالرزق ہوجاؤ گے۔ نعمتوں کے پیچھے اتنا لگو گے کہ نعمت دینے والے کو فراموش کردو گے لہٰذا ہماری یاد میں زیادہ لگو تاکہ نعمتوں پر ہماری محبت غالب رہے اور ان نعمتوں کا انجام بھی تو سوچو کہ کیا ہے۔ رات کو بریانی کھاتے ہو لیکن صبح کو بیت الخلاء میں کیا نکالتے ہو۔ امپورٹ کیسی اور ایکسپورٹ کیسا۔ لہٰذا

نعمت پر شکر تو کرو لیکن دل نہ لگاؤ۔ یہ ہوگیا دوسرا اِلٰہ۔ پہلا اِلٰہ مال تھا، دوسرا خدا ہم نے کیا بنایا ہوا ہے؟ رزق اور عمدہ غذائیں! اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿اَفَرَأَیۡتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰھَهٗ ھَوَاهُ﴾

(سورۃ الجاثیة، اٰیة:۲۳)

اے محمد! صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یا آپ نے نہیں دیکھا کہ بعض لوگوں نے اپنے نفس کی خواہش کو اپنا خدا بنایا ہوا ہے۔ لہٰذا لاَ اِلٰہَ کی نفی، توحیدِ کامل اس شخص کو حاصل نہیں ہے جو جاہ کا اور مال کا اور حسن کا غلام بنا ہوا ہے۔ زبان سے کتنا ہی توحید توحید کہتا رہے لیکن توحیدِ عملی یہ ہے کہ جاہ کی نفی کرو، باہ کی نفی کرو، مال کی نفی کرو۔ یعنی ما سوا اللہ پر اللہ کی محبت کو غالب رکھو۔ اسی طرح رزق کے معاملہ میں پلاؤ، بریانی، کباب بے شک حلال اور جائز ہے لیکن اتنا نہ ہو کہ جس کی محبت میں ہم لوگ اللہ تعالیٰ کو بھول جائیں۔ دو چیزوں کی نفی ہوگئی۔ مال کی اور رزق کی۔

تیسرا اِلٰہ باطل حُبِّ جاہ ہے

نمبر تین ہے حبِ جاہ، ایک انسان کو اگر سارا لاہور سلام کرے اور کہے کہ جناب آپ بہت معزز آدمی ہیں تو اس کی عزت میں ایک اعشاریہ اضافہ نہیں ہوگا۔ ہاں اس بندے سے جس کو سارا لاہور سلام کررہا ہے اگر اللہ تعالیٰ قیامت کے دن خوش ہوجائیں تب سمجھ لو کہ اب اس کی قیمت ہے۔ غلام کی قیمت مالک لگاتا ہے، غلاموں کی قیمت غلام اگر لگاتے ہیں تو میزان میں کیا آئے گا؟ غلام! غلام مثبت ایک لاکھ غلام تو میزان اور ٹوٹل غلام ہی تو ہوگا اور اگر اللہ تعالیٰ قیامت کے دن راضی ہوجائیں تب سمجھو کہ اب ہماری قیمت ہے۔ علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کو خدا جزائے عظیم دے۔ اس حقیقت پر کیا عمدہ شعر فرمایا ہے کہ اے دنیا والو! اپنی قیمت پہلے سے مت لگاؤ، اپنے کو فنا کرکے رہو، مٹ کر رہو، نہ نماز پر ناز کرو نہ روزہ پر، نہ حج پر نہ زکوٰۃ پر۔ بس کرتے رہو اور ڈرتے رہو۔ یہ سوچو کہ قیامت کے دن نہ معلوم ہماری کیا قیمت لگے گی۔ اس لیے حکیم الامت فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ مجھے کبر سے بچاتا ہے کیوں کہ ہمیشہ ایک عظیم غم میرے سامنے ہے کہ قیامت کے دن نہ جانے اشرف علی کا کیا حال ہوگا۔ اُولٰٓئِکَ اٰبَائِیۡ فَجِئۡنِیۡ بِمِثۡلِھِمۡ۔ علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جاہ کے علاج کے لیے ایک شعر کافی ہے ؎

ہم ایسے رہے یاں کہ ویسے رہے
وہاں دیکھنا ہے کہ کیسے رہے

دوستو! سوچو کہ اس میں کوئی لغت فارسی، عربی نہیں ہے۔ مگر یہ شعر کبر کے علاج کے لیے عجیب وغریب ہے۔

فرماتے ہیں کہ اتنے بڑے علامہ ہوگئے ، اتنے بڑے تاجر ہوگئے تمام دنیا تعریف کررہی ہے لیکن دیکھنا یہ ہے کہ قیامت کے دن ہماری کیا قیمت لگتی ہے۔ اگر اس دن اللہ ہم سے راضی ہوگیا تب ہماری قیمت ہے ورنہ دنیا کی جاہ وعزت وتعریف کسی کام کی نہیں۔

لہٰذا حکیم الامت فرماتے ہیں کہ مرنے سے پہلے اپنی قیمت نہ لگاؤ۔ اگر دنیا میں اپنی قیمت لگاؤ گے تو یہ انٹرنیشنل، بین الاقوامی حماقت ہوگی۔ میرے شیخ فرماتے تھے کہ کبر کا مرض ہمیشہ بے وقوفوں میں ہوتا ہے۔ آپ خود سوچئے کہ نتیجہ یعنی رزلٹ نکلنے سے پہلے کوئی طالبِ علم نازونخرے کرے تو بے وقوف ہے یا نہیں۔ لہٰذا حب جاہ کا علاج ہوگیا۔

سب سے بڑا اِلٰہ باطل حسنِ مجازی ہے

اب آیئے ایک مرض اور شدید ہے۔ وہ ہے حسن پرستی، اس موضوع پر میری ایک کتاب ہے ''روح کی بیماریاں اور ان کا علاج'' شاید یہاں بھی مل جائے گی۔ اگر آپ اپنے نوجوان بچوں کو طلبائے کرام کو پڑھا دیں تو ان شاء اللہ تعالیٰ حسن کے ڈاکوؤں سے ان کی جوانی محفوظ رہے گی۔ میرے شیخ حضرت مولانا ابرارالحق صاحب دامت برکاتہم نے اس کتاب کی زبردست قدر فرمائی اور ایک صاحب کو خط میں لکھا کہ جس کا دل غیر اللہ سے لگ گیا ہو اختر کی کتاب روح کی بیماریاں اور ان کا علاج اس کو سناؤ۔ (تکمیلِ معرفت،صفحہ:۱۲۔۱۶)

تقاضائے گناہ، گناہ نہیں ہے۔ تقاضے پر عمل کرنے سے گناہ ہوتا ہے۔ جیسے روزہ میں سو دفعہ دل چاہے کہ ٹھنڈا پانی پی لو لیکن جو شخص مجاہدہ کرتا ہے اور پانی نہیں پیتا تو اس کا اجر زیادہ ہے۔ لہٰذا اگر تقاضائے گناہ کو برداشت کرتا ہے، گناہ نہیں کرتا تو یہ شخص بہت بڑا ولی اللہ ہوگا ان شاء اللہ تعالیٰ۔ کیوں کہ اس کا مجاہدہ شدید ہے تو اس کا مشاہدہ بھی شدید ہوگا۔ جتنا زیادہ مجاہدہ ہوگا اتنا ہی زیادہ مشاہدہ ہوگا۔

نورِ تقویٰ لا الٰہ کے منفی اور الا اللہ کے مثبت تار سے پیدا ہوتا ہے

یہ تقاضے گناہ کے ہمیں اللہ تک پہنچانے کا ذریعہ ہیں، تقویٰ کی بنیاد اسی پر ہے کہ تقاضا ہو پھر ہم اس پر عمل نہ کریں۔ مثبت ومنفی دو تار ہیں۔ گناہ کا تقاضا ہوا یہ منفی تار ہے۔ ہم نے اللہ کے خوف سے اپنے آپ کو بچایا یہ مثبت تار ہے۔ آج سائنس دانوں کی تحقیق ہے کہ دو تاروں سے دنیا کی روشنی ہوتی ہے۔ اللہ نے دونوں تار ہمیں دے دیئے۔ لا الٰہ کا منفی تار اور الا اللہ کا مثبت تار دونوں تار سے ایمان اور تقویٰ کا نور اور ولایت کا نور ملتا ہے۔ لہٰذا آپ تقاضوں سے گھبرائیں نہیں۔ جتنا زیادہ شدید تقاضا ہو سمجھ لو کہ ہمیں خدائے تعالیٰ اپنا بہت بڑا ولی بنانا چاہتے ہیں بہ شرط توفیقِ تقویٰ۔ لیکن یہ توفیق اور ہمت ملتی ہے اہلِ ہمت کی صحبت سے

۔حکیم الامت فرماتے ہیں کہ تین کام کرلوتو تقویٰ والے بن جاؤ گے:
نمبرا۔خود ہمت کرو۔
نمبر۲۔ ہمت کی خدا سے دعا کرو۔
نمبر۳۔اہلِ ہمت کی صحبت میں رہواوران سے عطائے ہمت اوراستعمال ہمت کی دعا کراؤ۔
اگرہم نے ان پرعمل کرلیاتو ان شاءاللہ تعالیٰ میں اپنے بزرگوں کی تعلیمات کی روشنی میں عرض کرتا ہوں کہ سو فیصد ہم سب ولی اللہ ہوجائیں گے:
نمبرا۔کسی اللہ والے سے جس سے مناسبت ہوتعلق قائم کرنا یعنی صحبت اہل اللہ کا اہتمام۔
نمبر۲۔ اس سے پوچھ کر ذکر کا دوام۔اب تیسری چیز رہ گئی گناہوں سے بچنے کا التزام اور گناہ سے بچنا موقوف ہے اہل اللہ کی صحبت پر۔کتنا ہی انسان پڑھ لے، پڑھائے امامت کرلے، چلے لگالے مگر تقویٰ جب ہی ملے گا جب اہل تقویٰ کی صحبت نصیب ہوگی۔جس پرآیت **کُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ** دلالت کرتی ہے یعنی **کُوْنُوْامَعَ الْمُتَّقِیْنَ** اورصادق اورمتقی ایک ہی چیز ہے جس کی دلیل یہ آیت ہے:

﴿اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا وَ اُولٰٓئِکَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ﴾
(سورۃُ البقرۃ، اٰیۃ:۱۷۷)

(تکمیلِ معرفت)

حدیث نمبر ۵۹

﴿مَا اَسْفَلَ مِنَ الْکَعْبَیْنِ مِنَ الْاِ زَارِ فِی النَّارِ﴾
(صحیحُ البخاری، کتابُ اللباس، باب ما اسفل من الکعبین ففی النار، ج:۲، ص:۸٦۱)

ترجمہ:ٹخنہ کا جتنا حصہ اِزار سے چھپے گا جہنم میں جائے گا۔

اسبالِ ازار کی وعید

بخاری شریف کی حدیث ہے حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں **مَا اَسْفَلَ مِنَ الْکَعْبَیْنِ مِنَ الْاِ زَارِ فَفِی النَّارِ** اے ایمان والو! جتنا تمہارا ٹخنہ چھپے گا، چاہے جبہ ہو، چاہے کرتا ہو، ازار ہو، توب ہو، اتنا حصہ جہنم میں جلے گا۔
حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ بذل المجہود شرح ابوداؤد میں لکھتے ہیں کہ اس لباس سے مراد وہ لباس ہے جو اوپر سے آرہا ہے۔اگر نیچے سے آرہا ہے جیسے موزہ پہن لے اور ٹخنہ چھپ جائے تو اس میں ذرا بھی گناہ نہیں۔ بلکہ ٹھنڈک میں اپنے پیروں کو چھپالو، اجر بھی ہے۔تو اوپر سے جو

لباس آرہا ہے اس سے ٹخنہ کو چھپا نہیں سکتے۔

ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فتح الباری شرح بخاری جلد نمبر دس کتاب اللباس میں فرماتے ہیں کہ چار وجہ سے ٹخنوں کا چھپانا حرام ہے:

نمبر ۱۔ مِنْ جِهَةِ التَّشَبُّهِ بِالنِّسَآءِ عورتوں سے مشابہت ہوتی ہے۔

نمبر ۲۔ مِنْ جِهَةِ التَّلَوُّثِ بِالنَّجَاسَةِ لٹکا ہوا پائجامہ نجاست سے ملوث ہوتا ہے۔

نمبر ۳۔ مِنْ جِهَةِ التَّشَبُّهِ بِوَضْعِ الْمُتَكَبِّرِيْنَ متکبرین کی وضع سے مشابہ ہے۔

نمبر ۴۔ مِنْ جِهَةِ الْإِسْرَافِ فضول خرچی ہے۔ اگر کوئی کہے کہ آدھے انچ سے کیا ہوتا ہے؟ تو اللہ کا قانون سارے عالم کے مسلمانوں کو سامنے رکھ کر ہے۔ اگر نوے کروڑ مسلمان ہیں تو نوے کروڑ انچ ضائع ہوگیا۔ اس کا فٹ بناؤ، گز بناؤ، اندازہ ہوجائے گا کہ کتنا کپڑا ضائع ہوا۔

اور سن لو جب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہوا تو صرف منافقین ازار لٹکانے لگے تھے۔ کسی صحابی کے بارے میں کوئی ثابت نہیں کرسکتا کہ ان کا پائجامہ سے ٹخنہ چھپا ہو۔ یہاں تک کہ ابن حجر عسقلانی نے شرح بخاری میں لکھا ہے کہ ایک صحابی نے عرض کیا کہ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اِنِّیْ حَمِشُ السَّاقَیْنِ میری پنڈلیاں سوکھ گئی ہیں، بیماری ہوگئی ہے، مجھے مستثنیٰ کردیجئے کہ میں ٹخنہ چھپالوں تاکہ میرا عیب چھپ جائے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اے شخص بیماری تو اللہ کی طرف سے ہے نافرمانی تیری طرف سے ہوگی اَمَا لَکَ فِیَّ اُسْوَۃٌ کیا میرے اندر تیرے لیے نمونہ نہیں کہ میری لنگی کتنی اونچی رہتی ہے۔

جو آدمی اسبالِ ازار کرتا ہے، ٹخنے چھپاتا ہے، اس پر چار عذاب ہوں گے:

۱۔ لَا یُکَلِّمُھُمُ اللّٰہُ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن شفقت سے بات نہیں کریں گے۔

۲۔ وَ لَا یَنْظُرُ اِلَیْھِمْ اللہ تعالیٰ رحمت کی نظر سے نہیں دیکھیں گے۔

۳۔ وَ لَا یُزَکِّیْھِمْ ان کو توفیق اصلاح نہیں دے گے۔ اور

۴۔ وَلَھُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ دردناک عذاب ہوگا۔

مولانا خلیل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں اِنْ لَّمْ یَتُبْ یہ عذاب جب ہوگا اگر توبہ نہ کرے اور اگر توبہ کرلی تو سب ختم، معافی ہوگئی۔ لہٰذا دوستو! ذرا اس کا خیال رکھو۔ آسمان ہی کی طرف نظر مت کرو زمین کی طرف بھی دیکھتے رہو کہ کہیں میرا ٹخنہ چھپ تو نہیں رہا، یہ ذکر ذکرِ منفی ہے۔ اللہ کی عظمت کا حق ہے۔ اب کوئی کہے کہ یہ حکم قرآن میں تو نہیں ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اللہ پاک نے قرآن میں فرمایا کہ میرا نبی جو تم کو حکم دے دے اس کو قرآن کا حکم سمجھو:

﴿وَ مَا اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ وَ مَا نَھٰکُمْ عَنْہُ فَانْتَھُوْا﴾

(سورة الحشر، اٰیة:۷)

میرا نبی جس بات کا حکم کرے اس کو کرو اور جس سے منع کرے اس سے رُک جاؤ۔ یہ قرآن پاک کی آیت ہے نا، لہٰذا حدیث کو ماننا عین قرآن کو ماننا ہے اور حدیث کی نافرمانی قرآنِ پاک کی نافرمانی ہے۔ (مجلسِ ذکر، صفحہ:۳۱۔۳۳)

یہ بخاری شریف کی حدیث ہے مَا اَسْفَلَ مِنَ الْکَعْبَیْنِ مِنَ الْاِزَارِ فِی النَّارِ جس کا ٹخنہ اوپر سے آنے والے لباس مثلاً شلوار، پاجامہ، لنگی وغیرہ سے چھپا رہے گا اُتنا حصہ جہنم میں جلے گا، دوسری حدیث میں ہے کہ جو تکبر سے ایسا کرے گا، اِس حدیث کو لے کر آج لوگ خوب ہوشیاریاں اور چالاکیاں دِکھا رہے ہیں کہ صاحب میرا ٹخنہ تکبر کی وجہ سے نہیں ڈھک رہا ہے حالانکہ کبھی کسی صحابی نے ٹخنہ نہیں ڈھکا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا پیٹ نکلا ہوا تھا اِس لیے آپ کا پاجامہ لٹک جاتا تھا لیکن آپ ہر وقت اُس کو اہتمام سے اوپر کرتے رہتے تھے اور وحی الٰہی سے سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زبانِ رسالت سے اس بات کا اعلان ہوا کہ حضرت ابوبکر صدیق تکبر سے پاک ہیں، آج کے زمانہ میں کس کو سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مستثنیٰ فرمایا؟ کس کے لیے وحی نازل ہوئی؟ لہٰذا جو لوگ ٹخنے ڈھک رہے ہیں وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کر رہے ہیں۔

علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ جن کو ایک لاکھ حدیثیں بمع راویوں کے ناموں کے زبانی یاد تھیں وہ فتح الباری شرح بخاری جلد نمبر ۶ میں تمام حدیثیں سامنے رکھ کر فیصلہ لکھتے ہیں فَاِنَّ ظَاھِرَ الْاَحَادِیْثِ یَدُلُّ عَلٰی تَحْرِیْمِ الْاِسْبَالِ یعنی چاہے تکبر ہو یا نہ ہو ہر حال میں ٹخنہ چھپانا حرام ہے۔ علامہ ابن حجر عسقلانی حافظ الحدیث ہیں جنہیں ایک لاکھ حدیثیں مع اسناد کے زبانی یاد تھیں اور جنہوں نے بخاری شریف کی ۱۴ جلدوں میں شرح لکھی ہے ان سے بڑھ کر آج کوئی کیا حدیث بیان کرے گا، آج تو چند کتابیں پڑھ لیں اور علامہ بن گئے، یہ لوگ علامہ نہیں ضلاَّمہ ہیں۔ تو علامہ ابن حجر عسقلانی تمام مجموعۂ احادیث کی روشنی میں فرماتے ہیں کہ فَاِنَّ ظَاھِرَ الْاَحَادِیْثِ یَدُلُّ عَلٰی تَحْرِیْمِ الْاِسْبَالِ تمام احادیث دلالت کرتی ہیں کہ ٹخنہ چھپانا حرام ہے۔

حدیث نمبر ۶۰

﴿لَا یَقْعُدُ قَوْمٌ یَّذْکُرُوْنَ اللہَ عَزَّ وَجَلَّ اِلَّا حَفَّتْھُمُ الْمَلٰٓئِکَۃُ وَغَشِیَتْھُمُ الرَّحْمَۃُ وَنَزَلَتْ عَلَیْھِمُ السَّکِیْنَۃُ وَذَکَرَھُمُ اللہُ فِیْمَنْ عِنْدَہٗ﴾

(صحیح مسلم، کتابُ الذکر والدعا، باب فضل الاجتماع علی تلاوۃ القراٰن، ج:۲، ص:۳۴۵)

ترجمہ: کوئی قوم بیٹھ کر اللہ تعالیٰ کا ذکر نہیں کرتی مگر یہ کہ فرشتے ان کو گھیر لیتے ہیں اور رحمت الٰہی ان کو ڈھانپ

لیتی ہے اور ان پر سکینہ نازل ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ بھی ان کا ذکر کرتے ہیں فرشتوں کی جماعت میں جو اس کے پاس ہوتی ہے۔

پہلی فضیلت

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جہاں کہیں کچھ اللہ کے بندے مل کر اللہ کا ذکر کرتے ہیں تو وہاں فرشتے ان کو گھیر لیتے ہیں تو آپ سوچئے کہ جب ان کی ملاقات بھی ہوتی ہے یا نہیں؟ تو فرشتوں کی ملاقات سے ہم پر اچھا اثر نہیں آئے گا؟ کیا وہ نیک صحبت نہیں ہے؟ لہٰذا ذکر کی مجلس میں شرکت کی کوشش کیجیے۔ (مجلسِ ذکر، صفحہ:۴۰)

عقل میں جو آجائے وہ خدا ہو ہی نہیں سکتا کیونکہ عقل محدود ہے، محدود میں غیر محدود کیسے آئے گا؟ اگر کسی کے عقل میں آجائے کہ خدا یہ ہے تو ہرگز وہ خدا نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ اللہ غیر محدود ہے وہ محدود عقل میں کیسے آئے گا۔ اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے منع فرمادیا کہ خبردار مخلوق میں تو غور وفکر کرو مگر اللہ کی ذات میں مت سوچو، تمہاری قوتِ عقلیہ اور فکریہ محدود ہے، بھلا ایک گلاس میں مٹکے کا پانی آسکتا ہے اور مٹکے میں حوض، حوض میں دریا آئے گا؟ دریا میں سمندر بھر سکتے ہو؟ جب چھوٹے محدود میں بڑا محدود نہیں آسکتا تو محدود میں غیر محدود کیسے آئے گا؟ اللہ تعالیٰ کی ذات یاد کرنے کے لیے ہے۔ قرآن کریم میں یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ فرمایا۔ اللہ کو یاد کرو بس اس یاد سے وہ دل میں آجائیں گے تمہیں خود پتہ چل جائے گا کہ اللہ تعالیٰ کیا ہیں اور غور وفکر مخلوق میں کیا کرو۔ حضرت حکیم الامت تھانوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ وَ یَتَفَکَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ اس سے معلوم ہوا کہ فکر برائے مخلوق ہے اور ذکر برائے خالق ہے، اگر اس کے خلاف چلو گے تو گمراہ ہوجاؤ گے تو ذکر اللہ کا ایک فائدہ بیان ہوگیا۔ لہٰذا جب ذکر کی مجلس آئیں تو یہ نیت بھی کرلیں کہ چلو فرشتوں کی ملاقات بھی کرلیں۔

دوسری فضیلت

وَ غَشِیَتْھُمُ الرَّحْمَۃُ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت میں اپنے یاد کرنے والوں کو ڈھانپ لیتے ہیں کس طرح ڈھانپتے ہیں؟ دیکھئے اس جملہ میں بڑا پیار ہے۔ اس کو محبت کے انداز میں سمجھئے۔ ماں جب اپنے بچے کو گود میں لیتی ہے تو کس طرح لیتی ہے لے کر چپکا لیتی ہے اس کے بعد دوپٹہ سے چھپا لیتی ہے پھر ٹھڈی بھی اس کے سر پر رکھ دیتی ہے۔ یہی مفہوم ہے غَشِیَتْھُمُ الرَّحْمَۃُ کا اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے ڈھانپ لیتا ہے ؎

نورِ او در یسر و یمن و تحت و فوق
بر سرم بر گردنم مانندِ طوق

اس کا نور ہمارے دائیں بائیں اوپر نیچے گھیر لیتا ہے۔ سر سے گردن ہر جگہ مانندِ طوق اپنی رحمت کے دامن میں چھپا لیتے ہیں۔ تو ذکر کی مجلس میں اس نیت سے آؤ کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہمیں ڈھانپ لے اور پیار کر لے۔

تیسری فضیلت

وَنَزَلَتْ عَلَيْهِمُ السَّكِيْنَةُ ہم ان کے دل پر سکینہ نازل کرتے ہیں۔ علامہ سید محمود آلوسی رحمۃ اللہ علیہ روح المعانی میں سکینہ کی تفسیر فرماتے ہیں فَاِنَّ السَّكِيْنَةَ هِيَ نُوْرٌ يَسْتَقِرُّ فِي الْقَلْبِ سکینہ ایک نور ہے جو دل میں ٹھہر جاتا ہے۔ یہ دنیا کے نہیں کہ بس مسجد میں تو اللہ والے ہیں اور جہاں مارکیٹ میں گئے مار پیٹ شروع کر دی۔ ہر جگہ وہ نور ساتھ ہوتا ہے۔ وَيَثْبُتُ بِهِ التَّوَجُّهُ اِلَى الْحَقِّ جس کو سکینہ کا نور ملتا ہے پھر وہ ہر وقت باخدا رہتا ہے۔ چاہے وہ دنیا کا بھی کام کر رہا ہو لیکن وہ خدا کو فراموش نہیں کرتا۔

چوتھی فضیلت

وَ ذَكَرَهُمُ اللّٰهُ فِيْمَنْ عِنْدَهٗ چوتھی فضیلت ذکر کرنے کی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو اپنے پاس والوں میں یاد کرتے ہیں۔ اگر تم ہم کو تنہا یاد کرو گے تو ہم بھی تنہائی میں تمہیں یاد کریں گے اور اگر تم مجمع میں یاد کرو گے تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم بھی تم کو فرشتوں کے مجمع میں اور نبیوں کے مجمع میں یاد کریں گے۔ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ جن کی قبر جنت المعلیٰ میں ہے اس کی شرح میں لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے حاضرین کی مجلس میں ان کا ذکر کرتے ہیں اور عِنْدَهٗ سے مراد ہے عِنْدَ اَرْوَاحِ الْمُرْسَلِيْنَ وَ عِنْدَ الْمَلَائِكَةِ الْمُقَرَّبِيْنَ عام مراد یہی ہے کہ فرشتوں کے مجمع میں ذکر کریں گے مگر محدثِ عظیم ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ جزائے خیر دے کہ انہوں نے شرح فرمائی کہ پیغمبروں اور رسولوں کی روحوں کو بھی حاضر کر لیتے ہیں اور ہاں ذکر کرنے والوں کا تذکرہ ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ عمل کرنے کی توفیق دیں، آمین۔ (مجلسِ ذکر، صفحہ:۴۳-۴۶)

شرحِ حدیث بعنوانِ دگر

مسئلہ یاد کر لو کہ جب دین کی بات ہو رہی ہو تو نفل مت پڑھو، اجتماعی ثواب حاصل کرو، کیونکہ حدیثِ پاک میں ہے کہ دین کی کوئی بات سن لو گے تو ایک ہزار رکعت سے زیادہ ثواب نامہ اعمال میں چڑھ جائے گا۔ اس حدیث کے ساتھ بے پرواہی اور مذاق اور ناشکری مت کرو۔ اس فرمان رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا شکر یہ ہے کہ جب کوئی دینی اجتماع ہو تو نفل کے بجائے اس اجتماع میں شریک ہو جاؤ اور اس کے چار فائدے الگ مستزاد ملیں گے۔ مسلم شریف کی حدیث ہے:

﴿لَا يَقْعُدُ قَوْمٌ يَّذْكُرُوْنَ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ اِلَّا حَفَّتْهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَغَشِيَتْهُمُ الرَّحْمَةُ﴾

جب کوئی قوم اجتماعی ذکر میں مشغول رہتی ہے تو فرشتے ان کو گھیر لیتے ہیں یعنی فرشتوں سے ان کی ملاقات ہوتی ہے اور اللہ کی رحمت ان کو ڈھانپ لیتی ہے۔

تو دائرۂ رحمت سے ایگزٹ (Exit) کیوں کر رہے ہو، دائرۂ رحمت سے خروج کیوں کر رہے ہو۔ جس کے پاس حسنِ ظن سے آتے ہو اس کی بات ماننا چاہیے اور تیسرا فائدہ ہے:

﴿وَنَزَلَتْ عَلَيْهِمُ السَّكِيْنَةُ﴾

اس اجتماع کی برکت سے ان کے قلب پر سکینہ نازل ہوتا ہے۔ اور جب سکینہ نازل ہوگا تو ہر وقت اللہ کی طرف آپ کا قلب متوجہ رہے گا کیونکہ:

﴿اِنَّ السَّكِيْنَةَ هِيَ نُوْرٌ يَّثْبُتُ بِهِ التَّوَجُّهُ اِلَى الْحَقِّ وَ يَتَخَلَّصُ عَنِ الطَّيْشِ﴾

جس کے دل پر سکینہ نازل ہوتا ہے اس کی توجہ اللہ کی طرف قائم رہتی ہے۔ اور وہ انتشارِ ذہنی اور ڈپریشن سے بلا آپریشن محفوظ رہتا ہے ان شاء اللہ۔ اور چوتھا فائدہ ہے:

﴿وَذَكَرَهُمُ اللهُ فِيْمَنْ عِنْدَهٗ﴾

(صحیح مسلم، کتابُ الذکر والدعا، باب فضل الاجتماع علی تلاوۃ القراٰن، ج: ۲، ص: ۳۴۵)

اللہ تعالیٰ اپنے پاس والوں کے سامنے یعنی ملائکہ مقربین اور ارواح انبیاء والمرسلین کے سامنے ان بندوں کا تذکرہ بطورِ افتخار کے فرماتے ہیں۔ ملا علی قاری کی عبارت یہ ہے:

﴿اَیْ مِنَ الْمَلَائِكَةِ الْمُقَرَّبِيْنَ وَاَرْوَاحِ الْاَنْبِيَآءِ وَالْمُرْسَلِيْنَ﴾

(المرقاۃ المفاتیح، کتابُ الدعوات، باب ذکر اللہ عز وجل والتقرب الیہ، ج: ۵، ص: ۳۳)

اسی حدیث سے اجتماعی ذکر کا ثبوت ملتا ہے۔ یہ حضرت حکیم الامت مجدد الملت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے التشرف فی احادیث التصوف میں لکھا ہے۔ میں نے التشرف کے اس صفحہ کا فوٹو لیا اور اپنے شیخ کو دکھایا تو حضرت نے ہردوئی میں فوراً اجتماعی ذکر شروع کروا دیا۔

(مقام اولیائے صدیقین اور اس کا طریقۂ حصول صفحہ ۶۔۷)

حدیث نمبر ۶۱

﴿مَنْ لَزِمَ الْاِسْتِغْفَارَ جَعَلَ اللهُ لَهٗ مِنْ كُلِّ ضِيْقٍ مَخْرَجًا وَمِنْ كُلِّ هَمٍّ فَرَجًا وَرَزَقَهٗ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ وَقَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ كُلُّ بَنِيْ اٰدَمَ خَطَّاءٌ وَخَيْرُ الْخَطَّائِيْنَ التَّوَّابُوْنَ﴾

(مشکوٰۃُ المصابیح، کتابُ الدعوات، بابُ الاستغفار والتوبۃ، ص: ۲۰۴)

ترجمہ: جس نے استغفار کو لازم کر لیا تو اللہ تعالیٰ اس کو ہر تنگی سے نجات دیں گے اور ہر غم سے کشادگی عطا فرمائیں گے اور اللہ تعالیٰ اس کو ایسی جگہ سے رزق عطا فرمائیں گے کہ جس کا اسے گمان بھی نہ ہوگا اور

آپ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ تمام ابن آدم خطار کار ہیں اور بہترین خطا کار کثرت سے استغفار کرنے والے ہیں۔

بہترین خطا کار

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں اے لوگو! تم سب کے سب خطا کار ہو لیکن تم بہترین خطا کار بن جاؤ۔ بہترین خطا کار کیسے بنے؟ جو توبہ کرلے وہ بہترین خطا کار ہے۔

اس پر میرے شاگردوں نے پوچھا کہ خطا تو شر ہے خیر کیسے لگا دیا؟ اس کا جواب میں نے دیا کہ اللہ تعالیٰ کی توبہ کی کیمیکل میں یہ کرامت ہے جیسے شراب میں سرکہ ڈال دو تو ساری شراب سرکہ بن جائے گی اور قلب ماہیت سے حلال ہو جائے گی۔ تو خطا تو شر ہے لیکن توبہ کی برکت سے بہترین خطا کار ہو جائے گا۔ شر کو اللہ تعالیٰ خیر بنا دیں گے۔

پھر ایک سوال اور پیدا ہوا کہ خیر الخطائین میں خطائین بھی مٹا دیتے خالی خیر رکھتے۔ خطا کار کی نسبت سے تو شرم آرہی ہے میں نے کہا کہ خطائین عربی ترکیب میں مضاف الیہ ہے اور عبارت میں مقصود مضاف ہوتا ہے جیسے جاء غلام زید زید کا غلام آیا۔ اس میں غلام کا آنا مقصود ہے تو یہاں مراد خیر ہی خیر ہے لیکن خطائین کو اس لیے باقی رکھا تا کہ توبہ کی کرامت معلوم ہو کہ تم تھے تو خطا کار لیکن توبہ کی برکت سے بہترین خطا کار ہو گئے۔

فوائدِ استغفار

دوسری حدیث پڑھی تھی استغفار و توبہ کے متعلق اور بہتر یہ ہے کہ دو رکعت پڑھ کر توبہ کرے، اللہ سے معافی مانگے اور یہ کہے کہ اے اللہ! تیری رحمت میرے گناہوں سے بہت بڑھی ہوئی ہے، ایک کروڑ گناہ بھی معاف کرنا تیرے لیے کچھ مشکل نہیں۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں جو کثرت سے استغفار کرے گا تو:

١۔ ہر مصیبت سے اللہ اس کو نکال دے گا۔

٢۔ غم سے نجات دے گا اور

٣۔ ایسی جگہ سے اس کو رزق دے گا جہاں سے اس کا گمان بھی نہیں ہوگا۔

انعاماتِ تقویٰ

دوستو! استغفار کے یہ تین انعامات زبانِ نبوت نے بیان فرمائے اور اللہ تعالیٰ نے بے شمار انعامات گناہوں کے چھوڑنے اور تقویٰ اختیار کرنے کے رکھے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں جو شخص تقویٰ

اختیار کرے گا ہم اس کو ایسی جگہ سے روزی دیں گے جہاں سے اس کا گمان بھی نہیں ہوگا۔ اس کے سب کام آسان کردیں گے۔ آپ کا کوئی دوست روزانہ آپ کے پاس آکر آپ کا دل بہلاتا ہو اور پھر وہ کسی مصیبت میں پھنس جانے کی وجہ سے نہ آئے تو اگر آپ واقعی دوست ہیں تو فوراً اس کی مصیبت کو ٹالنے کی کوشش کریں گے تاکہ وہ پھر آتا رہے۔ اللہ تعالیٰ کو بھی اپنے بندے کی آہ وزاری، اس کی مناجات اور اس کا اللہ اللہ کرنا محبوب ہے۔ جب وہ کسی مصیبت میں پھنستا ہے تو اللہ تعالیٰ جلدی اس کی مصیبت ٹال دیتے ہیں تاکہ میرا بندہ پھر میرے حضور میں آئے جلدی سے مصیبت ٹالنے کا راز یہ ہے۔ رازِ دوستی ہے۔ تو اللہ تقویٰ کی برکت سے اپنے دوستوں کا کام آسان کرتے ہیں۔ اس طرح اللہ تعالیٰ تقویٰ اختیار کرنے پر اس کو مصیبت سے مخرج (Exit) دیتے ہیں۔ جدہ میں لکھا رہتا ہے ایک طرف مخرج اور ایک طرف (Exit) یعنی ہر مصیبت سے نجات دیتے ہیں اور ایک جگہ اللہ پاک نے قرآن پاک میں فرمایا اگر تم گناہ چھوڑ دو تو تم کو ہم ایک نور عطا کریں گے جس سے تمہیں بھلائی اور برائی میں تمیز پیدا ہوگی اور ایک جگہ فرماتے ہیں کہ تقویٰ پر یہ سارے انعامات تو ہم دیں گے ہی، سب سے بڑا انعام یہ دیں گے کہ تمہاری غلامی کے سر پر اپنی دوستی کا تاج رکھ دیں گے۔ یعنی تم کو ولی اللہ بنادیں گے۔ اس سے بڑھ کر تقویٰ کا کیا انعام ہوسکتا ہے۔ (راہِ مغفرت، صفحہ:۳۵۔۳۸)

توبہ واستغفار پر بھی تقویٰ کے انعامات

اب دیکھئے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا کرم کہ قرآن پاک میں متقیوں کے لیے جو فضیلتیں بیان کی گئی ہیں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے توبہ کرنے والوں کے لیے بھی وہ فضیلتیں بیان کیں۔ توبہ کرنے والوں کو بھی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم توبہ کرلو تمہیں بھی وہ نعمتیں ملیں گی جو متقیوں کو ملتی ہیں، مخرج یعنی نکلنے کا راستہ اور ہر غم سے نجات مل جائے گی اور تمہیں رزق ایسی جگہ سے دیں گے وہاں سے تمہیں گمان بھی نہیں ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے تقویٰ پر جو نعمتیں بیان فرمائیں رحمۃ اللعالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے گناہوں سے استغفار و توبہ کرنے والوں کو بھی وہی نعمتیں دلادیں۔

ملا علی قاری نے حدیث کی شرح میں لکھ دیا کہ اِنَّ الْمُسْتَغْفِرِیْنَ نُزِّلُوْا بِمَنْزِلَةِ الْمُتَّقِیْنَ یعنی معافی مانگنے والے اللہ کے یہاں اولیاء اللہ کے ساتھ اُٹھائے جائیں گے۔ اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ التَّوَّابِیْنَ﴾

(سورۃُ البقرۃ، اٰیۃ: ۲۲۲)

یعنی اے گنہگارو! تم توبہ کرو ہم تمہیں صرف معافی ہی نہیں دیں گے بلکہ تمہیں اپنا محبوب بھی بنالیں گے۔ دیکھو فرمارہے ہیں کروڑوں کروڑوں گناہ کرلو، اگر ایک دفعہ اشکِ ندامت گرادو بس سمجھ لو کہ کام بن گیا،

معافی ہوگئی۔ ہم گناہ کرتے کرتے تھک سکتے ہیں، اللہ تعالیٰ معاف کرتے کرتے تھک نہیں سکتے ؂

کیا ہے رابطہ آہ و فغاں سے
زمین کو کام ہے کچھ آسماں سے

اللہ تعالیٰ کے سامنے رونا سیکھو۔ حدیث شریف میں ہے کہ جب گنہگار بندہ روتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے آنسوؤں کو شہیدوں کے خون کے برابر وزن کرتے ہیں۔ علامہ آلوسی سورۃ انا انزلنا کی تفسیر میں حدیث نقل کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جب گنہگار بندہ رو رو کر معافی مانگتا ہے تو ہمیں اس کے رونے کی آواز سبحان اللہ سبحان اللہ کہنے والوں کی آوازوں سے زیادہ پسند آتی ہے۔ بتاؤ اور کیا چاہتے ہو؟ اور یہ بھی فرمارہے ہیں خبردار رحمت سے ناامید مت ہونا ورنہ جہنم میں ڈال دوں گا۔ میرے شیخ فرماتے تھے کہ جیسے کوئی ابا کہے کہ خبردار بیٹو! مجھ سے ناامید مت ہونا ورنہ ڈنڈے لگادوں گا۔ تو یہ انتہائی کریم ابا ہوگا ورنہ ابا کہتا ناامید ہوگیا تو جا بھاگ یہاں سے دوسرے بیٹے کو دے دوں گا۔ ایسے ہی اللہ فرماتے ہیں خبردار اگر مجھ سے ناامید ہوگئے تو جہنم کے ڈنڈے لگادوں گا۔ یہ انتہائی کرم ہے:

﴿اِنَّ اللہَ یَغۡفِرُ الذُّنُوۡبَ جَمِیۡعًا﴾

(سورۃُ الزمر، اٰیۃ: ۵۳)

اللہ تعالیٰ سارے گناہوں کو ایک سیکنڈ میں معاف کردیتا ہے۔ (راہِ مغفرت، صفحہ: ۳۹۔۴۱)

حدیث نمبر ۶۲

﴿یَا مُقَلِّبَ الۡقُلُوۡبِ ثَبِّتۡ قَلۡبِیۡ عَلٰی دِیۡنِکَ﴾

(سننُ الترمذی، کتابُ القدر، باب ماجآء ان القلوب بین اصبعی الرحمٰن، ج: ۲، ص: ۳۶)

ترجمہ: اے دلوں کو پلٹنے والے! میرے دل کو اپنے دین پر ثابت قدم رکھ۔

دین پر ثباتِ قدمی کی مسنون دعا

بہ روایت بخاری شریف، سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دعا سکھا دی کہ یوں کہو اللہ سے۔ حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا گیا کہ اے ہماری ماں! حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی باری جب آپ کے یہاں ہوتی تھی تو کون سی دعا زیادہ پڑھتے تھے؟ حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا ہماری ماں ہیں، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بیوی ہیں فرمایا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کثرت سے یہ دعا پڑھتے تھے یَا مُقَلِّبَ الۡقُلُوۡبِ ثَبِّتۡ قَلۡبِیۡ عَلٰی دِیۡنِکَ اے دلوں کے بدلنے والے میرے دل کو دین پر قائم رکھئے۔ تو جو مانگے گا اس کو دیں گے۔

جو اللہ سے گڑگڑا کے مانگتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو استقامت دیتے ہیں اسی لیے علماء نے لکھا ہے کہ جس کی استقامت خطرے میں رہتی ہو یعنی کبھی توبہ کرتا ہے، کبھی توبہ توڑتا ہے، چند دن تو مستقیم رہتا ہے بعد میں ٹیڑھا راستہ گناہوں کا اختیار کر لیتا ہے، ایسے شخص کو کثرت سے یا حی یا قیوم پڑھنا چاہیے۔ اس میں اسمِ اعظم ہے کہ اے زمین اور آسمانوں کو سنبھالنے والے میرا دل سنبھالنا آپ پر کیا مشکل ہے اور یہ بخاری شریف کی دعا یَا مُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ ثَبِّتْ قَلْبِیْ عَلٰی دِیْنِکَ کثرت سے پڑھتے رہیے، دل لگا کر پڑھیے، درد سے پڑھیے۔

جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم معصوم ہونے کے باوجود کثرت سے پڑھتے تھے تو ہم کو آپ کو کتنا پڑھنا چاہیے لہٰذا کثرت سے پڑھتے رہیے یَا مُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ اے دلوں کے بدلنے والے ثَبِّتْ قَلْبِیْ عَلٰی دِیْنِکَ ہمارے دل کو اپنے دین پر قائم فرما۔ (اہل اللہ اور صراطِ مستقیم، صفحہ: ۷۔۹)

حدیث نمبر ۶۳

﴿اَشْرَافُ اُمَّتِیْ حَمَلَةُ الْقُرْاٰنِ وَاَصْحَابُ اللَّیْلِ﴾

(مشکوٰۃُ المصابیح، کتابُ الصلوٰۃ، بابُ التحریض علی قیام اللیل، ص: ۱۱۰)

ترجمہ: میری امت کے بڑے لوگ حافظ قرآن ہیں اور رات کو اٹھ کر عبادت کرنے والے ہیں۔

حفاظِ قرآن اُمت کے بڑے لوگ ہیں

سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں میری اُمت کے بڑے لوگ حافظِ قرآن ہیں یعنی جو بچے حافظ ہو گئے یہ اُمت کے بڑے لوگ ہیں۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جن کو بڑے لوگ فرمائیں آج ہم ان کو حقیر سمجھتے ہیں، نعوذ باللہ ایسے ایسے جملے کہتے ہیں کہ میاں حافظ قرآن ہو گئے، اب جمعرات کی روٹیوں کا انتظار کریں گے۔ ارے امریکہ کی ڈگری لے آتے تو کچھ ہو جاتے۔ لاحول ولاقوۃ الا باللہ۔

(عظمتِ حفاظِ کرام، صفحہ: ۲۳)

حملۃ القرآن اور اصحابُ اللیل کا ربط

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میری امت کے بڑے لوگ حافظ قرآن ہیں۔ لیکن جہاں قرآن شریف رکھا جائے وہ جزدان قیمتی ہو یا گندا اور کٹا پھٹا ہو؟ وہ تو صاف ستھرا ہونا چاہیے اور وہاں خوشبو بھی ہونی چاہیے۔ تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قرآن پاک کے حافظوں کے جسم وروح کے لیے ایک قید لگا دی اور وہ ہے اصحاب اللیل تاکہ جس سینہ میں قرآن پاک ہو اس میں چار قسم کی خوشبو بھی ہونی چاہیے اور یہ خوشبو کیسے آئے گی؟

حافظِ قرآن پاک کے لیے تہجد کی اہمیت

حملۃ القرآن کے بعد فوراً اصحاب اللیل فرمانا ظاہر کررہا ہے کہ حافظِ قرآن راتوں کی نماز بھی پڑھتے ہوں۔ جو حافظِ قرآن اصحاب اللیل ہوں گے ان میں چار قسم کی خوشبو آجائے گی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

﴿عَلَيْكُمْ بِقِيَامِ اللَّيْلِ فَإِنَّهُ دَابُ الصَّالِحِيْنَ قَبْلَكُمْ وَهُوَ قُرْبَةٌ اِلٰى رَبِّكُمْ وَ مُكْفِرَةٌ لِلسَّيِّئٰتِ وَمُنْهَاةٌ عَنِ الْاِثْمِ﴾

(سنن ترمذی، ابواب الدعوات، جلد:۲، ص:۱۹۵)

اے میری امت کے لوگو! رات کی نماز مت چھوڑنا، اس کو لازم پکڑ لو، علیٰ لزوم کے لیے ہے۔ اور چار قسم کی خوشبو کیا ملیں گی؟

۱۔ فَإِنَّهُ دَابُ الصَّالِحِيْنَ قَبْلَكُمْ تم سے پہلے تمام صالحین کا شیوہ رہا ہے حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر جتنے صالحین ہوئے تمہارا نام ان صالحین کے رجسٹر میں لکھ دیا جائے گا اور دوسری خوشبو کیا ہے؟

۲۔ وَهُوَ قُرْبَةٌ اِلٰى رَبِّكُمْ تم اللہ تعالیٰ کے پیارے اور مقرب بن جاؤ گے۔ تیسری خوشبو کیا ہے؟

۳۔ وَ مُكْفِرَةٌ لِلسَّيِّئٰتِ تمہاری خطائیں معاف کردی جائیں گی اور خوشبو نمبر چار کیا ہے؟

۴۔ وَمُنْهَاةٌ عَنِ الْاِثْمِ گناہ سے بچنے کی طاقت تمہارے اندر پیدا ہوجائے گی۔

سارے عالم کے اولیاء اللہ کی دعائیں لینے کا طریقہ

قیام اللیل سے ایک فائدہ یہ ملا کہ سارے عالم کے صالحین، اقطاب، ابدال، غوث، اولیاء اللہ چاہے بیت اللہ میں ہوں یا مدینہ پاک میں یا عالم کے کسی گوشہ میں ان کی دعائیں آپ کو مل جائیں گی۔ دلیل سنئے۔ سارے عالم میں جتنے مسلمان نمازی ہیں چاہے بیت اللہ میں ہوں یا روضۃ المبارک میں وہ التحیات میں وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصّٰلِحِيْنَ پڑھیں گے یا نہیں؟ تو فَإِنَّهُ دَابُ الصَّالِحِيْنَ سے جب آپ صالحین میں داخل ہوگئے تو سارے عالم کے مسلمانوں کی دعا آپ کو مفت میں بلا درخواست مل جائے گی۔ حدیثِ پاک کا یہ جملہ فَإِنَّهُ دَابُ الصَّالِحِيْنَ قَبْلَكُمْ اور التحیات کا یہ جملہ اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِيْنَ دونوں جملوں کو ملاؤ تو یہ مطلب ہوا کہ جو صالحین میں شامل ہوجاتا ہے سارے عالم کے اولیاء کی دعائیں اسے خود بخود ملتی ہیں۔ یہ علمِ عظیم اللہ تعالیٰ نے اختر کو عطا فرمایا، یہ میں نے کتابوں میں نہیں پڑھا لیکن اللہ والوں کی جوتیوں کے صدقہ میں کیا ملتا ہے اس کو مولانا رومی نے بیان فرمایا ہے ؎

بینی اندر خود علومِ انبیاء

اگر تم اللہ والوں کی غلامی کرلو تو اپنے سینہ میں فیضانِ علومِ انبیاء پاؤ گے۔

قیام اللیل سے گناہوں سے بچنے کی ایک روحانی طاقت پیدا ہوتی ہے اور حدیث میں یہ قید نہیں ہے کہ تین بجے رات ہی کو پڑھنے سے یہ طاقت آئے گی، عشاء کے بعد ہی اگر پڑھ لو تو ان شاء اللہ تعالیٰ چاروں فائدے آپ کو مل جائیں گے۔ یہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ یہ دنیوی اطبائے یونان کا نسخہ نہیں ہے جس میں خطرہ ہوسکتا ہے کہ فائدہ کرے یا نہ کرے۔ طِبِّ یونانی میں احتمال ہوتا ہے کہ ہوسکتا ہے دوا فائدہ کرے اور ہوسکتا ہے کہ فائدہ نہ کرے لیکن طِبِ ایمانی کا ہر نسخہ سو فیصد مفید ہے بشرطیکہ بد پرہیزی نہ کرے اور بد پرہیزی کیا ہے؟ اسبابِ گناہ سے قریب رہنا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں **تِلْکَ حُدُوْدُ اللّٰہِ فَلَا تَقْرَبُوْھَا** اسبابِ گناہ کے قریب نہ رہو، امردوں کے قریب نہ رہو، لڑکیوں کے قریب نہ رہو جو **لَا تَقْرَبُوْا** رہے گا **لَا تَفْعَلُوْا** رہے گا اور جو **تَقْرَبُوْا** رہے گا ایک دن **تَفْعَلُوْا** ہو جائے گا۔ مندرجہ بالا حدیث سے معلوم ہوا کہ امت کے بڑے لوگ حافظِ قرآن اور اصحاب اللیل یعنی تہجد گذار لوگ ہیں اور تہجد کے چار فوائد ہیں کہ ان کا شمار صالحین میں ہو جائے گا یعنی وہ برے اخلاق سے پاک ہو جائیں گے اور اللہ کے مقرب ہو جائیں گے، ان کی خطائیں معاف اور گناہوں سے بچنے کی توفیق ہوگی۔ پس حفاظ کرام کی عظیم الشان ولایت کا یہ نسخہ ہے کہ وہ سب تہجد گذار ہو جائیں۔ یہ نسخہ ان کی عظمت کا علمبردار ہے۔

(تقریر ختم قرآن مجید و بخاری شریف، صفحہ: ۵-۱۵)

تہجد کا آسان طریقہ

اب کوئی کہے کہ تین چار بجے رات کو اُٹھ کر نماز پڑھنا تو بہت مشکل ہے۔ بارہ بجے رات تک تو ہماری دکان کھلی رہتی ہے۔ تو میں آپ کو ایک نسخہ بتاتا ہوں کہ آپ سب سو فیصد تہجد گذار ہو جائیں اور رات کو تین بجے بھی کسی کو نہ اٹھنا پڑے۔ وہ کیا نسخہ ہے؟ وہ ابھی بتاتا ہوں لیکن آپ لوگ زندگی بھر مجھے **جَزَاکَ اللّٰہُ خَیْرًا** کہنا۔

عشاء کے چار فرض اور دو سنت پڑھنے کے بعد وتر سے پہلے دو رکعات بہ نیت تہجد یا بہ نیت قیام اللیل پڑھنا کیا مشکل ہے، ان ہی دو رکعات تہجد میں صلوٰۃ توبہ، صلوٰۃ حاجت، صلوٰۃ استخارہ کی نیت بھی کر سکتے ہیں۔ دو ہی رکعات میں کئی نیت کر کے ثواب کے مختلف قسم کے لڈو مل سکتے ہیں۔ دو رکعت تہجد کے بعد معافی مانگ لیجئے کیونکہ صلوٰۃ توبہ کی نیت کی تھی لہٰذا توبہ کر لیجئے کہ دن بھر میں جو کچھ نالائقیاں ہوگئی ہوں تو اے اللہ معاف فرما دیجئے خاص کر ری یونین میں بے پردگی عام ہے یہاں خطا کا زیادہ امکان ہے۔ صلوٰۃ حاجت کی نیت کی تھی، حاجت مانگ لیجئے۔

سونے سے پہلے نمازِ تہجد کی شرعی دلیل

عشاء کے چار فرض اور دو سنت پڑھ کر وتر سے پہلے چند نفل پڑھنے سے کیا ہم قائم اللیل ہو جائیں گے اور قیامت کے دن کیا ہم کو تہجد گذاروں کا درجہ مل جائے گا؟ علماء کو حق ہے کہ اس کا ثبوت اختر سے مانگ لیں۔ لہٰذا اب میں اس کا ثبوت یعنی شرعی دلیل پیش کرتا ہوں۔

دلیل نمبر ۱ : از امداد الفتاویٰ: حکیم الامت مجدد الملت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی امداد الفتاویٰ میں لکھا ہے کہ جو عشاء کے بعد چند رکعات نفل بہ نیت تہجد پڑھ لے وہ بھی قیامت کے دن تہجد گذاروں میں اٹھایا جائے گا۔ یہ تو امداد الفتاویٰ کی دلیل ہوگئی۔

دلیل نمبر ۲: از شامی: اب میں علامہ شامی کی کتاب جو فقہ کی سب سے بڑی کتاب مانی جاتی ہے اس کی جلد نمبر ا سے حوالہ دیتا ہوں۔ علامہ شامی ابن عابدین لکھتے ہیں کہ جو شخص عشاء کی نماز کے بعد سونے سے پہلے دو رکعت نفل پڑھ لے گا اس کی بھی سنت تہجد ادا ہو جائے گی۔ اب دلیل کے لیے عربی عبارت پیش کرتا ہوں تاکہ علماء حضرات کو تشنگی باقی نہ رہے۔

علامہ شامی سب سے پہلے حدیث نقل کرتے ہیں کیونکہ فقہ تابع ہے حدیث کے۔ جس فقہ کا سہارا حدیث پر نہ ہو وہ معتبر نہیں۔

صلوٰۃ تہجد بعد عشاء کی دلیل بالحدیث

علامہ شامی جس حدیث سے اپنا مسئلہ پیش کر رہے ہیں اس کو نقل کرتے ہیں:

﴿وَ مَا كَانَ بَعْدَ صَلٰوةِ الْعِشَآءِ فَهُوَ مِنَ اللَّيْلِ﴾

(حاشیة ردّ المحتار، کتابُ الصلٰوة، بابُ الوتر والنوافل، ج: ۲، ص: ۲۴)

ہر وہ نماز جو نماز عشاء کے بعد پڑھی جائے گی قیام اللیل میں داخل ہے۔ اب ملا علی قاری کی وہ عبارت کہ لَيْسَ مِنَ الْكَامِلِيْنَ مَنْ لَّا يَقُوْمُ اللَّيْلَ (مرقاۃ صفحہ ۱۴۸، جلد ۳) جو رات کی نماز یعنی تہجد نہیں پڑھتا وہ کامل ہو ہی نہیں سکتا لہٰذا اب آپ آسانی سے کامل ہو سکتے ہیں کہ سونے سے پہلے رات ہی کو تہجد پڑھ لیں۔

اس حدیثِ پاک کی روشنی میں شامی کا فیصلہ یہ ہے کہ فَاِنَّ سُنَّةَ التَّهَجُّدِ تَحْصُلُ بِالتَّنَفُّلِ بَعْدَ صَلٰوةِ الْعِشَآءِ قَبْلَ النَّوْمِ اس شخص کی سنت تہجد ادا ہو جائے گی جو عشاء کی نماز کے بعد سونے سے پہلے چند رکعات نفل پڑھ لے۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ جو لوگ آدھی رات میں اُٹھ کر پڑھ رہے ہیں وہ پڑھنا چھوڑ دیں۔ جو لوگ بریانی کھا رہے ہیں وہ کھاتے رہیں یہ تو ان لوگوں کے لیے ہے جن کو بوجہ ضعف یا سستی کے بریانی نہیں ملتی وہ عشاء کے بعد کم از کم گوشت روٹی کھالیں۔ پھر اگر آخر رات میں آنکھ

کھل جائے تو اس وقت دوبارہ پڑھ لیں تو کس نے منع کیا ہے؟

بچوں کو بعد عشاء تہجد کی مشق

جو بچے حافظِ قرآن ہو جائیں ان کو عشاء کے بعد وتر سے پہلے دو رکعات تہجد کی نیت سے پڑھوادیں تا کہ وہ اس حدیث کے پورے مصداق ہو جائیں جس میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میری امت کے بڑے لوگ حافظِ قرآن اور اصحابُ اللیل ہیں۔ دارالاقامہ میں اس کا اہتمام کیا جائے کہ عشاء کے فرض اور سنت کے بعد دو رکعات پڑھوا دی جائیں اس کے بعد وتر پڑھیں اور یہ حدیث سمجھا دیں کہ دیکھو بیٹے تم حاملِ قرآن تو ہو گئے لیکن اب اصحابُ اللیل ہو جاؤ تا کہ اس حدیثِ پاک کے دونوں جز کے تم مصداق ہو جاؤ۔ (عظمتِ حفاظِ کرام، صفحہ:۲۶۔۳۱)

شرح حدیث بعنوانِ دگر

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اَشْرَافُ اُمَّتِیْ حَمَلَةُ الْقُرْاٰنِ وَاَصْحَابُ اللَّيْلِ میری امت کے بڑے لوگ حافظِ قرآن اور تہجد گذار ہیں، حملۃ القرآن کے بعد اصحاب اللیل فرما کر یہ بتا دیا کہ یہ شرافت مکمل جب ہوگی جب مقرب بالکلام، مقرب بصاحب الکلام یعنی مقرب بالمتکلم بھی ہو۔ مراد یہ ہے کہ حافظِ قرآن اللہ تعالیٰ کا مقرب بھی ہو مگر اس قربِ خاص کے حصول کا ذریعہ تہجد کی نماز ہے۔ چنانچہ تہجد کے فضائل میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چار باتیں بیان فرمائی ہیں۔ عَلَيْكُمْ بِصِيَامِ اللَّيْلِ یہ علیٰ وجوب کے لیے نہیں ترغیب کے لیے ہے اور وجوب بھی اگر مانا جائے تو وجوبِ رابطہ کہا جا سکتا ہے شرعی اور ضابطہ کا وجوب مراد نہیں چنانچہ مفتیٰ بہ قول یہی ہے کہ یہ نماز سنت مؤکدہ بھی نہیں نفل ہے جو موجبِ قرب ہے اور اس نماز کو اگر آخر شب میں نہ پڑھ سکے تو وتر سے قبل دو رکعت ہی پڑھ لے بہ نیت صلوٰۃ اللیل اور دوسری صورت یہ ہے کہ اشراق کے وقت قضا کر لے۔

وہ چار باتیں نافع نماز تہجد کی یہ ہیں: (۱) فَاِنَّهٗ دَابُ الصَّالِحِيْنَ قَبْلَكُمْ جملہ صلحائے امت کا معمول ہے اور مشابہت بالمحبوبین والمقبولین سببِ محبوبیت ومقبولیت ہے۔ (۲) وَقُرْبَةٌ لَّكُمْ اِلٰى رَبِّكُمْ یہ نماز مقرب بارگاہِ حق بناتی ہے الیٰ استعمال میں کبھی غایۃ مغیا میں داخل ہوتی ہے جیسے ذَهَبْتُ اِلَى مَسْجِدٍ تو مراد یہ نہیں ہوتی کہ صرف مسجد کے دروازے سے واپس آ گئے بلکہ اندر داخلہ مراد ہوتا ہے۔ اسی طرح اِلٰى رَبِّكُمْ سے مراد دربارِ خاص میں داخلہ ہے۔ (۳) وَمَكْفِرَةٌ لِّلسَّيِّئَاتِ اور گناہ مٹا دینے کا ذریعہ ہے۔ (۴) وَمَنْهَاةٌ عَنِ الْاِثْمِ اور گناہوں سے روکنے کا ذریعہ ہے یعنی سیئاتِ ماضی کو فنا کر دے گی

اور مستقبل کے سیئات سے تحفظ کا ذریعہ بنے گی۔

احقر نے یہ تقریر ہردوئی اشرف المدارس کے طلباء کرام کے اجتماع میں کی تھی۔ حضرت مرشدنا ہردوئی بھی تشریف رکھتے تھے۔ کچھ طلباء کرام کا حفظ مکمل ہوا تھا اس کا جلسہ تھا۔ اسی سلسلہ میں عرض کیا تھا کہ آپ حضرات حاملینِ قرآن تو ہوگئے لیکن اشرافِ امت ہونے کے لیے حملۃ القرآن کے بعد فوراً و اصحاب اللیل فرمایا۔ اس ترتیب اور تقدم وتاخر میں یہ حکمت بھی ہے کہ جو لوگ محض حفظ کر کے اعمال اور اصلاحِ اخلاق اور حضوری مع الحق کی دولت سے غافل رہیں گے تو خلق بھی ان کو اشرافِ امت نہ سمجھے گی۔ چنانچہ آج لوگوں کی نظر میں اہلِ علم کی جو بے قدری ہے اس کا سبب حق تعالیٰ سے رابطہ کی کمزوری ہے اور اس کے نتیجہ میں اعمال واخلاق کی خرابی دیکھ کر عوام متوحش ہوتے ہیں اور بجائے عزت کے ذلت کی نظر سے دیکھتے ہیں جیسے رس گلہ جس میں رس نہ ہو اس کو جو کھائے گا تھو تھو کرے گا۔ رس گلہ اضافت مقلوبی ہے دراصل گولۂ رس تھا، پھر رس گولہ ہوا اور بگڑتے بگڑتے رس گلہ ہوگیا۔ پہلے گولہ بنایا جاتا ہے پھر اس کو شکر کے قوام میں ڈالا جاتا ہے جس کے بعد وہ رس گلہ ہو جاتا ہے۔ اگر اس کو شکر کے قوام میں نہ ڈالا جائے تو خالی گولہ رہے گا اس میں رس نہ ہوگا، جو کھائے گا وہ ناقدری کرے گا کیونکہ گولہ محض ہے رس غائب ہے۔ یہی حال ہم لوگوں کا ہے کہ ہم کو مخلوق اللہ کے دردِ محبت کا حامل سمجھتی ہے لیکن جب قریب سے سابقہ پڑتا ہے تو ہم کو خالی اور صفر پاتی ہے، ہمارے علم وعمل میں فاصلہ دیکھ کر حقیر سمجھتی ہے۔ اس کا سبب یہی ہے کہ ہم ظاہری تعلیم تو حاصل کر لیتے ہیں مگر اہل اللہ کی صحبت سے حق تعالیٰ کی محبت کا رس نہیں حاصل کرتے ورنہ اگر ہمارا دل حاملِ دردِ محبت بھی ہو جائے تو جدھر سے ہم نکلیں گے اس کی خوشبو لوگوں کو مست کر دے گی، ہماری آنکھوں سے حق تعالیٰ کا تعلق جھلکے گا، اللہ تعالیٰ کی محبت جھلکے گی۔

تابِ نظر نہیں تھی کسی شیخ و شاب میں
ان کی جھلک بھی تھی مری چشمِ پُرآب میں

ایک شعر احقر کا اپنا یاد آیا۔

ہائے جس دل نے پیا خونِ تمنا برسوں
اس کی خوشبو سے یہ کافر بھی مسلماں ہوں گے

(خزائن شریعت وطریقت)

حدیث نمبر ۶۴

﴿وَ الَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ لَوَدِدْتُّ اَنِّیْ اُقْتَلُ فِیْ سَبِیْلِ اللہِ ثُمَّ اُحْیٰی ثُمَّ اُقْتَلُ ثُمَّ اُحْیٰی ثُمَّ اُقْتَلُ ثُمَّ اُحْیٰی ثُمَّ اُقْتَلُ﴾

(صحیحُ البخاری، کتابُ الجھاد والسیر، بابُ تمنی الشھادۃ، ج، ا ،ص: ۳۹۲)

ترجمہ: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے مجھے بہت زیاد محبوب ہے یہ بات کہ میں اللہ کے راستے میں شہید کیا جاؤں پھر مجھے زندہ کیا جائے پھر میں شہید کیا جاؤں پھر مجھے زندہ کیا جائے پھر میں شہید کیا جاؤں پھر مجھے زندہ کیا جائے پھر میں شہید کر دیا جاؤں۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تمنائے شہادت

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اے دنیا والو سن لو! میں محبوب رکھتا ہوں کہ میں اللہ کے راستہ میں جان دے دوں پھر زندہ کیا جاؤں، پھر جان دے دوں پھر زندہ کیا جاؤں، پھر جان دے دوں پھر زندہ کیا جاؤں، پھر جان دوں تین چار دفعہ آپ نے فرمایا۔ اگر اللہ کے راستہ میں جان دینا پیارا نہ ہوتا تو اللہ کا پیارا اس بات کا اعلان نہ کرتا۔

جنت میں شہداء کی دوبارہ شہید ہونے کی تمنا

جنت میں اللہ تعالیٰ اہلِ جنت سے پوچھیں گے کہ کیا جنت میں کسی چیز کی کمی ہے کیا تم لوگ دنیا میں جانا چاہتے ہو۔ سب لوگ کہیں گے کہ ہمیں دنیا میں جانے کی کوئی خواہش نہیں، جنت میں سب نعمتیں ہیں لیکن شہید کہیں گے کہ جنت میں ایک نعمت نہیں ہے اس کے لیے ہم دوبارہ دنیا میں جانا چاہتے ہیں۔ اللہ پاک پوچھیں گے کہ وہ کیا نعمت ہے جو جنت میں نہیں ہے۔ شہداء کہیں گے کہ جنت میں یہ چیز نہیں ہے کہ آپ کے راستہ میں کافروں سے لڑ کر اپنا خون پیش کرنا، جامِ شہادت نوش کرنا اور جان دینا۔

ہمارا اسلام خونِ نبوت اور خونِ صحابہ کا ممنونِ کرم ہے

اُحد کے دامن میں ایک ہی وقت میں ستر شہید ہو گئے اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کی نمازِ جنازہ پڑھائی۔ اس وقت ہر شہید کا جنازہ بزبانِ حال یہ شعر پڑھ رہا تھا ؎

جان دی میں نے جن کی خوشی کے لیے　　ان کے کوچہ سے لے چل جنازہ مرا

بے خودی چاہیے بندگی کے لیے

چھوٹے چھوٹے بچوں نے پوچھا کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اَیْنَ اَبِیْ میرے ابا کہاں

ہیں؟ آپ کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے، چھوٹے چھوٹے بچوں سے کس طرح آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے کہ تمہارے ابو شہید ہوگئے۔ اسلام ہمیں یوں ہی نہیں مل گیا۔ اس دین پر سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا خونِ مبارک بہا ہے۔ میدانِ اُحد میں آپ سر سے پاؤں تک لہولہان ہوگئے۔ اگر سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا خونِ نبوت اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا خونِ شہادت نہ بہتا تو آج ہم سیتا رام، رام پرشاد اور نہ جانے کیا کیا ہوتے۔ آج خونِ نبوت اور خونِ صحابہ کے صدقہ میں ہم تک اسلام آیا ہے۔ (تشنگانِ جامِ شہادت، صفحہ: ۵۔۷)

حدیث نمبر ۶۵

﴿اَللّٰھُمَّ اِنِّیۡ اَسۡئَلُکَ حُبَّکَ وَ حُبَّ مَنۡ یُّحِبُّکَ وَ الۡعَمَلَ الَّذِیۡ یُبَلِّغُنِیۡ حُبَّکَ اَللّٰھُمَّ اجۡعَلۡ حُبَّکَ اَحَبَّ اِلَیَّ مِنۡ نَّفۡسِیۡ وَاَھۡلِیۡ وَمِنَ الۡمَآءِ الۡبَارِدِ﴾

(سننُ الترمذی، کتابُ الدعوات، باب ماجآء فی عقد التسبیح بالید، ج: ۲، ص: ۱۸۷)

ترجمہ: اے اللہ! میں آپ سے آپ کی محبت کا سوال کرتا ہوں اور ان لوگوں کی محبت مانگتا ہوں جو آپ سے محبت رکھتے ہیں اور ان اعمال کی توفیق مانگتا ہوں کہ جن سے آپ کی محبت بڑھ جائے اے اللہ! آپ کی محبت میرے قلب میں میری جان سے زیادہ اور میرے اہل وعیال سے زیادہ اور ٹھنڈے پانی سے زیادہ ہو۔

مری زندگی کا حاصل میری زیست کا سہارا
ترے عاشقوں میں جینا ترے عاشقوں میں مرنا

یہ ذوق کہ اللہ والوں یعنی اللہ تعالیٰ کے عاشقوں میں زندگی گذارنا سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مراد اور شوقِ نبوت اور ذوقِ نبوت ہے۔

انعامِ محبت

صحابہ کرام سے آپ نے فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں اس مرتبہ سے نوازا ہے کہ سید الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو آج اس کے آرام کدہ اور گھر سے بے گھر کر کے حکم دے رہا ہے:

﴿وَاصۡبِرۡ نَفۡسَکَ مَعَ الَّذِیۡنَ یَدۡعُوۡنَ رَبَّھُمۡ بِالۡغَدَاةِ وَالۡعَشِیِّ یُرِیۡدُوۡنَ وَجۡھَهٗ﴾

(سورةُ الکھف، اٰیة: ۲۸)

جو بندے میرے عاشق ہیں اور مجھے یاد کر رہے ہیں آپ ان کے پاس جا کر بیٹھیے تا کہ آپ کی صحبت کے صدقے میں انہیں نسبتِ قویہ عطا کر دوں اور آپ کی خوشبو سے انہیں ایسا بسا دوں کہ جس طرف سے وہ گذریں آپ کی خوشبو پھیل جائے اور ان کے ذریعہ سے قیامت تک میری محبت کی تاریخ قائم ہو جائے کسی

کے جہاد سے، کسی کی شہادت سے، کسی کی فراست سے، کسی کی عبادت سے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے پوچھا کہ آپ لوگ کیا کر رہے ہو؟ انہوں نے عرض کیا کہ ہم اللہ کو یاد کر رہے ہیں تو آپ فوراً سمجھ گئے کہ **یَدۡعُوۡنَ رَبَّھُمۡ** والے یہی لوگ ہیں پھر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دوسرا سوال کیا کہ اللہ تعالیٰ کو کیوں یاد کر رہے ہو؟ عرض کیا کہ ہم اللہ تعالیٰ کو راضی کرنا چاہ رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے لیے اللہ تعالیٰ کو راضی کرنا چاہتے ہیں۔

نیت کا اثر

میرے مُرشد شاہ عبدالغنی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ ایک شخص سبحان اللہ! سبحان اللہ کہہ رہا ہے اور سڑک سے گذر رہا ہے۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ لوگ مجھے اللہ والا سمجھ کر چندہ دیں، میری خوب خاطر ہو کہ یہ بہت بڑا عاشقِ حق جا رہا ہے تو اس کے ہر سبحان اللہ کہنے پر گناہ اور وبال لکھا جا رہا ہے کیونکہ اس کا ذکر اللہ، اللہ کے لیے نہیں ہے، پیٹ اور دنیا اینٹھنے کے لیے ہے۔ اور ایک آدمی اللہ کا حکم سمجھ کر اپنے بال بچوں کا پیٹ پالنے کے لیے امرود بیچ رہا ہے اور وہ سڑک پہ کہہ رہا ہے کہ لے امرود، لے امرود تو اس کو ہر لے امرود کہنے پر سبحان اللہ سے زیادہ ثواب لکھا جاتا ہے کیونکہ سبحان اللہ مستحب ہے، نفل ہے اور حلال کمائی فرض ہے:

﴿طَلَبُ کَسَبِ الۡحَلَالِ فَرِیۡضَۃٌ بَعۡدَ الۡفَرِیۡضَۃِ﴾

(مشکٰوۃُ المصابیح، کتابُ البیوع، بابُ الکسب وطلب الحلال، ص: ۲۴۲)

تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے فرمایا کہ تمہاری عاشقی ہم تسلیم کرتے ہیں کیونکہ یاد وہی کرتا ہے جو عاشق ہوتا ہے:

﴿مَنۡ اَحَبَّ شَیۡئًا اَکۡثَرَ ذِکۡرَہٗ﴾

(مرقاۃ المفاتیح، کتابُ الفضائل والشمائل، باب فیؔ اخلاقہ و شمائلہ)

جو کسی سے محبت کرتا ہے تو اس کا کثرت سے ذکر کرتا ہے۔ (عرفانِ محبت، صفحہ: ۷۔۹)

جو لوگ کہ حضرت آدم علیہ السلام کی خاص اولاد ہیں اگر ان سے خطا ہو جاتی ہے تو چین سے نہیں رہتے۔ چائے نہیں پیتے، مکھن نہیں نگلتے، سموسے نہیں اُڑاتے۔ دو رکعت توبہ کی پڑھ کر سجدہ گاہ کو اپنے آنسوؤں سے تر کرتے ہیں۔ تڑپ کر مالک کو راضی کرتے ہیں اور اپنے بابا کی میراث **رَبَّنَا ظَلَمۡنَا اَنۡفُسَنَا** کو استعمال کرتے ہیں کیونکہ حضرت آدم علیہ السلام کا کام اسی سے بنا تھا۔ آپ کو تاجِ خلافت اسی سے عطا ہوا تھا۔ تو جو حضرت آدم علیہ السلام کی خاص اولاد ہیں ان سے اگر خطا ہو جاتی ہے تو وہ بھی **رَبَّنَا ظَلَمۡنَا اَنۡفُسَنَا** کہہ کر روتے ہیں اور جب تک ان کے دل میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے آواز نہیں آ جاتی کہ

ہم نے معاف کر دیا اُس وقت تک چاہئے اپنے اوپر حرام سمجھتے ہیں، کباب بریانی کو اپنے اوپر حرام سمجھتے ہیں، نعمتیں دینے والے کو ناراض کر کے جو نعمتیں ٹھونستا ہے وہ نالائق ہے، بے غیرت ہے۔ شرافتِ بندگی کا تقاضا ہے کہ گناہ کر کے پہلے توبہ کرو، اتنا روؤ کہ آسمان سے آواز بغیر حروف کے دل میں آجائے کہ ہم نے معاف کر دیا۔ اللہ تعالیٰ کی آواز حروف کی محتاج نہیں ہے۔ بغیر حروف کے آواز آتی ہے، الہام ہوتا ہے، مضمون کے لیے حروف کی ضرورت نہیں۔ مفہوم آتا ہے پھر وہ اپنے ملفوظ میں پیش کرتا ہے۔

ایک دفعہ ایک صاحب نے مجمع میں پوچھا کہ گناہوں کی معافی کا طریقہ آپ نے آہ وزاری، اشکباری بتایا تھا، لیکن کتنا روؤں، کتنی توبہ کروں اور کیسے معلوم ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے معاف کر دیا؟ اس کی کوئی علامت ہے؟ میں نے عرض کیا کہ جب اللہ تعالیٰ تمہارے آنسوؤں پر رحم فرمائیں گے تو شانِ رحمت کا احساس قلب کو ہو جائے گا، دل میں ٹھنڈک اور سکون آجائے گا۔ یہی علامت ہے کہ معافی ہوگئی۔ (عرفان محبت صفحہ ۱۶-۱۴)

اشد محبت مانگنے کا طریقہ حدیثِ پاک سے

اب اس کے بعد سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حدیث میں اِس اشد محبت کے مانگنے کا ڈھنگ سکھا دیا۔ بخاری شریف کی حدیث ہے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دعا مانگ کر اُمت کو سکھایا کہ اس طرح مانگو۔ واہ! کیا بات ہے۔ اتباع کی لذت الگ اور اللہ تعالیٰ سے مانگنے کی لذت الگ ہے۔ جب اُمتی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے الفاظ میں اللہ تعالیٰ سے سوال کرے گا تو الفاظِ نبوت نورِ نبوت کے حامل ہوتے ہیں، اس کے مزہ کا کیا پوچھتے ہو؟ نبی کے الفاظ کی لذت الگ، نبی کے اتباع کی لذت الگ اور اللہ سے مانگنے کی لذت الگ۔

اہل اللہ سے محبت ذوقِ نبوت ہے

اور کیا مانگو گے اَللّٰھُمَّ اِنِّیۡ اَسۡئَلُکَ حُبَّکَ اے اللہ! مجھے آپ اپنی محبت دے دیجئے۔ وَحُبَّ مَنۡ یُّحِبُّکَ اور جو لوگ آپ سے محبت کرتے ہیں ان کی محبت دیجئے، آپ کے عاشقوں کی محبت بھی میں مانگتا ہوں۔ اب آپ بتایئے کہ جو ظالم یہ کہے کہ کتابوں سے میں اللہ والا بن جاؤں گا مجھے اللہ والوں کی کوئی ضرورت نہیں ہے اس کا یہ استغناء بخاری شریف کی اس حدیث کی روشنی میں حماقت ہے یا نہیں؟ سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تو اللہ تعالیٰ کے عاشقوں کی محبت مانگ رہے ہیں تو کون ظالم اس سے مستغنی ہو سکتا ہے؟ یہ دلیل ہے کہ یہ شخص کورا ہے۔ مرادِ نبوت اور ذوقِ نبوت سے ناآشنا ہے۔ وَحُبَّ عَمَلٍ یُّبَلِّغُنِیۡ حُبَّکَ اور اے اللہ ایسے اعمال کی محبت دے دے جن سے تیری محبت ملے۔

علامہ سید سلیمان ندوی فرماتے ہیں کہ اللہ کی محبت اور اعمال کی محبت کے درمیان میں اللہ والوں کی محبت کیوں مانگی گئی ہے؟ اس لیے کہ یہ اللہ کی محبت اور اعمال کی محبت کے درمیان رابطہ ہے۔ یعنی اللہ والوں کی محبت میں یہ خاصیت ہے کہ اللہ والوں کے پاس بیٹھنے سے اللہ تعالیٰ کی محبت بھی مل جاتی ہے اور اعمال کی محبت بھی مل جاتی ہے۔

دیکھو جگر صاحب کو ایک مرتبہ ایک اللہ والے بزرگ حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت نصیب ہوئی کیسے اللہ والے بن گئے؟ شراب سے توبہ کر لی۔ حج کر آئے، ڈاڑھی بھی رکھ لی اور ان شاء اللہ خاتمہ بالخیر بھی نصیب ہو گیا۔ ساری زندگی شراب پی۔ (عرفانِ محبت، صفحہ: ۳۲۔۳۳)

تو اللہ تعالیٰ کی محبت کتنی ہونی چاہیے؟ یہ بخاری شریف کی حدیث ہے الفاظِ نبوت میں مانگو ان شاء اللہ ضرور قبول ہوگی۔ کیونکہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، اللہ تعالیٰ کے پیارے اور مقبول ہیں، آپ کے الفاظ بھی مقبول ہیں، مقبول لغتِ نبوت میں مانگو گے تو آپ کی دعا رد نہیں ہوگی ان شاء اللہ یاد کر لو۔ خالقِ حیات کی باتیں پیش کرتا ہوں جن سے حیات برستی ہے۔ خالقِ حیات اپنے عاشقوں پر حیات اور نافرمانوں کے دلوں پر موت برساتا ہے۔ چہرہ دیکھو تو پتہ چل جائے گا کہ اس پر لعنت و پھٹکار ہے۔ سیدنا عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک شخص کو دیکھ کر جو بدنظری کر کے آیا تھا فرمایا کہ مَا بَالُ اَقْوَامٍ یَتَرَشَّحُ مِنْ اَعْیُنِہِمُ الزِّنَا کیا حال ہے ایسی قوموں کا جن کی آنکھوں سے زِنا ٹپک رہا ہے؟ کیا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے لعنت نہیں فرمائی؟ لَعَنَ اللّٰہُ النَّاظِرَ جو بدنظری کرتا ہے اس پر لعنت ہو۔ سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بددعا ہے تو کیا لعنت کے اثرات چہرہ پر نہیں آئیں گے؟

اہل وعیال سے زیادہ اللہ تعالیٰ کی محبت مطلوب ہے

اس کے بعد فرمایا وَمِنْ اَھْلِیْ اے اللہ اپنی محبت مجھے میرے اہل وعیال سے بھی زیادہ دے دے۔ یہ نہیں کہ بیوی نے کہا کہ ٹیلیویژن نہیں لاؤ گے تو میں ناراض ہو جاؤں گی تو مارے ڈر کے لے آیا۔ بھائی ہرگز اللہ تعالیٰ کو ناراض مت کرو، بیوی کی تمام ڈیمانڈ پوری کرو، اگر اچھے کپڑے کو کہے، لے آؤ، کوکا کولا لے آؤ، مرنڈا مانگے لادو، سیون اپ پلا دو اور شوگر والی ہے تو ڈائٹ سیون اپ لے آؤ اور ٹھنڈی کر کے پلاؤ۔ حلال نعمتیں اس پر برساؤ لیکن جب اللہ کی نافرمانی کو کہے کہ ننگی فلمیں لے آؤ تو کہہ دو کہ میری جان لے لو مگر ایمان نہ لو، ایمان نہیں دے سکتا۔

جہانگیر بادشاہ سے نور جہاں نے کہا کہ شیعہ ہو جاؤ۔ پوچھا کیوں؟ کہا کہ تم میرے عاشق ہو، عاشق کو چاہیے کہ معشوق کا مذہب اختیار کرے تو اس نے کہا کہ جاناں بہ تو جاں دادم نہ کہ ایماں دادم اے نور

جہاں میری محبوبہ تجھ پر میں نے جان دی ہے ایمان نہیں دیا ہے۔

شدید پیاس میں ٹھنڈے پانی سے زیادہ اللہ کی محبت مطلوب ہے

تیسرا جملہ ہے وَمِنَ الْمَآءِ الْبَارِدِ اے اللہ! اپنی محبت مجھے اتنی دے دے کہ شدید پیاس میں ٹھنڈے پانی سے بھی زیادہ۔ شدید پیاس میں ٹھنڈے پانی سے رگ رگ میں جان آجاتی ہے، جان میں سینکڑوں جان معلوم ہوتی ہے۔ اس شدید پیاس میں پانی جتنا پیارا ہوتا ہے اے اللہ اس سے زیادہ آپ مجھے پیارے ہوجایئے۔ اپنی ایسی محبت میری جان کو عطا فرمادیجئے۔ (عرفانِ محبت، صفحہ:۳۶۔۳۷)

اَللّٰهُمَّ اغْسِلْ خَطَايَایَ بِمَآءِ الثَّلْجِ کی الہامی تشریح

گناہوں سے دل پر دو قسم کے عذاب آتے ہیں ایک تو اندھیرا پیدا ہوتا ہے دوسرے دل میں جلن اور سوزش پیدا ہوتی ہے۔ اس لیے کہ گناہ کا تعلق دوزخ سے ہے۔ لہٰذا دل میں گرمی، جلن اور سوزش اور اندھیرا پیدا ہوتا ہے۔ اسی لیے سرورِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہمیں استغفار کا عجیب مضمون عطا فرمایا ہے۔ اَللّٰهُمَّ اغْسِلْ خَطَايَایَ بِمَآءِ الثَّلْجِ اے اللہ میرے گناہوں کو دھو دے برف کے پانی سے و البرد اور اولے کے پانی سے۔ میرے شیخ نے مجھے جب یہ حدیث پڑھائی تو ڈاکٹر عبدالحی صاحب عارفی رحمۃ اللہ علیہ جونپور سے اعظم گڑھ آئے ہوئے تھے اور مجلس میں موجود تھے۔ انہوں نے سوال کیا کہ برف اور اولے کے پانی سے گناہوں کے دھلوانے کی کیوں درخواست کی جاری ہے؟ حضرت کو جواب معلوم نہیں تھا۔ آنکھ بند کر کے سر کو جھکایا، چند سیکنڈ کے بعد فرمایا کہ آگیا آگیا جواب آگیا۔ فرمایا کہ گناہ سے دو باتیں پیدا ہوتی ہیں۔ ایک حرارت اور گرمی دوسری اندھیرے۔ گناہوں سے اندھیرے کیوں آتے ہیں؟ اس کا جواب اختر سے سن لو کہ چونکہ سورج کے ڈوبنے سے عالم میں اندھیرا پیدا ہوجاتا ہے تو سورج کا پیدا کرنے والا جس سے منہ پھیر لے اس کے دل میں اندھیرا نہیں آئے گا؟ میرے شیخ نے فرمایا کہ برف کا پانی ٹھنڈا ہوتا ہے اس کے ذریعہ گناہوں کے دھونے کی درخواست کی جارہی ہے تاکہ گناہوں کی گرمی ٹھنڈک سے تبدیل ہوجائے اور اولے کا پانی چمکدار ہوتا ہے اس کے ذریعہ سے اندھیرے اجالوں میں تبدیل ہوجائیں گے۔ (عرفانِ محبت)

حدیث نمبر ٦٦

﴿اَللّٰهُمَّ اَحْيِنِیْ مِسْكِيْنًا وَّ اَمِتْنِیْ مِسْكِيْنًا وَّاحْشُرْنِیْ فِیْ زُمْرَةِ الْمَسَاكِيْنِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ﴾

(سننُ الترمذی، کتابُ الزھد، باب ما جآء ان فقرآء المُھاجرین یَدخُلوُن الْجنةَ، ج: ۲، ص، ٦٠)

ترجمہ: اے اللہ! مجھے مسکین زندہ رکھئے اور مسکنت ہی میں موت دیجئے اور آخرت میں بھی مساکین کی

جماعت کے ساتھ میرا حشر ہو۔

بمبئی میں ایک دن میرا بیان ہوا جس میں میں نے یہ حدیث پڑھی اَللّٰھُمَّ اَحْیِنِیْ مِسْکِیْنًا وَّ اَمِتْنِیْ مِسْکِیْنًا وَّاحْشُرْنِیْ فِیْ زُمْرَۃِ الْمَسَاکِیْنِ یعنی اے اللہ! مجھے مسکین زندہ رکھئے اور مسکین ہی ماریئے اور مسکینوں میں میرا حشر فرمایئے۔ میں نے اس کی شرح بیان کی جو ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے مرقاۃ میں لکھی ہے کہ یہاں مسکین کے معنیٰ یہ نہیں ہیں کہ امت غریب ہو جائے۔ مسکین کے معنی ہیں اَلْمِسْکِیْنُ مِنَ الْمَسْکَنَۃِ وَھِیَ غَلَبَۃُ التَّوَاضُعِ عَلٰی وَجْہِ الْکَمَالِ مسکنت کے معنی ہیں کہ غلبۂ تواضع ہو، کمال درجہ کی خاکساری ہو فقیر اور غریب ہو جانا مراد نہیں ہے۔ تو صاحب کہنے لگے کہ تین سال سے مارے ڈر کے میں یہ دعا نہیں مانگ رہا تھا کہ کہیں غریب نہ ہو جاؤں تو مسجد مدرسہ میں کیسے مال دوں گا۔ آج اس کے معنیٰ معلوم ہو گئے۔ آج سے پھر یہ دعا پڑھنا شروع کر دوں گا۔ کتنے صحابہ مالدار تھے، زکوٰۃ ادا کرتے تھے، صدقہ خیرات دیتے تھے اگر مسکین سے مفلس ہونا مراد ہوتا تو سارے صحابہ مفلس ہو جاتے۔ مراد یہ ہے کہ دل مسکین ہو۔ ہاتھ میں پیسہ ہو، جیب میں پیسہ ہو اور دل میں نہ ہو، مال خوب ہو، مال کا نشہ نہ ہو۔ (انعامات الٰہیہ، صفحہ: ۳۳۔۳۴)

حدیث نمبر ۶۷

﴿اَللّٰھُمَّ رَبَّ ھٰذِہِ الدَّعْوَۃِ التَّامَّۃِ وَالصَّلٰوۃِ الْقَائِمَۃِ اٰتِ مُحَمَّدَا نِ الْوَسِیْلَۃَ وَالْفَضِیْلَۃَ وَابْعَثْہُ مَقَامًا مَّحْمُوْدَا نِ الَّذِیْ وَعَدْتَّہٗ﴾

(صحیحُ البخاری، کتابُ الاذان، بابُ الدعاء عند النداء، ج: ا، ص: ۸۶)

ترجمہ: اے اللہ! اے اس دعوتِ کاملہ اور صلوٰۃِ دائمہ کے رب! محمد ﷺ کو بلند مرتبہ اور اس میں غیر منتہی ترقی عطا فرما اور ان کو مقام محمود تک پہنچا جس کا آپ نے ان سے وعدہ کیا۔

اذان کے بعد کی دعا

اذان کے بعد کی دعا کو دعائے وسیلہ بھی کہتے ہیں۔ اذان کے کلمات کا جواب دے دیجئے پھر جب اذان ختم ہو آپ درود شریف پڑھ کر دعائے وسیلہ پڑھئے اَللّٰھُمَّ رَبَّ ھٰذِہِ الدَّعْوَۃِ التَّامَّۃِ وَالصَّلٰوۃِ الْقَائِمَۃِ اٰتِ مُحَمَّدَا نِ الْوَسِیْلَۃَ وَالْفَضِیْلَۃَ وَابْعَثْہُ مَقَامًا مَّحْمُوْدَا نِ الَّذِیْ وَعَدْتَّہٗ اِنَّکَ لَا تُخْلِفُ الْمِیْعَادَ یہ آخری جملہ مسند امام بیہقی میں ہے۔ اس دعا پر وعدہ ہے کہ حَلَّتْ لَہٗ شَفَاعَتِیْ۔ بخاری شریف کی روایت ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ جو اس دعا کو پڑھے گا اس کے لیے میری شفاعت واجب ہو جائے گی اور جب اس دعا پر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شفاعت واجب ہو گی تو ملا علی

قاری رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں فَفِیْهِ اِشَارَةٌ اِلٰی بَشَارَةِ حُسْنِ الْخَاتِمَةِ (المرقاۃ، ج:۲، ص:۱۶۳، باب الاذان) اس میں حسنِ خاتمہ کی بشارت موجود ہے کہ اس کا خاتمہ ایمان پر ہوگا، کیونکہ شفاعت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کافر کو نہیں مل سکتی۔ (قرآن وحدیث کے انمول خزانے، صفحہ:۴۱)

دعا بعد از اذان

اذان کے بعد درود شریف پڑھنا لازم ہے، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا حکم ہے کہ درود شریف پڑھنے کے بعد یہ دعا پڑھو۔ یہ دعا پڑھنے والے کے حق میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شفاعت واجب ہوجائے گی۔ یہ دعا اپنی بیویوں کو بھی سکھا دو اَللّٰهُمَّ رَبَّ هٰذِهِ الدَّعْوَةِ التَّامَّةِ اے اللہ آپ اس دعوتِ کاملہ کے رب ہیں۔ ملا علی قاری نے مشکوٰۃ شریف کی شرح میں دعوتِ تامہ کا ترجمہ دعوتِ کاملہ کیا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے دعوت ہے اور اللہ تعالیٰ کی کوئی بات ناقص نہیں ہوسکتی اس لیے یہ دعوتِ کاملہ ہے اور رب کیوں فرمایا کہ آپ اس دعوتِ کاملہ کے رب ہیں، کلماتِ اذان کے لیے رب کا لفظ نازل کرنے کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح سے میں تمہاری جسمانی پرورش کرتا ہوں جب تم نماز پڑھو گے تو میں تمہاری روحانی پرورش بھی کروں گا لہٰذا آؤ مسجد میں تمہارا رب بلا رہا ہے اور رب جب بلاتا ہے تو کوئی چیز کھلاتا پلاتا ہے کیونکہ پالنے والا ہے۔ پس میں تمہیں روحانی ناشتہ کراؤں گا اس لیے یہاں رب نازل فرمایا کہ آپ اس دعوتِ کاملہ کے رب ہیں جس سے آپ ہماری روحانی پرورش فرمائیں گے، مسجد میں نماز پڑھنے کی حالت میں ہمارا ایمان ویقین بڑھے گا اور روحانی تربیت ہوگی ہماری روح زندہ ہوگی، ہمیں حیات پر حیات ملے گی، زندگی میں زندگی ملے گی۔ وَالصَّلٰوةِ الْقَائِمَةِ اور آپ اس نماز کی طرف بلا رہے ہیں جو قائم ہے۔ ملا علی قاری نے قائمہ کا ترجمہ کیا ہے دائمہ یعنی یہ نماز وہ ہے جو دائم ہے اور دائم کیوں ہے؟ کیونکہ لَا تُنْسِخُهَا مِلَّةٌ وَ لَا تُغَيِّرُهَا شَرِيْعَةٌ اب کوئی شریعت و مذہب دوسرا نہیں آئے گا جو اس نماز کے ارکان کو بدل دے اس لیے فرمایا کہ وَالصَّلٰوةِ الْقَائِمَةِ اَىُ الصَّلٰوةِ الدَّائِمَةِ کہ یہ نماز قیامت تک قائم رہے گی جب تک اسلام رہے گا، اب کوئی اس کو بدل نہیں سکتا، اس نماز کے ارکان دائم رہیں گے۔ اب کوئی ملت اور شریعت اس میں تبدیلی نہیں کرے گی کیونکہ ملتِ اسلامیہ ہی اب قیامت تک رہے گی، کوئی اور مذہب نہیں آئے گا۔ اس کے بعد ہے اٰتِ مُحَمَّدَا نِ الْوَسِيْلَةَ اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو عظیم الشان مرتبہ عطا فرما۔ وسیلہ کے معنی ہیں عظیم الشان مرتبہ وَ الْفَضِيْلَةَ لیکن مرتبہ غیر متناہی ہو اس کی کوئی حد نہ ہو، جو بڑھتا ہی رہے فضیلۃ کے معنی ہیں غیر متناہی اور وَالدَّرَجَةَ الرَّفِيْعَةَ پڑھنا جائز نہیں کہ یہ سنت سے ثابت نہیں ہے وَابْعَثْهُ مَقَامًا

مَّحۡمُوۡدًا اور مقامِ محمود پر ہمارے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایئے الَّذِیۡ وَعَدۡتَّہٗ جس کا آپ نے وعدہ کیا ہے اِنَّکَ لَا تُخۡلِفُ الۡمِیۡعَادَ آپ اپنے وعدہ کے خلاف نہیں کرتے تو محدث عظیم ملا علی قاری لکھتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ اپنے محبوب اور پیارے نبی کو مقامِ محمود یعنی مقامِ شفاعت عطا کریں گے تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہمیں کیوں مقامِ محمود کے مانگنے کا حکم دیا ہے اس میں کیا راز ہے، جب اللہ کا وعدہ ہے تو اللہ تو دے ہی دے گا تو فرمایا کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے مانگنے کا حکم اس لیے دیا کہ جو میرے لیے مقامِ محمود یعنی مقامِ شفاعت مانگے گا اس کے حق میں میری شفاعت واجب ہو جائے گی۔ یہ راز ہے اٰتِ مُحَمَّدَا ۨ الۡوَسِیۡلَۃَ وَالۡفَضِیۡلَۃَ وَابۡعَثۡہُ مَقَامًا مَّحۡمُوۡدًا کا کہ اے اللہ ہمارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو قیامت کے دن مقامِ شفاعت عطا فرما۔ فرمایا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کہ جو اس دعا کو پڑھے گا اس کے حق میں میری شفاعت واجب ہو جائے گی ورنہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو تو شفاعت کا حق یقیناً ملے ہی گا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتا لیکن فائدہ ہمارا ہے، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے شفاعت کا مقام مانگنے والے کا فائدہ ہے کہ اس کے حق میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت واجب ہو جائے گی۔

آج میں نے کلماتِ اذان کا ترجمہ بتا دیا اور با قاعدہ مدلل۔ یہ اناڑی ترجمہ نہیں ہے نہ کباڑی ہے بلکہ معیاری ہے یعنی مستند بالشرح المشکوٰۃ المسمّٰی بالمرقاۃ اور دوسری بڑی کتابوں سے ہے جب کہ سب کو علم ہے کہ میں کتاب دیکھتا بھی نہیں ہوں، اتنی کمزوری ہے۔ کئی برس سے مجھے مطالعہ کرتے ہوئے آپ نے کبھی دیکھا مولانا مظہر میاں! مگر میرا پہلا دیکھا ہوا ہی اللہ تعالیٰ کی رحمت سے یاد رہتا ہے۔

اللہ نے میری کیسی آبرو رکھی کہ آج وہ مضمون بیان کیا جو زندگی میں کبھی بیان نہیں کیا تھا۔

(تقریر ختم قرآن مجید و بخاری شریف، صفحہ: ۴۷۔۵۸)

حدیث نمبر ٦٨

٦/جمادی الثانی ١٤١٧ھ مطابق ٢٠/اکتوبر ١٩٩٦ء بروز اتوار

حدیث اَللّٰھُمَّ اَلۡھِمۡنِیۡ......الخ کی اِلہامی تشریح

﴿اَللّٰھُمَّ اَلۡھِمۡنِیۡ رُشۡدِیۡ وَ اَعِذۡنِیۡ مِنۡ شَرِّ نَفۡسِیۡ﴾

(سنن الترمذی، کتاب الدعوات عن رسول اللہ، باب ما جآء فی جامع الدعوات عن النبی ﷺ)

آج میں رُشد کی تعریف بیان کروں گا، ان شاء اللہ علماء کو وجد آجائے گا۔ رُشد کے چار مفہوم ہیں جو اللہ تعالیٰ نے مجھے عطا فرمائے ہیں، بخاری شریف کی تمام شروحات مثلاً فتح الباری، عمدۃ القاری وغیرہ

دیکھ لو پھر اختر کی شرح دیکھو تب معلوم ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے اختر کی زبان سے کیا کام لیا ہے۔ اَللّٰھُمَّ اَلْھِمْنِیْ رُشْدِیْ اے خدا ہم کو راشدون میں داخل فرمایئے یعنی صاحبِ رُشد بنایئے اور صاحبِ رُشد (یعنی راہِ راست پر) کون لوگ ہیں؟ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿حَبَّبَ اِلَیْکُمُ الْاِیْمَانَ وَ زَیَّنَہٗ فِیْ قُلُوْبِکُمْ وَ کَرَّہَ اِلَیْکُمُ الْکُفْرَ وَ الْفُسُوْقَ وَ الْعِصْیَانَ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الرّٰشِدُوْنَ﴾

(سورۃ الحجرات، آیت:۷)

اور یہی راشدون کی تعریف ہے۔ تو صاحبِ رُشد وہ ہیں جن کے قلب میں ایمان محبوب ہوجائے وَ زَیَّنَہٗ اور مزین ہوجائے یعنی اس کی تحصیل دل میں لذیذ اور مرغوب ہوجائے اور دل کے ذرّے ذرّے میں رچ جائے، راسخ ہوجائے۔ محبوب ہونا اور مزین ہونا یہ دو نعمتیں ہیں حَبَّبَ اِلَیْکُمُ الْاِیْمَانَ وَ زَیَّنَہٗ فِیْ قُلُوْبِکُمْ یعنی اللہ تعالیٰ دل میں ایمان کو پیارا بنادے اور اسے مزین کردے یعنی قلب میں مرغوب ولذیذ کردے۔ پس جب ایمان محبوب ہوگیا اور اتنا مرغوب ہوگیا کہ اس کی لذت دل کے ذرّے ذرّے میں داخل ہوگئی تو محبوب کی لذتِ مستزاد کا نام تزئین ہے، مزین ہونا ہے یعنی اسے اتنا مزہ آنے لگے کہ کَرَّہَ اِلَیْکُمُ الْکُفْرَ کفر سے کراہت پیدا ہوجائے وَ الْفُسُوْقَ گناہِ کبیرہ سے کراہت پیدا ہوجائے وَ الْعِصْیَانَ اور گناہِ صغیرہ سے بھی نفرت ہوجائے، مراد یہ ہے کہ اللہ کی ہر نافرمانی سے سخت نفرت ہوجائے۔

اللہ تعالیٰ نے حَبَّبَ سے ایمان کی محبوبیت اور تزئین کی نسبت اپنی طرف کی ہے اور یہ نہیں فرمایا کہ تمہیں تمہاری محنتوں، تقویٰ اور اور مجاہدات سے یہ مقام ملا بلکہ فرمایا حَبَّبَ اِلَیْکُمُ الْاِیْمَانَ اللہ نے محبوب کردیا تمہارے دلوں میں ایمان کو وَ زَیَّنَہٗ اور ایمان کی محبوبیت کے ساتھ تم کو لذتِ مستزاد بھی عطا فرمائی، محبوبیت میں جمالِ مستزاد پیدا کردیا اور اتنی لذتِ مستزاد عطا فرمائی کہ تم کو کفر سے، فسوق سے اور عصیان سے نفرتِ شدیدہ ہوگئی، اُولٰٓئِکَ ھُمُ الرّٰشِدُوْنَ یہی لوگ صاحبِ رُشد ہیں یعنی راہِ راست پر ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث اَللّٰھُمَّ اَلْھِمْنِیْ رُشْدِیْ میں رُشد ہی کی درخواست کی ہے کہ اے اللہ آپ اپنی طرف سے ہمارے قلب میں رُشد الہام فرمایئے کیونکہ آپ نے قرآن پاک میں ان نعمتوں یعنی ایمان کی محبوبیت اور اس کی مرغوبیت (لذتِ مستزاد) کی نسبت اپنی طرف کی ہے لہٰذا ہم آپ ہی سے مانگتے ہیں کہ آپ آسمان سے زمین والوں کے قلب پر یہ نعمتیں الہام فرمایئے، اے عرش والے فرش والوں کو نہ بھولیے، ہماری نالائقیوں کی وجہ سے ہم کو اس نعمتِ رُشد سے محروم نہ فرمایئے، ہمارے قلب میں ایمان کو محبوب فرمادیجیے اور لذتِ مستزاد عطا فرما کر مزین بھی فرمایئے اور کفر، فسوق اور عصیان سے کراہت عطا

فرمائیے۔ مفسرین نے فسوق کی تفسیر گناہِ کبیرہ سے اور عصیان کی تفسیر گناہِ صغیرہ سے کی ہے یعنی کوئی لمحہ آپ کی نافرمانی میں نہ گذرے۔ اے اللہ ہمیں اپنے اولیاء کا اتنا بڑا مقام عطا فرما دیجیے تاکہ ہم راشدون بن جائیں۔

تو اس دعا اَللّٰھُمَّ اَلْھِمْنِیْ رُشْدِیْ میں اتنی نعمتوں کی درخواست شامل ہے۔اور اَلْھِمْنِیْ امر ہے اور امر بنتا ہے مضارع سے جس میں تجدد استمراری کی شان ہے یعنی ایک ہی مرتبہ ہم کو یہ مرتبہ دے کر وہیں نہ ٹھہرائے رکھیے، بار بار ترقی دیتے رہیے، ہر آن ہم کو اپنی نئی شان عطا فرماتے رہیے۔قرآنِ پاک میں ہے:

﴿كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِيْ شَأْنٍ﴾

(سورۃ الرحمٰن، آیت: ۲۹)

اس آیت کی تفسیر میں علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہاں یوم کے معنی دن نہیں ہیں اَیْ فِیْ كُلِّ وَقْتٍ مِّنَ الْاَوْقَاتِ وَ فِیْ كُلِّ لَحْظَةٍ مِّنَ اللَّحْظَاتِ وَ فِیْ كُلِّ لَمْحَةٍ مِّنَ اللَّمْحَاتِ اَنْتَ فِیْ شَأْنٍ اے خدا! ہر لمحہ تیری نئی شان ہے۔اسی لیے اللہ والوں پر ہر وقت اللہ کی نئی شان متجلّی رہتی ہے۔اُدھر ہر لمحہ اگر ادائے خواجگی کی نئی شان ہوتی ہے تو اِدھر ادائے بندگی کی بھی نئی شان ہوتی ہے۔

یہ ایک جز کی شرح ہوگئی۔اب اس شرح کے بعد آپ علماء حضرات بخاری شریف کی شرح فتح الباری اور عمدۃ القاری کو دیکھئے پھر آپ کو قدر ہوگی کہ اس غلامِ ابنِ حجر اور غلامِ بدرالدین عینی اختر کو اس فرش پر وہ عرش والا مولیٰ کیا دے رہا ہے۔ان محدثینِ کرام سے اختر کو کوئی نسبت نہیں، ان کا غلام کہلانے کے بھی قابل نہیں لیکن اللہ چاہے تو کبھی ذرّے کو بھی آفتاب کرتا ہے۔

آگے ہے وَ اَعِذْنِیْ مِنْ شَرِّ نَفْسِیْ، اَعِذْنِیْ امر ہے اور سب اہلِ علم جانتے ہیں کہ امر مضارع سے بنتا ہے یعنی اے خدا کوئی لمحہ ایسا نہ ہو کہ آپ مجھے میرے نفس کے شر کے حوالہ کردیں، اے اللہ رُشد کا ہر لمحہ اختر محتاج ہے اور آپ کی حفاظت از شرورِ نفس کا بھی محتاج ہے اور دنیا کے سب بندے محتاج ہیں۔

تو اَللّٰھُمَّ اَلْھِمْنِیْ رُشْدِیْ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں دعا کا یہ مضمون سکھا دیا کہ رُشد مانگو، راشدون کو جو کچھ ملتا ہے وہ مانگو یعنی ایمان کی محبوبیت، اس کی تزئین اور کفر اور گناہوں سے کراہت بھی مانگو مگر آگے فرمایا وَ اَعِذْنِیْ مِنْ شَرِّ نَفْسِیْ کہ نفس کے شر سے پناہ بھی مانگو کیونکہ بعض لوگوں کو ہدایت تو ہوگئی، کفر اور گناہوں سے کراہت بھی ہوگئی مگر کبھی نفس غالب آگیا اور گناہ کرا دیا اگرچہ نفس کی لذتِ حرام کی پرانی عادت کی وجہ سے خوفزدہ اور دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ گناہ کیا حالانکہ ذکر کی اور اہل اللہ کی صحبت کی برکت سے اس کے دل میں خطرہ کا الارم بج رہا ہے کہ یہ کیا کر رہا ہے نالائق! خبیث! یہ تو کیا کر رہا ہے، اللہ

والوں سے تعلق بھی رکھتا ہے اور اللہ اللہ بھی کرتا ہے مگر جب نفس غالب ہوگیا تو دھڑ کتے ہوئے خوفزدہ قلب کے ساتھ بھی گناہ میں ملوث ہوگیا مگر ذکر کی برکت سے ایسے لوگوں کو گناہ کو پورا مزہ نہیں ملتا۔

ذکر کا ایک انعام حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بھی بتایا کہ ذکر کرنے والوں کو گناہ کا پورا مزہ نہیں آتا۔ فرماتے ہیں کہ اللہ کو یاد کرنے والوں سے بھی گناہ ہوسکتا ہے اور غافل لوگوں سے بھی گناہ ہوتا ہے مگر ذاکر کے گناہ میں اور غافل کے گناہ میں کیا فرق ہے؟ تو فرماتے ہیں کہ جو لوگ ذکر سے غافل ہیں جب وہ گناہ کرتے ہیں تو گناہ کی لذت میں بھرپور ڈوب جاتے ہیں اور اگر اللہ اللہ کرنے والوں سے کبھی گناہ ہوگا تو خوفِ خدا کے استحضار کی وجہ سے دھڑ کتے ہوئے قلب سے انہیں گناہ کا پورا مزہ نہیں آئے گا جس سے اُنہیں توفیقِ توبہ جلد ہوتی ہے کیونکہ جسے گناہ کا پورا مزہ آجاتا ہے پھر اس کے لیے توبہ کرنی مشکل ہو جاتی ہے جیسے دَلدَل میں پورا ڈوب جائے تو نکلنا مشکل ہو جاتا ہے۔ اسی لیے حکیم الامت نے فرمایا کہ اہلِ ذکر سے اگر گناہ ہوگا تو توبہ کی جلد توفیق ہو جائے گی اور اہلِ غفلت سے جب گناہ ہوگا تو اس کو توبہ کرنا مشکل ہو جائے گا۔ تو مجددِ زمانہ نے ذاکرین اور غافلین کے گناہ کا فرق بتا دیا۔

تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اَللّٰھُمَّ اَلْھِمْنِیْ رُشْدِیْ کے بعد ہمیں اَعِذْنِیْ مِنْ شَرِّ نَفْسِیْ سکھایا تاکہ تم اللہ کی پناہ مانگو نفس کے شر سے۔ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے نفس کے شر سے بچنے کے لیے اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیْ فرمایا کہ جس پر میری رحمت کا سایہ ہوگا وہی گناہ سے بچ سکتا ہے۔ گناہوں سے بچنے کے لیے تمہاری ذاتی طاقت کچھ کام نہ دے گی، کتنے ہی ہاتھ پیر مارو جب تک مالک کی رحمت نہیں ہوگی ترکِ معصیت کی توفیق نہیں ہوگی۔ اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں یہ دعا سکھا دی کہ اَعِذْنِیْ مِنْ شَرِّ نَفْسِیْ اے اللہ نفس کے شر سے ہم کو بچایئے تاکہ ہم آپ کے سایۂ رحمت میں رہیں۔ ایک دعا سکھا دی، اب دوسری دعا سکھاتا ہوں:

﴿اَللّٰھُمَّ ارْحَمْنِیْ بِتَرْکِ الْمَعَاصِیْ وَ لَا تُشْقِنِیْ بِمَعْصِیَتِکَ﴾

اے اللہ! ہم پر وہ رحمت نازل فرمایئے جس سے ہم گناہ چھوڑ دیں تو معلوم ہوا کہ جو گناہ چھوڑ دیتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کے سائے میں آجاتا ہے، لعنت کے سائے سے نکل کر سایۂ رحمتِ خداوندی میں آگیا، یہ اَللّٰھُمَّ ارْحَمْنِیْ بِتَرْکِ الْمَعَاصِیْ کا ترجمہ ہے کہ اے اللہ اپنی رحمت کے سائے میں ہم کو رکھئے اور گناہ کی لعنت کے سائے سے بچایئے۔ معلوم ہوا کہ جس کو خدا گناہ چھوڑنے کی توفیق دے وہ اللہ کی رحمت پا گیا اور جو گناہ نہیں چھوڑتا تو چاہے لاکھ بڑی بلڈنگ میں رہتا ہو، مرسڈیز کار میں بیٹھا ہو، پاپڑ سموسے اُڑاتا ہوا سے اللہ کی رحمت حاصل نہیں ہے اور جو گناہ چھوڑ دے وہ چٹائی پر، بوریئے پر، تالاب کے

کنارے، جنگلوں میں ہر جگہ اللہ کی رحمت کے سائے میں ہے اور مرسڈیز اور بڑی بڑی بلڈنگ والے سے افضل ہے کیونکہ وہ گناہ کر کے اللہ کو ناراض کر رہا ہے اور یہ اللہ کو یاد کر کے اللہ کی رحمت کے سائے میں ہے، دریاؤں کے کنارے اور جنگلوں میں سلطنت کا مزہ لیتا ہے کیونکہ جو تاجِ سلطنت اور تختِ سلطنت دیتا ہے یہ اُس خالق کو دل میں لیے ہوئے ہے اور جس کے دل میں وہ خالقِ سلطنت آتا ہے بغیر تخت و تاج کے وہ نشۂ سلطنت میں مست رہتا ہے کیونکہ تاجِ سلطنت اور تختِ سلطنت دینے والا اس کے قلب میں ہے۔ بتایئے! تاج و تخت کا مزہ زیادہ ہے یا سلطنت دینے والے کا مزہ زیادہ ہے؟ اسی لیے اللہ والے تاج و تخت والوں سے زیادہ مزے میں ہیں کیونکہ ان کے تخت و تاج بدلتے رہتے ہیں، جو آج تخت پر ہیں وہ کل تختہ پر ہوتے ہیں، ہزاروں اپوزیشن کے خوف سے ان کی نیندیں حرام ہیں، ولیم فائیو کھا رہے ہیں اور اللہ والوں کے پاس صرف دو اپوزیشن ہیں، ایک نفس ایک شیطان، اور شیطان کے لیے اللہ نے فرمایا کہ اس کا مکر و کید بہت کمزور ہے، جب یہ بہکائے تم اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم پڑھ لو، اس سے لڑو مت کیونکہ یہ میرا کتا ہے، جیسے تم کسی کے گھر جاتے ہو تو اس کا کتا بھونکتا ہے مگر کتے کے بھونکنے پر آپ کتے سے نہیں لڑتے بلکہ گھنٹی بجا کر مالک مکان کو بلاتے ہیں، وہ خاص الفاظ کہتا ہے جس سے کتا دم دبا کر بیٹھ جاتا ہے۔ تو ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ شیطان اللہ کا کتا ہے، دنیاوی اعتبار سے جو جتنا بڑا آدمی ہوتا ہے وہ اتنا ہی بڑا کتا پالتا ہے تو اللہ سب سے بڑا ہے لہٰذا اس کا کتا بھی سب سے بڑا کتا ہے، تم اس سے جیت نہیں سکتے۔ اس لیے جب وہ بھونکے تو تم کہو اعوذ باللہ اے اللہ ہم آپ کی پناہ چاہتے ہیں، شیطان سے جنگ کا حکم نہیں ہے، اگر لڑنے کا حکم ہوتا تو اللہ سے پناہ کیوں مانگتے۔ تو اعوذ باللہ سے ایک اپوزیشن کا علاج ہو گیا۔ اب نفس کا کیا علاج ہے؟

یا حی یا قیوم برحمتک استغیث۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ نفس کے شر سے اس وقت تک نہیں بچ سکتے اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیْ جب تک تمہارے رب کی رحمت کا تم پر سایہ نہ ہوگا تو یا اللہ نفس بے شک امارہ بالسوء ہے لیکن یہ نفس امارہ بالسوء بھی آپ ہی کی مخلوق ہے اور اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیْ کا استثنیٰ بھی آپ کا ہے اور آپ خالقِ نفس امارہ ہیں تو اس رحمت کو مانگنے کا طریقہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے سکھا دیا:

﴿یَا حَیُّ یَا قَیُّوْمُ بِرَحْمَتِکَ اَسْتَغِیْثُ اَصْلِحْ لِیْ شَأْنِیْ کُلَّہٗ وَ لَا تَکِلْنِیْ اِلٰی نَفْسِیْ طَرْفَةَ عَیْنٍ﴾

(سنن الکبریٰ للنسائی)

اے اللہ آپ ہمیں اس نفس کے حوالے نہ کیجیے، ہمیں مَا رَحِمَ کا استثنیٰ دے دیجیے۔ تو دونوں اپوزیشن یعنی نفس اور شیطان کا علاج ہو گیا، اللہ نے ہمیں اپوزیشن کے پیچھے پڑنے کے لیے نہیں بنایا، دنیا کے بادشاہوں کو تو اپوزیشن سے دن رات لڑنا پڑتا ہے اور اللہ میاں نے ہمیں ایسی اپوزیشن دیں کہ ہمیں ان کا محتاج نہیں

بنایا بلکہ یہ فرمایا کہ ہم ہی سے درخواست کرو، ہم خود تمہاری اپوزیشن کو ٹھیک کردیں گے، ان کی ساری پوزیشن فال (Fall) کردیں گے۔ تو ایک اپوزیشن سے حفاظت کے لیے تو اعوذ باللہ سکھادی جس سے شیطان کی اپوزیشن ماری گئی اور دوسری اپوزیشن یعنی نفس لَا تَکِلْنِیْ اِلٰی نَفْسِیْ سے مارا گیا کہ اے خدا ہمیں اس نفس کے حوالہ نہ کیجیے، ہمیں اپنے اس سایۂ رحمت میں رکھیے جس کی نشان دہی آپ نے اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیْ میں فرمائی ہے کہ میری رحمت کے بغیر تم اپنے آپ کو اس نفسِ امارہ سے مستثنیٰ نہیں کرسکتے کیونکہ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیْ میرا مستثنیٰ ہے، یہ خالقِ نفسِ امارہ کا مستثنیٰ ہے۔

تو اللہ نے دونوں اپوزیشن کا ایسا علاج رکھا ہے کہ تم ربا ہی ربا کرتے رہو جیسے جو ابا ہوشیار ہوتا ہے وہ اپنے لڑکوں کو تھوڑا تھوڑا خرچہ دیتا ہے تاکہ جب ختم ہوجائے تو پھر ابا کو فون کرے کہ ابا خرچہ ختم ہوگیا، بس کا کرایہ بھی نہیں، کھانے کو بھی کچھ نہیں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ بھی تھوڑا تھوڑا رزق دیتے ہیں ورنہ قادرِ مطلق ہیں چاہتے تو سارا رزق ایک دم دے دیتے مثلاً اگر اسّی سال زندگی دینا ہے تو اسّی سال کی روزی ایک ہی دفعہ دے دیتے تو پھر کون ان کو یاد کرتا، آج کل کے ماڈرن لڑکوں کو دیکھ لو کہ اگر ابا ایک دم سارا خرچہ دے دے تو کوئی ابا کو سلام بھی نہیں کرے گا اور لندن کی ٹیڈیوں پر ریڈی رہے گا۔

تو اللہ تعالیٰ رب العالمین نے ہمیں جو دو اپوزیشن دی ہیں ان کے لیے ہمیں یہ حکم نہیں دیا کہ تم ان کے پیچھے پڑو یا ان سے لڑو بلکہ یہ فرمایا کہ ہم سے فریاد کرو، ہم تمہیں توفیق دیں گے پھر تم ان پر غالب آجاؤ گے۔

اور اس کے بعد ایک دعا اور بھی ہے وَلَا تُشْقِنِیْ بِمَعْصِیَتِکَ اے اللہ اپنی نافرمانی سے مجھ کو بدنصیب نہ کیجیے، معلوم ہوا کہ گناہ میں خاصیت ہے بدقسمت کرنے کی بشرطِ عدم توبہ، اگر توبہ کی توفیق مل گئی تو توبہ کا کیمیکل ایسا ہے کہ شر کو خیر بنادیتا ہے جیسے سرکہ شراب میں ڈال دو تو شراب سرکہ بن جاتی ہے اور سرکہ بن کر حلال ہوجاتی ہے۔ حدیث پاک میں ہے:

﴿کُلُّ بَنِیْ آدَمَ خَطَّاءٌ وَ خَیْرُ الْخَطَّائِیْنَ التَّوَّابُوْنَ﴾

(سنن ابن ماجة، کتاب الزهد، باب ذکر التوبة)

سارے بنی آدم خطا کار ہیں اور بہترین خطا کار وہ ہے جو توبہ کرلے۔

ملا علی قاری اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں کہ یہاں کُلُّ بَنِیْ آدَمَ سے اُمت مراد ہے انبیاء مراد نہیں ہیں، انبیاء مستثنیٰ ہیں کیونکہ انبیاء معصوم ہوتے ہیں، ان سے گناہوں کا صدور نہیں ہوتا۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ تم سب کے سب خطا کار ہو، مگر خَیْرُ الْخَطَّائِیْنَ یعنی بہترین خطا کار کون ہے؟ اَلتَّوَّابُوْنَ۔ جو توبہ کرلے تو جب خَطَّاءٌ ہو تو تَوَّابُوْنَ بنو، کثیر الخطا ہو تو کثیر التوبہ بنو، جیسا مرض ویسی

دوا، اگر بخار تیز ہے تو دوا بھی تیز والی دی جائے گی۔ اور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا کرم دیکھئے کہ خَطَّاءٌ کو بھی خیر فرما رہے ہیں، خَیرُ الْخَطَّائِیْنَ یعنی جب توبہ کرلی تو خیر ہوگیا اور جب خیر ہوگیا تو پھر اس کو کیوں کہتے ہو کہ تم بڑے شر ہو، اب اس کو گناہ کا طعنہ دینا جائز نہیں، ہر شخص سے یہ گمان رکھو کہ اس نے توبہ کرلی ہوگی۔

یہاں یہ اِشکال ہوتا ہے کہ جب توبہ کے کیمیکل میں یہ خاصیت ہے کہ وہ ہمارے شر کو خیر بنادے تو خَیرُ الْخَطَّائِیْنَ میں جو مضاف الیہ خَطَّائِیْنَ ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کو بھی حذف فرما دیتے تو ہم خیر ہی خیر ہو جاتے، یہ مضاف الیہ تو نشان دہی کر رہا ہے کہ یہ پہلے شر تھا اب توبہ کی برکت سے خیر ہوا ہے۔ اس کا جواب اللہ تعالیٰ نے میرے قلب میں عطا فرمایا کہ ترکیبِ اضافی میں مقصود مضاف ہوتا ہے، تو مقصود یہی ہے کہ تم خیر ہو چکے ہو مگر مضاف الیہ اس لیے قائم رکھا ہے تاکہ تم کو توبہ کی کرامت اور توبہ کا معجزہ معلوم ہو کہ توبہ میں یہ خاصیت ہے کہ اللہ تعالیٰ خَطَّاءٌ کو خیر بنا دیتا ہے۔ اگر یہ مضاف الیہ نہ ہوتا تو آپ کی خطاؤں کا پتہ ہی نہ چلتا اور توبہ کی کرامت کا ظہور نہ ہوتا کہ توبہ نے کیا کام کیا ہے۔ اب رہ گیا یہ اِشکال کہ خَطَّاءٌ کی نسبت ہمارے ساتھ کیوں لگی تو یہ نسبت گویا کہ نہیں ہے کیونکہ ترکیبِ اضافی میں مقصود مضاف ہوتا ہے جیسے جَآءَ غُلاَمُ زَیْدٍ میں غلام مقصود ہے زید یہاں مقصود نہیں تو خَطَّاءٌ مقصودِ کلام نہیں ہے بلکہ صرف توبہ کی کرامت ظاہر کرنے کے لیے ہے ورنہ مقصد یہی ہے کہ توبہ کی برکت سے تم سراپا خیر بن چکے ہو۔

بتاؤ علماء حضرات! اس وقت کا یہ مضمون اللہ کی رحمت ہے، مالک کا کرم ہے، بزرگوں کی جوتیاں اٹھانے کا یہ انعام ہوتا ہے، میرے پاس یہاں کوئی کتاب نہیں ہے، کوئی شرح نہیں دیکھی لیکن آج علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ بدرالدین عینی رحمۃ اللہ علیہ ہوتے تو اس شرح کو سن کر وجد کرتے کہ کہاں سے کہاں اقتباس کیا۔ حدیث اَللّٰھُمَّ اَلْھِمْنِیْ رُشْدِیْ کی شرح قرآن پاک کی آیت اُولٰٓئِکَ ھُمُ الرّٰشِدُوْنَ سے کی کہ یہاں رُشْدِیْ میں وہی رُشد مراد ہے جو قرآن پاک میں نازل ہے تاکہ تم راشدون ہو جاؤ یعنی ایمان کی شانِ محبوبیت کے ساتھ دل ایمان کی لذتِ مستزاد سے مزین ہو جائے اور اللہ کے نام میں اتنا مزہ آئے کہ گناہوں سے نفرت وکراہت ہو جائے۔ اَللّٰھُمَّ اَلْھِمْنِیْ رُشْدِیْ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی رُشد مانگا ہے۔

(جامع عرض کرتا ہے کہ حضرت والا نے جو شرح بیان فرمائی بالکل الہامی ہے جس کی دلیل یہ ہے کہ مستدرک حاکم کی حدیث اَللّٰھُمَّ حَبِّبْ اِلَیْنَا الْاِیْمَانَ الخ حضرت والا کی کبھی نظر سے نہیں گذری تھی لیکن حضرت والا نے آیت مبارکہ کی جو تفسیر بیان فرمائی وہ بعینہٖ حدیث پاک کے مطابق ہے۔ مستدرک حاکم کی حدیث یہاں نقل کی جاتی ہے:

﴿اَللّٰھُمَّ حَبِّبْ اِلَیْنَا الْاِیْمَانَ وَ زَیِّنْہُ فِیْ قُلُوْبِنَا وَ کَرِّہْ اِلَیْنَا الْکُفْرَ وَ الْفُسُوْقَ وَ الْعِصْیَانَ وَاجْعَلْنَا مِنَ الرَّاشِدِیْنَ﴾

(المستدرک للحاکم)

حدیثِ بالا کی مزید تشریح

﴿اَللّٰھُمَّ اَلْھِمْنِیْ رُشْدِیْ وَ اَعِذْنِیْ مِنْ شَرِّ نَفْسِیْ﴾

(سنن الترمذی، کتاب الدعوات عن رسول اللہ، باب ما جآء فی جامع الدعوات عن النبی ﷺ)

اے اللہ! میرے دل میں ہدایت کے راستوں کا الہام کردے یعنی میرے دل میں ایسی باتیں ڈال دیجیے جن پر چلنے سے آپ راضی ہوجائیں، جن پر عمل کرنے سے آپ مل جائیں، اَلْھِمْنِیْ امر ہے جو مضارع سے بنتا ہے اور مضارع میں دو زمانے ہوتے ہیں حال اور استقبال یعنی موجودہ زمانے میں بھی اچھی اچھی باتیں جن سے آپ راضی ہوں میرے دل میں ڈال دیجیے اور آئندہ بھی ڈالتے رہیے، اپنی رضا کے ارادے اِلہام فرمادیجیے یعنی سیدھے راستے کے طریقے دل میں ڈال دیجیے اور گمراہی سے بچالیجیے۔ رُشد میں دونوں باتیں ہیں کہ جن باتوں سے آپ راضی ہوتے ہوں وہ ہمارے دل میں ڈال دیجیے اور جن باتوں سے آپ ناراض ہوتے ہیں ان سے نفرت اور کراہت ہمارے دل میں ڈال دیجیے۔

رُشد کے متعلق علم عظیم

رُشد کے یہ معنیٰ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کی آیت سے میرے دل میں عطا فرمائے ہیں:

﴿حَبَّبَ اِلَیْکُمُ الْاِیْمَانَ وَ زَیَّنَہٗ فِیْ قُلُوْبِکُمْ وَ کَرَّہَ اِلَیْکُمُ الْکُفْرَ وَ الْفُسُوْقَ وَ الْعِصْیَانَ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الرّٰشِدُوْنَ﴾

(سورۃ الحجرات، آیت:۷)

اے صحابہ! ہم نے تمہارے دلوں میں ایمان کو محبوب کردیا اور اس کو مزین کردیا اور کفر وفسوق وعصیان یعنی کفر کو اور بڑے گناہوں کو اور چھوٹے گناہوں کو تمہارے دلوں میں مکروہ کردیا۔ حَبَّبَ اور کَرَّہَ کا فاعل اللہ ہے یعنی یہ بتادیا کہ ایمان جو تمہارے دلوں میں محبوب ہوگیا اور کفر وفسوق وعصیان جو تم کو مکروہ ہوگیا تو یہ اپنا کمال نہ سمجھنا، یہ ہمارا فضل ہے، ہمارا احسان ہے، حَبَّبَ کا فاعل میں ہوں، اور کَرَّہَ کا فاعل بھی میں ہوں، میں نے تمہارے دلوں میں ایمان کو محبوب کردیا ہے اور میں نے ہی کفر وعصیان کو مکروہ کردیا ہے۔ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الرّٰشِدُوْنَ اور جن کو یہ دونوں باتیں حاصل ہوگئیں وہی راشد ہیں، ہدایت یافتہ لوگ ہیں۔ علومِ نبوت علوم قرآن سے مقتبس ہوتے ہیں۔ اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا مانگی اَللّٰھُمَّ اَلْھِمْنِیْ رُشْدِیْ کہ اے اللہ! جو باتیں آپ کو محبوب ہیں، جن باتوں سے آپ راضی ہوتے ہیں وہ آپ ہمارے دل میں حالاً

بھی ڈالتے رہیے اور استقبالاً یعنی آئندہ بھی ڈالتے رہیے اور جو باتیں آپ کے نزدیک مکروہ ہیں، جن باتوں سے آپ ناراض ہوتے ہیں ان سے نفرت و کراہت ہمارے دلوں میں ڈالتے رہیے اور ہمیں ان سے بچاتے رہیے۔

آگے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سکھا رہے ہیں وَ اَعِذۡنِیۡ مِنۡ شَرِّ نَفۡسِیۡ بعض وقت ہدایت کی بات سمجھ میں آجاتی ہے کہ یہ بات بری ہے، بری بات سمجھ کر برا کام کرتا ہے، سمجھتا ہے کہ عورتوں کو تاکنا جھانکنا گناہ ہے مگر پھر بھی تاک جھانک کرتا ہے۔ اِلہامِ ہدایت تو ہوگیا لیکن اس کے باوجود نفس غالب آگیا۔ اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وَ اَعِذۡنِیۡ مِنۡ شَرِّ نَفۡسِیۡ میرے نفس کے شر سے مجھے بچا لیجیے کہ میرا نفس مجھ پر غالب نہ ہوجائے، بعض وقت ہدایت کا راستہ دل میں آجاتا ہے مگر نفس غالب ہوجاتا ہے اس لیے مجھے نفس کے شر سے بچا لیجیے کہ آپ کی ناراضگی کے راستہ پر قدم نہ رکھوں، میں آپ کی حفاظت میں اپنے نفس کو سونپتا ہوں۔ جو یہ دعا مانگتا رہے گا نفس کے شر سے محفوظ رہے گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اُدۡعُوۡنِیۡۤ اَسۡتَجِبۡ لَکُمۡ مجھ سے مانگو میں قبول کروں گا۔ اگر کوئی باپ کہے کہ بیٹا مجھ سے مانگو میں تمہیں دوں گا پھر اس میں جو شک کرے وہ بیٹا نالائق ہے۔ اسی طرح لائق بندے وہ ہیں جو اللہ کے وعدے پر یقین رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ضرور ضرور ہماری دعا قبول کرے گا۔ پس اس دعا کا معمول بنا لیجیے کہ اے اللہ! ہدایت کی باتیں میرے دل میں ڈالتے رہیے اور میرا نفس مجھ پر غالب نہ ہونے پائے تاکہ میں آپ کو راضی رکھنے والی باتوں پر عمل کرتا رہوں اور آپ کو ناراض کرنے والی باتوں سے بچتا رہوں۔ اسی لیے نہ کالی کو دیکھو نہ گوری کو دیکھو کیونکہ عورت چاہے کالی کلوٹی ہو اس کے پاس بل تو ہے، شہوت سوار ہوگئی تو کالے بل میں ہی گھس جاؤ گے۔ اس لیے ؎

نہ کالی کو دیکھو نہ گوری کو دیکھو
اُسے دیکھ جس نے انہیں رنگ بخشا

یہ میرا شعر میڈ ان ساؤتھ افریقہ ہے جو میں آپ کو دبئی میں سنا رہا ہوں۔ (پردیس میں تذکرۂ وطن، ص:۱۰)

حدیثِ بالا کی تشریح بعنوانِ دگر

گناہوں سے بچانے والی مسنون دعا

بعض لوگوں نے مجھ سے سوال کیا ہے کہ گناہوں سے بچنے کے لیے کوئی دعا بتلائیے تو ایک دعا سن لیجیے اَللّٰھُمَّ اَلۡھِمۡنِیۡ رُشۡدِیۡ وَاَعِذۡنِیۡ مِنۡ شَرِّ نَفۡسِیۡ یہ دعا بخاری شریف میں موجود ہے اس کا ترجمہ

یہ ہے کہ اے اللہ جن باتوں سے آپ خوش ہوتے ہیں وہ میرے دل میں ڈال دیجئے، ہدایت کے راستوں کو میرے دل میں ڈال دیجئے اور میرے نفس کے شر سے مجھے بچائیے۔

رُشد معنیٰ ہدایت کے ہیں اور ہدایت کے معنیٰ ہیں اللہ کی رضا کا راستہ اے اللہ جن باتوں سے آپ خوش ہوتے ہیں آپ ان باتوں کو میرے دل میں ڈال دیجئے، الہام کر دیجئے **وَاَعِذْنِیْ مِنْ شَرِّ نَفْسِیْ** لیکن نفس کے شر سے مجھے بچائیے، نفس جانتا ہے کہ عورتوں کو دیکھنا گناہ ہے، جن لڑکوں کے ڈاڑھی مونچھ نہیں آئی ان کو دیکھنا گناہ ہے، جانتا ہے کہ حرام ہے لیکن مانتا نہیں۔ یہ نفس کی شرارت ہے یا نہیں؟ لہٰذا نفس کی شرارت سے اللہ کی پناہ مانگو **وَاَعِذْنِیْ مِنْ شَرِّ نَفْسِیْ** اور مجھ کو میرے نفس کے شر سے بچائیے کیونکہ بعض دفعہ الہامِ رُشد ہو جاتا ہے، ہدایت کا علم ہو جاتا ہے لیکن نفس کے شر کی وجہ سے عمل نہیں کرتا۔ اس لیے اے اللہ جو علم آپ نے دیا اس پر عمل کی توفیق بھی عطا فرمائیے۔ ایسا نہ ہو کہ اپنے نفس کے شر کی وجہ سے علم پر عمل نہ کروں، جانتے ہوئے بھی آپ کی رضا کے راستہ پر نہ چلوں، اے اللہ اس سے پناہ چاہتا ہوں۔

(آرامِ دو جہاں کا طریقۂ حصول، ص:۳۳)

لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللہِ کی برکت

ایک تو اس دعا **اَللّٰھُمَّ اَلْھِمْنِیْ** ......الخ کا معمول بنالیں اور دوسرے ہر نماز کے بعد **لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللہِ** سات مرتبہ پڑھ لیجئے۔ حدیث میں وعدہ ہے کہ اس سے نیک کام کرنے کی اور بُرے کام سے بچنے کی توفیق کا خزانہ اللہ کی طرف سے عطا ہوتا ہے۔ لہٰذا ہر نماز کے بعد سات مرتبہ اس کو پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے دعا کر لیجئے کہ اے خدا اس کی برکت سے نیک کام کرنے کی توفیق اور بُرے کام سے بچنے کی توفیق کا خزانہ بخشش کر دیجئے۔ تو گناہ سے بچنے کے دو عمل ہو گئے۔

موت کا مراقبہ

اور تیسرا عمل ہے کہ تھوڑی دیر بیٹھ کر موت کا اس طرح مراقبہ کیجئے کہ میں مر گیا ہوں، نہلا کر کفن میں لپیٹا جا رہا ہوں اور جنازہ قبر میں اُتارا جا رہا ہے، قبر میں لٹا دیا گیا، اب تختے لگائے جا رہے ہیں اور لوگ مٹی ڈال رہے ہیں، کئی من مٹی ڈال کر چلے گئے اور اب اکیلا پڑا ہوں۔ جن آنکھوں سے نامحرم عورتوں کو دیکھتے تھے اب اُن آنکھوں کا تماشا دیکھو کہ کیا ہو رہا ہے، بہت سے کیڑے آنکھوں کو نکال کر کرکٹ کھیل رہے ہیں یعنی آنکھوں کو لے کر بھاگ رہے ہیں، قبروں میں ہماری آنکھوں کا کرکٹ میچ ہونے والا ہے۔ آنکھیں قبر میں اِدھر اُدھر جا رہی ہیں۔ ان گالوں پر کیڑوں کا حملہ ہونے والا ہے۔ اس لیے کہتا ہوں کہ جلدی ان پر سنت کا باغ لگا کر اللہ سے انعام لے لو۔ یہ گال سلامت رہنے والے نہیں ہیں۔ مُلا علی قاری

رحمۃ اللہ علیہ نے مرقاۃ شرح مشکوٰۃ شریف میں لکھا ہے کہ سردیوں میں تین دن کے بعد اور گرمیوں میں چوبیس گھنٹے کے بعد مردہ کا جسم سڑ جاتا ہے۔ قبر کھود کے دیکھ لیں تو نظر آئے گا کہ گالوں کو کیڑے لے کر بھاگ رہے ہیں، آنکھوں کی جگہ بجائے آنکھوں کے حلقوں میں کیڑے گھسے ہوئے ہیں، کوئی کیڑا آنکھ لے کر بھاگ رہا ہے، کوئی گال لے کر بھاگ رہا ہے کوئی بال لے کر بھاگ رہا ہے، کوئی ہونٹ لے کر بھاگ رہا ہے اور یہ مراقبہ کرو کہ دوزخ سامنے ہے۔ اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ اس نالائق کو دوزخ میں ڈال دو کیونکہ یہ عورتوں کو بُری نگاہ سے دیکھتا تھا، اب اس کا علاج دوزخ ہے۔ یہ مراقبہ کرلو یہ علاج ہے گناہوں سے بچنے کا۔ دو وظیفہ، تیسرا مراقبہ اور چوتھا یہ ہے کہ ہمت کرلو یعنی گناہ نہ کرنے کا ارادہ کرلو۔ اگر آپ ارادہ نہ کریں تو اس مسجد سے گھر جاسکتے ہیں؟ اگر آپ ارادہ نہیں کریں گے تو نہیں جاسکتے۔ ارادہ اور ہمت سے کام ہوتا ہے۔ لہٰذا آپ گناہ چھوڑنے کا ارادہ کریں، ہمت کریں تب گناہ چھوٹیں گے۔ یہ ملفوظات کمالاتِ اشرفیہ میں لکھا ہوا ہے۔ حضرت حکیم الامت کے الفاظ ہیں کہ گناہ چھوڑنے کی خود ہمت کرو کہ آج سے کسی نامحرم عورت کو نہیں دیکھیں گے۔ (آرامِ دو جہاں کا طریقۂ حصول، صفحہ:۳۳۔۳۵)

کفّارۂ غیبت

اور جن کے بارے میں آپ کو یقین ہے کہ میں نے فلاں فلاں کی غیبت کی ہے اور ان کو میری غیبت کرنے کی اطلاع بھی ہوگئی ہے تو اس سے معافی مانگیں۔ غیبت کی معافی جب واجب ہوتی ہے جب اس کو اطلاع بھی ہوجائے جس کی غیبت کی ہے۔ اگر اس کو خبر نہیں تو اس سے معافی مانگنا واجب نہیں، آپ اس کو ثواب بخش دیں اور جس مجلس میں غیبت کی ہے اس میں تردید کردیں کہ فلاں کی جو میں نے بُرائی کی تھی وہ میری حماقت اور نادانی تھی۔

حضرت حکیم الامت تھانوی نور اللہ مرقدہ فرماتے ہیں کہ غیبت کی معافی مانگنا تب واجب ہے جب اس کو پتہ چل جائے، جب اس کو خبر ہی نہیں پہنچی تو خواہ مخواہ کیوں اس کا دل خراب کرنے جارہے ہو کہ صاحب آپ کے پاس معافی مانگنے آیا ہوں، معاف کرنا، میں نے آپ کی غیبت کی ہے۔ اس سے اچھا بھلا دل خراب ہوجاتا ہے اور نفرت ہوجاتی ہے کہ ہم تو اس کو دوست سمجھتے تھے یہ بھی مخالف نکلا لہٰذا جس کی غیبت کی ہے جب تک اس کو اطلاع نہ ہو اس سے معافی مانگنا ضروری نہیں بلکہ نہیں مانگنا چاہیے اور جو طریقہ ابھی بتایا ہے اس طرح تلافی کریں یعنی دو رکعات صلوٰۃِ توبہ پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے معافی مانگیں اور جن لوگوں سے غیبت کی ہے ان سے تردید کریں اور اپنی غلطی کا اعتراف کریں اور کچھ ثواب بخش دیں اور کچھ خیرات کردیں مثلاً سو روپیہ یا سوڑ کا کسی غریب کو دے دے اور اللہ سے کہہ دیا کہ یا اللہ اس کا ثواب ان کو

دے دیجئے جن کو میں نے کبھی ستایا ہو یا بُرا بھلا کہہ دیا ہو۔ تو اس طرح اس کو ثواب بخش دو۔ اس کے بعد دو رکعات صلوٰۃ الحاجت پڑھ لو۔ صلوٰۃ الحاجت پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے خوب مانگو، جس وقت بندہ کا ہاتھ اُٹھتا ہے تو اس وقت ساری کائنات اس کے ہاتھوں کے نیچے ہوتی ہے۔ دعا مانگنے والے کا ہاتھ اللہ کے سامنے ہوتا ہے اور ساتوں آسمان وزمین سب نیچے ہو جاتے ہیں۔ دیکھئے جس کا ہاتھ خدا کے سامنے ہے تو ساری مخلوق اس کے سامنے ہیچ ہے، ساری کائنات سارے عالم، زمین وآسمان اس کے ہاتھوں کے نیچے ہیں۔ دعا مانگنے سے اتنا اونچا مقام ملتا ہے۔ (آرامِ دو جہاں کا طریقۂ حصول، صفحہ: ۳۹۔۴۰)

حدیث نمبر ۶۹

﴿اِبۡکُوۡا فَاِنۡ لَّمۡ تَبۡکُوۡا فَتَبَاکَوۡا﴾

(سنن ابن ماجة، کتابُ الزهد، بابُ الحزن و البکاء، ۳۰۹)

ترجمہ: رو اگر رونا نہ آئے تو رونے والوں کی شکل بنالو۔

توبہ کے آنسوؤں کی اقسام

۱۔ مصنوعی گریہ:

توبہ کے لیے سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک حکم دیا ہے جو اختیاری مضمون نہیں ہے کمپلسری (Compulsory) یعنی لازمی کر دیا کہ ابکوا روؤ تاکہ تم نے جو حرام مزہ گناہوں سے اُڑایا ہے آنکھوں کے آنسوؤں کے ذریعہ تمہاری حرام لذتوں کا مال دوبارہ اللہ کی سرکار میں جمع ہو جائے جس طرح چور چوری کا مال تھانہ میں جمع کر دے اور وعدہ کرے کہ آئندہ چوری نہیں کروں گا تو سرکار اس کو معاف کر دیتی ہے۔ اِبۡکُوۡا امر ہے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں اِبۡکُوۡا فَاِنۡ لَّمۡ تَبۡکُوۡا فَتَبَاکَوۡا روؤ لیکن اگر رونا نہ آئے، کبھی دل میں گناہوں کی وجہ سے سختی آ جاتی ہے، یہ گناہ ہمارے دل کی تراوٹ کو چوس لیتے ہیں، دل بے کیف ہو جاتا ہے تو اس وقت کیا تم مایوس ہو جاؤ گے؟ کیا تم ارحم الراحمین کے بندے نہیں ہو، رحمۃ للعلمین کے اُمتی نہیں ہو۔ ہم ایسے خشک دل والوں کو بھی جن کے آنسو نہ نکل سکیں محروم نہیں ہونے دیں گے۔ میں رحمۃ للعلمین ہوں، سید الانبیاء ہوں، پیغمبر ہوں، حق تعالیٰ کا ترجمان ہوں، سفیر ہوں ارحم الراحمین کا، ہر پیغمبر اللہ تعالیٰ کا سفیر ہوتا ہے اور سفیر کی زبان اپنے ملک کے سلطان کی ترجمان ہوتی ہے۔ لہٰذا میرے الفاظ کو، میرے ارشاد کو، میری زبان کو ترجمان سمجھو ارحم الراحمین کا۔ میں رحمۃ للعلمین ہونے کی حیثیت سے ارحم الراحمین کی سفارت کا حق ادا کر رہا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نہیں چاہتے کہ میرا کوئی بندہ محروم ہو، جس کے آنسو نہیں نکل رہے وہ بھی کیوں محروم ہو۔ لہٰذا گھبراؤ مت، میں رحمۃ للعلمین ہوں اور

ارحم الراحمین کی ترجمانی کررہاہوں کہ فَاِنْ لَّمْ تَبْکُوْا فَتَبَاکَوْا اگرتمہارے آنسونہیں نکلتے توتم رونے والوں کی شکل بنالو،شکل بنانا توتمہارے اختیار میں ہے،میں تمہارا شمار رونے والوں میں کردوں گا اور مصنوعی گریہ کاحکم دے کراس کوقبول کرنا یہ کمالِ رحمتِ حق ہےاور یہ رونے کی پہلی قسم ہے جواکثر بیان کرتاہوں۔

۲۔ موسلادھار ابر کے مانند رونے والی آنکھیں:

حضرت عبداللہ ابن عمررضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت ہے کہ حضورصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بارگاہِ حق تعالیٰ شانہٗ میں عرض کرتے ہیں:

﴿اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنِیْ عَیْنَیْنِ ھَطَّالَتَیْنِ تَشْفِیَانِ الْقَلْبَ بِذُرُوْفِ الدُّمُوْعِ مِنْ خَشْیَتِکَ قَبْلَ اَنْ تَکُوْنَ الدُّمُوْعُ دَمًا وَّ الْاَضْرَاسُ جَمْرًا﴾

(الجامع الصغیر للسیوطی، ج:۱، ص:۵۹)

(وفی روایةٍ تسقیان القلب بذروف الدمع کما فی المناجات المقبول)

اے اللہ! مجھے ایسی آنکھیں عطا فرما جوموسلادھار ابر کی مانند برسنے والی ہوں،جوخشیت کےآنسوؤں سے دل کوسیراب کردیں۔تَشْفِیَانِ الْقَلْبَ بِذُرُوْفِ الدَّمْعِ جوآنسوؤں سے دل کوشفادینے والی ہوں قَبْلَ اَنْ تَکُوْنَ الدُّمُوْعُ دَمًا قبل اس کے کہ(عذابِ دوزخ سے) آنسوخون ہوجائیں اورڈاڑھیں انگارے بن جائیں۔معلوم ہوا کہ ہرآنسودل کوسیراب نہیں کرتا صرف وہی آنسودل کوسیراب کرتے ہیں،دل کی شفا کا ذریعہ ہوتے ہیں جواللہ کی خشیت یا محبت سے نکلتے ہیں۔مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

ور نماند آب آبم دہ ز عین
ہمچو عینین نبی ھطالتین

اگرہمارے آنسوخشک ہوگئےتو آنکھوں کورونے کے لیےآنسوعطا فرمائیے کیونکہ آپ کےخوف وخشیت سے رونے والی آنکھیں مرادِنبوت ہیں،مطلوبِ نبوت ہیں اور یہ آنسواتنے قیمتی ہیں کہ سرورِعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بشارت دی ہے کہ یہ قلب کوسیراب کرنے والے ہیں۔

۳۔مکھی کے سر کے برابر آنسو کی فضیلت:

حضورصلی اللہ علیہ وسلم ارشادفرماتے ہیں:

﴿مَا مِنْ عَبْدٍ مُؤْمِنٍ یَخْرُجُ مِنْ عَیْنَیْہِ دُمُوْعٌ وَ اِنْ کَانَ مِثْلَ رَأْسِ الذُّبَابِ مِنْ خَشْیَةِ اللّٰہِ ثُمَّ یُصِیْبُ شَیْئًا مِّنْ حُرِّ وَجْھِہٖ اِلَّا حَرَّمَہُ اللّٰہُ عَلَی النَّارِ﴾

(سنن ابن ماجة،کتابُ الزھد،باب الحزن والبکاء، ص:۳۰۹)

یعنی کسی بندۂ مومن کی آنکھوں سے بوجہ خشیتِ الٰہی آنسونکل آئے خواہ وہ مکھی کے سر کے برابر ہواوراس کے

چہرہ پر تھوڑا سا بھی لگ جائے تو اللہ تعالیٰ اس کو دوزخ کی آگ پر حرام کر دیتے ہیں۔ لہٰذا اگر کبھی مکھی کے سر کے برابر بھی آنسو نکل آئے تو اس کو پورے چہرہ پر پھیلا لو۔ میں نے بارہا اپنے شیخ شاہ عبدالغنی صاحب پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا کہ ہمیشہ آنسوؤں کو ہتھیلی سے ملا اور پھر پورے چہرہ اور ڈاڑھی پر پھیر لیا اور فرمایا کہ میں نے اپنے شیخ حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو ہمیشہ ایسے ہی کرتے دیکھا کہ جب اللہ کے خوف سے یا محبت سے آنسو نکلے تو ہتھیلی سے مل کر ان کو پورے چہرے پر پھیلا لیا کیونکہ روایت میں ہے کہ اللہ کے خوف یا محبت سے نکلے ہوئے آنسو جہاں جہاں لگ جائیں گے ددزخ کی آگ وہاں حرام ہو جائے گی چاہے وہ آنسو مکھی کے سر کے برابر ہو تب بھی کام بن جائے گا، مغفرت ہو جائے گی۔ حدیث میں **دموع** کا لفظ آیا ہے جو جمع ہے **دمع** کی جس کے معنی آنسو کے ہیں اور عربی میں جمع تین سے کم کا نہیں ہوتا۔ اس لیے کم سے کم زندگی میں تین آنسو تو رو لو تا کہ اس حدیث پر عمل ہو جائے۔ ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ جو آنسو نکلیں وہ کم از کم تین ہوں اگرچہ ان کی مقدار مکھی کے سر کے برابر ہو اور فرماتے ہیں کہ دونوں آنکھوں سے رونا ضروری نہیں ہے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ کوئی آنکھ پتھر کی بنی ہو کیونکہ بعض آنکھ ضائع ہو جاتی ہے تو پتھر کی بنوا لیتے ہیں، تو پتھر کی آنکھ سے آنسو کیسے نکلے گا اس لیے فرمایا **اَوْ مِنْ اَحَدِهِمَا** دیکھو المرقاۃ شرح مشکوٰۃ یہ عبارت ملا علی قاری کی ہے، حدیث کی نہیں ہے۔ حدیث میں تو دونوں آنکھوں سے رونا ہے لیکن اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے ان محدثین کو جنہوں نے مرادِ نبوت کو سمجھا کہ اگر ایک آنکھ سے بھی رو لو تو بھی کام بن جائے گا کیونکہ دوسری آنکھ مجبور ہے ؎

ہم بتاتے کسے اپنی مجبوریاں
رہ گئے جانبِ آسماں دیکھ کر

جب مجبور ہے تو معذور ہے اور جب معذور ہے تو ماجور ہے یعنی اجر کی مستحق ہے، اس کو دونوں آنکھوں سے رونے کا اجر ملے گا۔ یہ رونے کا تیسرا طریقہ ہو گیا۔

۴۔ تنہائی میں زمین پر گرنے والے آنسو:

اب چوتھا طریقہ سن لو۔ پھر نہ کہنا ہمیں خبر نہ ہوئی۔ چوتھا طریقہ اللہ کی یاد میں رونے کا کیا ہے؟ تمہارے آنسو زمین پر گر پڑیں تا کہ یہ زمین قیامت کے دن تمہارے رونے کی گواہی دے۔ حاکم کی روایت میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے:

﴿مَنْ ذَکَرَ اللّٰہَ فَفَاضَتْ عَیْنَاہُ مِنْ خَشْیَۃِ اللّٰہِ حَتّٰی یُصِیْبَ الْاَرْضَ مِنْ دُمُوْعِہٖ لَمْ یُعَذِّبْہُ اللّٰہُ تَعَالٰی یَوْمَ الْقِیَامَۃِ﴾

(المستدرک للحاکم، کتابُ التوبۃ والانابۃ، باب من ذکر اللہ ففاضت عیناہُ)

یعنی جو اللہ تعالیٰ کو یاد کرے اور اللہ کے خوف سے اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ پڑیں یہاں تک کہ کچھ آنسو زمین پر گر جائیں تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کو عذاب نہ دیں گے۔

اب آپ کہیں گے کہ یہاں تو قالین بچھی ہوئی ہے، زمین کہاں ہے تو سنگ مرمر بھی مٹی کے حکم میں داخل ہے۔ جس چیز سے تیمّم ہوسکتا ہے وہ خالقِ ارض کے یہاں مٹی ہی کے زُمرہ میں ہے۔ لہٰذا فرش پر چلے جاؤ جہاں قالین نہیں ہے یا ہمارے ساتھ سندھ بلوچ چلو ہم آپ کو رونے کے لیے زمین ہی زمین دیں گے مگر یہ نہ سمجھ لینا کہ پلاٹ الاٹ کر دیں گے، صرف زمین دیں گے رونے کے لیے۔ آپ جس کی زمین پر دو رکعت پڑھ کے رولیں مجھے امید ہے کہ زمین کا مالک آپ کو کچھ نہیں کہے گا بلکہ دوڑ کے آئے گا اور دعا کی درخواست کرے گا کہ ہمیں بھی دعا میں یاد رکھنا مولوی صاحب! تو رونے کی یہ چار قسمیں ہوگئیں۔

۵۔ گنہگاروں کی آوازِ گریہ کی محبوبیت:

آج ایک نیا علمِ عظیم پیش کرتا ہوں جو گریہ وزاری کی پانچویں قسم ہے۔ توبہ کی تینوں قسموں سے اور رونے کی چار قسموں سے آپ اللہ تعالیٰ کے محبوب ہو جائیں گے، حبیب ہو جائیں گے مگر آج ایک علمِ عظیم اللہ نے عطا فرمایا۔ جس سے آپ صرف محبوب ہی نہیں احب ہو جائیں گے۔ ایک ہے حبیب اور ایک ہے احب یعنی سب سے زیادہ پیارا، مبالغہ کا صیغہ ہے کہ اللہ کا سب سے زیادہ پیارا مل جائے۔ تمام محبوبوں میں، اللہ کے تمام پیاروں میں سب سے بڑا پیارا بننے کا نسخہ آج اختر پیش کرے گا۔

اللہ کے پیاروں میں پیارا بننے کا نسخہ

تین طریقے توبہ کے بیان کرتا رہا ہوں اور اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ التَّوَّابِیْنَ کے ذیل میں چار طریقے رونے کے بھی بیان کیے ہیں لیکن آج اپنی پچھتر سالہ زندگی میں پہلی دفعہ میں آپ کو توّابین میں محبوبیت کے ساتھ ساتھ ایک نعمت مستزاد اور ایکسٹرا پیش کر رہا ہوں کہ آپ احب المحبوبین ہو جائیں، اللہ کے تمام محبوب بندوں میں احب ہو جائیں اور اس میں بھی ایک نہیں بے شمار ہو سکتے ہیں، سب کے سب احب ہو جائیں اتنا آسان نسخہ ہے اور اس کے بھی دو طریقہ بتاؤں گا ایک اختیاری ایک غیر اختیاری۔ وہ کیا ہے؟ حدیثِ قدسی ہے اور حدیثِ قدسی کی کیا تعریف ہے؟ ھُوَ الْکَلَامُ الَّذِیْ یُبَیِّنُہُ النَّبِیُّ بِلَفْظِہٖ وَیُنْسِبُہٗ اِلٰی رَبِّہٖ وہ کلام نبوت جس کو زبانِ نبوت ادا کرے اور نبی یہ کہہ دے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ایسی حدیثوں کو حدیثِ قدسی کہا جاتا ہے۔ تو حدیثِ قدسی میں ہے:

﴿لَاَ نِیْنُ الْمُذْنِبِیْنَ اَحَبُّ اِلَیَّ مِنْ زَجَلِ الْمُسَبِّحِیْنَ﴾

(روح المعانی فی تفسیر القراٰن العظیم والسبع المثانی، سورۃ القدر، ج:۳۰، ص:۱۹۶)

ترجمہ: گنہگار بندوں کا رونا مجھے زیادہ پسند ہے تسبیح پڑھنے والوں کی سبحان اللہ سے۔

جو گنہگار اپنی استغفار اور توبہ میں اپنے رونے کی آہ وزاری کی آوازیں شامل کر دیتے ہیں وہ اس نعمتِ متزاد کے مستحق ہیں۔ایک آدمی چپکے چپکے توبہ کر رہا ہے، چپکے چپکے استغفار کر رہا ہے وہ مستغفر بھی ہے، تائب بھی ہے مگر اَنِیْنُ الْمُذْنِبِیْنَ کا شرف اسے حاصل نہیں۔انین کے معنی آہ وزاری اور نالہ کے ہیں جس میں کچھ آواز بھی ہو یعنی تھوڑی سے بلند آواز کہ کم سے کم خود سن لے یہ انین ہے جس کا نام اردو میں سسکی ہے۔ جب تک آواز نہ نکلے عربی لغت میں وہ انین نہیں، انین میں ہلکی سی آواز ہونا ضروری ہے لیکن اتنی زور سے بھی نہ چیخے کہ سارا محلّہ گھبرا جائے اس میں اعتدال رہے۔تو رحمۃ للعالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بحیثیت ترجمانِ ارحم الراحمین کے فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں لَاَ نِیْنُ الْمُذْنِبِیْنَ اَحَبُّ اِلَیَّ مِنْ زَجَلِ الْمُسَبِّحِیْنَ کہ جو سبحان اللہ سبحان اللہ پڑھ رہے ہیں وہ سب میرے محبوب ہیں، مقبول ہیں مگر سب میں زیادہ احب وہ ہے جو گناہوں پر ندامت کے ساتھ آہ وزاری کر رہا ہو اور سسکیاں لے رہا ہو اور رونے کی ہلکی آواز بلند ہو رہی ہو۔اسی مضمون کو ایک اللہ والے شاعر نے یوں پیش کیا ہے ؎

اے جلیل اشکِ گنہگار کے اک قطرے کو
ہے فضیلت تری تسبیح کے سو دانوں پر

اللہ سننے والا ہے تو گنہگاروں کا آہ و نالہ اور اللہ سے معافی مانگتے وقت تھوڑی سی آواز نکل جانا، ہلکی سی آہ نکل جانا یہ اللہ تعالیٰ کو احب ہے تو جن کی انین احب ہے وہ احب نہ ہوں گے؟ گناہوں پر نادم ہو کر آہ کیجئے تو آپ بھی احب ہو جائیں گے۔اَنِیْنُ الْمُذْنِبِیْنَ سے مُذْنِبِیْنَ اَحَبُّ الْمَحْبُوْبِیْنَ ہو جائیں گے۔دو دوست ہیں ایک سبحان اللہ سبحان اللہ پڑھ رہا ہے اور ایک اپنے گناہوں پر ندامت کے ساتھ کچھ آہ وفغاں کر رہا ہے تو میرا ذوق یہ ہے کہ میں اسی کے پاس بیٹھوں گا جو اس وقت اللہ تعالیٰ کا احب ہے اور اس کے پاس جا کر میں بھی آہ وفغاں کروں گا، توبہ استغفار کروں گا کہ اے اللہ اس رونے والے کی برکت سے میری بھی بگڑی بنا دے کہ یہ اس وقت آپ کا احب ہو رہا ہے۔

انین غیر اختیاری اور انین اختیاری

اب دو چیزیں ہیں۔ایک اختیاری اور ایک غیر اختیاری۔انین یعنی آہ و نالہ تو غیر اختیاری ہے کہ معافی مانگتے مانگتے خود بخود رونا آجاتا ہے اور آہ و نالہ کی آواز پیدا ہو جاتی ہے جیسے ملتزم پر میں نے دیکھا ہے کہ شاید ہی کوئی معافی مانگنے والا ایسا ہو جس کی آواز خود بخود نہ نکل جاتی ہو۔اللہ کی محبت اور اللہ کی رحمت کے سہارے پر حاجی بے اختیار رونے لگتا ہے خواہ کتنا ہی سنگدل ہو وہاں آنسو نکل آتے ہیں اور سسکیوں کی کچھ آوازیں بھی آتی ہیں لیکن یہ غیر اختیاری ہے۔بعض وقت ہو سکتا ہے کہ معافی مانگتے وقت انین نہ نکلے یعنی

رونا نہ آئے اورآوازِ گریہ نہ پیدا ہوتو اس وقت کیا کرنا چاہیے؟ تو جس طرح رونا اختیاری نہیں ہے مگر رونے کی شکل بنانے سے کام چل جائے گا ایسے ہی انین یعنی رونے کی آواز نکالو، نقل کرو، نقل سے ہی کام بن جائے گا۔ دنیا میں بھی دیکھ لیجئے کہ ایک شخص کا بچہ معافی مانگتے ہوئے آہ و نالے کررہا ہے اور سسکیاں بھی بھر رہا ہے تو نفسیاتی طور پر باپ بے چین ہو جاتا ہے، جلدی سے اسے گود میں اٹھا لیتا ہے کہ کہیں سسکیاں بھرتے بھرتے میرے بچہ کے سر میں درد نہ ہو جائے، کہیں اس کو ہارٹ اٹیک نہ ہو جائے وہ اس کی پیٹھ پر تھپکیاں دیتا ہے کہ میرا بچہ جلدی سے رونا بند کردے۔ اسی طرح جو گنہگار ندامت سے گریہ وزاری کرے گا تو حق تعالیٰ کی رحمت کی تھپکیاں اس کے دل کو محسوس ہو جائیں گی ؎

اب کہیں پہنچے نہ ان کو تجھ سے غم
اے مرے اشکِ ندامت اب تو تھم

توانین کی یہ دو قسمیں پیش کردیں:

(۱) انین غیر اختیاری کہ خود بخود دل پر کیفیت طاری ہوگئی اور اللہ میاں سے معافی مانگتے مانگتے چیخ نکل گئی اور آہ و فغاں کرنے لگا اور (۲) انین اختیاری کہ بعض وقت آہ و نالہ کو دل نہیں چاہتا، آہ و نالہ کا اختیار نہیں ہوتا تو آہ و نالہ کی نقالی تو اختیار میں ہے، آہ و نالہ کی نقل کرو جس طرح اگر رونا نہ آئے تو ابنِ ماجہ شریف میں رحمۃ للعالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد منقول ہے فَاِنْ لَّمْ تَبْکُوْا فَتَبَاکَوْا اگر رونا تمہارے اختیار میں نہیں ہے تو ایک کام تمہارے اختیار میں ہے۔ وہ کیا ہے؟ رونے والوں کی شکل بنالو۔ تم کو بکاءِ غیر اختیاری سے ہم بُکاءِ اختیاری کی طرف راستہ بتارہے ہیں۔ اسی طرح اگر انین غیر اختیاری تم کو حاصل نہ ہو تو انین اختیاری حاصل کرلو یعنی آہ و نالے کی نقل ہی کرلو، اللہ کو اپنی سسکیاں سنادو۔ اللہ میاں جانتے ہیں کہ یہ اس کی اصلی سسکی نہیں ہے، یہ جو آہ و فغاں کررہا ہے اصل نہیں ہے، یہ نقل کررہا ہے مگر وہ کریم ایسا پیارا اللہ ہے کہ ہماری نقل کو بھی محرومی سے ہم آہنگ نہیں کرتا اور ہمارے اوپر فضل کردیتا ہے۔ (توبہ کے آنسو، صفحہ:۱۵۔۲۹)

حدیث نمبر ۷۰

﴿حَسْبِیَ اللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ عَلَیْہِ تَوَکَّلْتُ وَ ھُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ﴾

(تفسیر القرطبی، ج:۸، ص:۳۰۳، سنن ابی داؤد، کتابُ الادب، باب ما یقول اذا اصبح)

ترجمہ: میرے لیے اللہ تعالیٰ کافی ہے جس کے سوا کوئی معبود ہونے کے لائق نہیں، اس پر میں نے بھروسہ کرلیا، اور وہ عرش عظیم کا مالک ہے۔

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ فرمایا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

کہ جوشخص صبح وشام سات مرتبہ حَسْبِیَ اللّٰہُ لاَ اِلٰہَ اِلاَّ ھُوَ عَلَیْہِ تَوَکَّلْتُ وَ ھُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ پڑھ لےتو اللہ تعالیٰ اس کے دنیا اور آخرت کے ہر غم کے لیے کافی ہو جائیں گے۔(تفسیر روح المعانی، پ:۱۱،ص:۵۳)

علمی لطیفہ

اس چھوٹی سی آیت کے پڑھنے سے اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت کے ہموم کے لیے کیوں کافی ہو جاتے ہیں؟ فرماتے ہیں وَ ھُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ وہ رب ہے عرشِ عظیم کا اور عرشِ عظیم مرکزِ نظامِ کائنات ہے جہاں سے دونوں جہان کے فیصلے صادر ہوتے ہیں۔ پس جب بندہ نے اپنا رابطہ ربِّ عرشِ عظیم سے قائم کرلیا تو مرکزِ نظامِ کائنات کے رب کی پناہ میں آگیا۔ پھر غموم و ہموم کہاں باقی رہ سکتے ہیں۔ خواجہ صاحب کا شعر ہے ؎

جو تو میرا تو سب میرا فلک میرا زمیں میری
اگر اک تو نہیں میرا تو کوئی شے نہیں میری

اور ابن نجار نے اپنی تاریخ میں حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت نقل کی کہ جو شخص صبح کو سات مرتبہ حَسْبِیَ اللّٰہُ لاَ اِلٰہَ اِلاَّ ھُوَ آخر تک پڑھ لے گا، نہیں پہنچے گی اس کو اس دن اور اس رات میں کوئی بے چینی اور نہ کوئی مصیبت، اور نہ وہ ڈوبے گا۔ (قرآن وحدیث کے انمول خزانے)

حدیث نمبر ۱۷

﴿اَلاَ وَ اِنَّ فِی الْجَسَدِ مُضْغَۃً اِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ الْجَسَدُ کُلُّہٗ وَ اِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ کُلُّہٗ اَلاَ وَ ھِیَ الْقَلْبُ﴾

(صحیحُ البخاری، کتابُ الایمان، باب فضل من استبرأ لدینه، ج: ۱، ص: ۱۳)

ترجمہ: تحقیق جسم میں ایک گوشت کا ٹکڑا ہے جب وہ اچھا ہوتا ہے تو تمام جسم اچھا ہوتا ہے اور اگر وہ بگڑ جاتا ہے تو تمام جسم بگڑ جاتا ہے۔ اور یاد رکھو کہ وہ ٹکڑا دل ہے۔

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کنیت ابو عبداللہ ہے انصاری صحابی ہیں۔ اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مدینہ تشریف لانے کے بعد مسلمین انصار میں یہ سب سے پہلے بچے ہیں جو تولد ہوئے۔ یہ اور ان کے والد دونوں صحابی ہیں اور کوفے میں رہتے تھے۔ اور شام کے ایک شہر (جس کا نام حمص ہے) کے گورنر بنائے گئے اور جس وقت یہ آٹھ سال سات مہینہ کے تھے اس وقت حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے یہ حدیث سنی اور بالغ ہونے کے بعد منبر پر بیان کی جس کو صحابہ نے قبول کیا۔

مسئلہ: اس میں دلیل ہے کہ جب بچے میں عقل ممیّز پیدا ہو جائے تو اس وقت اس کی روایت معتبر ہے جیسا کہ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: **فِیْهِ دَلِیْلٌ عَلٰی صِحَّةِ تَحَمُّلِ الصَّبِیِّ الْمُمَیِّزِ لِاَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَاتَ وَلِلنُّعْمَانِ ثَمَانَ سِنِیْنَ۔** (فتح الباری، ج: ۱، ص: ۱۲۶)

تشریح: اَلاَ وَ اِنَّ فِی الْجَسَدِ میں جو واؤ ہے وہ جملہ مقدر پر عطف ہے جو یہ ہے وَ ھِیَ اِنَّ حَقِیْقَةَ الْاَمْرِ (مضغۃ) قلب کو مضغۃ سے اس لیے تعبیر فرمایا تاکہ معلوم ہو جائے کہ جسم کے مقابلہ میں قلب بہت چھوٹا ہے لیکن قالب کی اصلاح و فسادِ قلب کے تابع ہے۔ لِاَنَّ الْقَلْبَ سُلْطَانُ الْبَدَنِ لَمَّا صَلَحَ السُّلْطَانُ صَلَحَتِ الرَّعِیَّةُ اس لیے کہ قلب جسم کا بادشاہ ہے جب بادشاہ صحیح ہوگا تو رعیت بھی صحیح ہوگی۔ (عمدۃ القاری)

تشریح از مرقاۃ، ج:۶، ص: ۳۶: اِذَا صَلَحَتْ اَیْ تَنَوَّرَتْ بِالْاِیْمَانِ وَالْعِرْفَانِ وَالْاِیْقَانِ یعنی جب قلب منور ہو جائے نورِ ایمان، نورِ عرفان اور نورِ ایقان سے۔ صَلَحَ الْجَسَدُ اَیْ اَعْضَاءُ ہٗ کُلُّهٗ بِالْاَعْمَالِ وَ الْاَخْلَاقِ وَ الْاَحْوَالِ یعنی جسم کے اعضاء سے اعمالِ صالحہ، اخلاقِ حمیدہ اور احوالِ جمیلہ ظاہر ہوں گے۔ وَاِذَا فَسَدَتْ اَیْ اِذَا تَلَفَتْ وَاَظْلَمَتْ بِالْجُحُوْدِ وَالشَّکِّ وَ الْکُفْرَانِ یعنی جب قلب برباد ہو جائے ظلمتوں سے بسبب جحود اور شک اور کفر کے۔ فَسَدَ الْجَسَدُ کُلُّهٗ اَیْ بِالْفُجُوْرِ وَالْعِصْیَانِ فَعَلَی الْمُکَلَّفِ اَنْ یَّقْبَلَ عَلَیْهَا وَیَمْنَعُهَا عَنِ الْاِ نْهِمَاکِ فِی الشَّهَوَاتِ حَتّٰی لَا یُبَادِرُ اِلَی الشُّبْهَاتِ وَ لَا یَسْتَعْمِلُ جَوَارِحَهٗ بِاقْتِرَافِ الْمُحَرَّمَاتِ یعنی جسم فاسد ہوگا نافرمانی سے اور گناہوں سے۔ پس مکلّف پر یعنی ہر شخص پر واجب ہے کہ قلب کی نگرانی رکھے اور اس کو روک کر رکھے خواہشاتِ نفسانیہ میں منہمک ہونے سے یہاں تک کہ شبہاتِ معصیت سے بھی دور رہے اور اس کے جوارح نہ استعمال ہوں ارتکابِ محرمات میں۔ اَلاَ وَ ھِیَ اَیْ اَلْمُضْغَةُ الْمَوْصُوْفَةُ الْقَلْبُ فَهُوَ کَالْمَلِکِ وَ الْاَعْضَاءُ کَالرَّعِیَّةِ اس لیے کہ قلب مثل بادشاہ کے ہے اور اعضا اس کی رعایا ہیں۔ فَاَهَمُّ الْاُمُوْرِ مَرَاعَاتُهٗ پس نہایت اہم اُمور میں سے ہے قلب کی اصلاح اور نگرانی۔

قلب کا مفہوم

قَدْ سُمِّیَ الْقَلْبُ قَلْباً مِنْ تَقَلُّبِهٖ
فَاحْذَرْ عَلَی الْقَلْبِ مِنْ قَلْبٍ وَ تَحْوِیْلِ

جیسا کہ ایک شاعر کہتا ہے۔ قلب کا نام قلب اس لیے ہے کہ وہ ہر وقت بدلتا رہتا ہے۔ پس سخت اہتمام رکھو کہ قلب حق سے باطل کی طرف نہ پھر جائے۔

کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ یُکْثِرُ اَنْ یَّقُوْلَ یَا مُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ ثَبِّتْ قَلْبِیْ عَلٰی دِیْنِکَ حضورِ اکرم

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس دعا کو کثرت سے پڑھتے تھے۔ اے دلوں کے بدلنے والے، میرے دل کو دین پر قائم رکھیے۔ علامہ قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ نے قلب کو امیر البدن اور قالب کو اس کی رعیت فرمایا اور رعیت کی صلاح وفساد موقوف ہے امیر کی صلاح وفساد پر۔ فرماتے ہیں:

﴿لِاَنَّہٗ اَمِیْرُ الْبَدَنِ وَبِصَلَاحِ الْاَمِیْرِ تَصْلُحُ الرَّعِیَّۃُ وَبِفَسَادِہٖ تَفْسُدُ وَاَشْرَفُ مَا فِی الْاِنْسَانِ قَلْبُہٗ فَاِنَّہٗ الْعَالِمُ بِاللہِ تَعَالٰی وَالْجَوَارِحُ خَدِمٌ لَہٗ﴾

(ارشادُ السَّاری لشرح البخاری، کتابُ الایمان، باب فضل من استبرأ لدینه، ج: ۱، ص: ۱۴۴)

اس حدیث سے اصلاحِ قلب پر استدلال

﴿سُمِّیَ الْقَلْبُ قَلْباً لِتَقَلُّبِہٖ فِی الْاُمُوْرِ...... وَخَصَّ الْقَلْبَ بِذَالِکَ لِاَنَّہٗ اَمِیْرُ الْبَدَنِ وَ بِصَلَاحِ الْاَمِیْرِ تَصْلُحُ الرَّعِیَّۃُ وَ بِفَسَادِہٖ تَفْسُدُ وَ فِیْہِ تَنْبِیْہٌ عَلٰی تَعْظِیْمِ قَدْرِ الْقَلْبِ وَالْحَثِّ عَلٰی صَلَاحِہٖ﴾

(فتحُ الباری، کتابُ الایمان، باب فضل من استبرأ لدینه، ج: ۱، ص: ۱۲۸)

قلب کا نام قلب اس لیے رکھا گیا کہ وہ متقلب فی الامور ہوتا ہے اور اس نام کے ساتھ قلب کو خاص کیا گیا۔ کیونکہ قلب امیر البدن ہے امیر کی اصلاح سے رعایا کی اصلاح ہوتی ہے اور اس کے فساد سے رعایا کا فساد ہوتا ہے۔

اور ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں اصلاحِ قلب کا عظیم الشان ثبوت ہے جیسا کہ صوفیائے کرام کا معمول ہے۔ اگر قالب سے گناہ سرزد ہوتے ہیں (مثلاً ڈاڑھی منڈانا، ٹخنے سے نیچے پاجامہ لٹکانا، بدنگاہی کرنا وغیرہ) تو یہ سب قلب کے فساد کی علامت ہے۔ صلاحِ قالب کے لیے صلاحِ قلب لازمی ہے اور فسادِ قالب کے لیے فسادِ قلب لازمی ہے۔ خواجہ عزیز الحسن مجذوب رحمۃ اللہ علیہ کا شعر ہے ؎

دل میں اگر حضور ہو سر تیرا خم ضرور ہو
جس کا نہ کچھ ظہور ہو عشق وہ عشق ہی نہیں

قلبِ سلیم کی تفسیر

جب قلب صالح ہوجاتا ہے اس کو قلبِ سلیم کہتے ہیں۔ قلبِ سلیم کی پانچ تفسیریں علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے کی ہیں اس آیت کے ذیل میں:

﴿یَوْمَ لَا یَنْفَعُ مَالٌ وَّ لَا بَنُوْنَ اِلَّا مَنْ اَتَی اللہَ بِقَلْبٍ سَلِیْمٍ﴾

(سورۃ الشعرآء، اٰیۃ: ۸۹)

ترجمہ: اس دن میں کہ نجات کے لیے نہ مال کام آوے نہ اولاد۔ مگر ہاں اس کی نجات ہوگی جو اللہ کے پاس کفر وشرک سے پاک دل لے کر آئے گا۔

۱۔اَلَّذِیْ یُنْفِقُ مَا لَهٗ فِیْ سَبِیْلِ الْبِرِّ
قلبِ سلیم وہ ہے کہ جو مال خرچ کرے نیک راستہ میں۔
۲۔اَلَّذِیْ یُرْشِدُ بَنِیْهِ اِلَی الْحَقِّ
قلبِ سلیم وہ ہے جو اپنی اولاد کو نیک راستے پر لانے کی کوشش کرے۔
یہ دو تفسیر یَوْمَ لَا یَنْفَعُ مَالٌ وَّ لَا بَنُوْنٌ کے پیشِ نظر اس کے ربط کو ملحوظ رکھتے ہوئے کی گئیں۔
۳۔اَلَّذِیْ یَکُوْنُ قَلْبُهٗ خَالِیاً مِّنَ الْعَقَائِدِ الْبَاطِلَةِ اَیْ مِنَ الْکُفْرِ وَالشِّرْکِ وَالْبِدْعَةِ.
قلبِ سلیم وہ ہے جو عقائدِ باطلہ یعنی کفر و شرک اور بدعت سے خالی ہو۔
۴۔اَلَّذِیْ یَکُوْنُ قَلْبُهٗ خَالِیاً مِّنَ الشَّهَوَاتِ الَّتِیْ تُؤَدِّیْ اِلَی النَّارِ
قلبِ سلیم وہ ہے جو اُن تقاضائے شہوانیہ کے غلبہ سے نجات پا جائے جو جہنم کی طرف لے جانے والے ہیں۔
۵۔ قَالَ سُفْیَانُ ثَوْرِی اَلَّذِیْ یَکُوْنُ قَلْبُهٗ خَالِیاً عَمَّا سِوَی اللهِ
حضرت سفیان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں قلبِ سلیم وہ ہے جس میں اللہ کے سوا کوئی اور نہ ہو۔
(تفسیر روح المعانی، ج:۱۹،ص:۱۰۱)

جیسا کہ خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ؎

دل میرا ہو جائے اک میدانِ ہو
تو ہی تو ہو تو ہی تو ہو تو ہی تو
اور میرے تن میں بجائے آب و گِل
دردِ دل ہو دردِ دل ہو دردِ دل
غیر سے بالکل ہی اُٹھ جائے نظر
تو ہی تو آئے نظر دیکھوں جدھر

اور ؎

ہر تمنا دل سے رخصت ہوگئی
اب تو آ جا اب تو خلوت ہوگئی

﴿اَلْاِسْمُ الْاَعْظَمُ هُوَ اللهُ بِشَرْطِ اَنْ تَقُوْلَ اللهَ وَ لَیْسَ فِیْ قَلْبِکَ سِوَی اللهِ﴾
ترجمہ: امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اسمِ اعظم لفظ اللہ ہے بشرطیکہ اللہ زبان سے نکلے تو قلب غیر اللہ سے خالی ہو۔

گذرتا ہے کبھی دل پر وہ غم جس کی کرامت سے
مجھے تو یہ جہاں بے آسماں معلوم ہوتا ہے

علامہ محی الدین ابوزکریا نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث دلیل ہے اصلاحِ باطن پر جس کا صوفیاء اہتمام کرتے ہیں۔ هٰذَا الْحَدِيْثُ التَّاكِيْدُ عَلَى السَّعْيِ فِيْ اِصْلاَحِ الْقَلْبِ یہ حدیث دلالت کرتی ہے اصلاحِ قلب کے حاصل کرنے پر۔ (شرح مسلم شریف، ج:۲،ص:۲۸،مطبوعہ دہلی)

علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اعمال کی صحت وفساد کا مدار قلب کے صلاح وفساد پر ہے۔

دینِ اسلام میں اس حدیث کی حیثیت

حدیث اَلاَ وَاِنَّ فِی الْجَسَدِ مُضْغَةً الخ کو محدثین نے عماد الدین فرمایا ہے۔ چنانچہ حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ ارقام فرماتے ہیں قَالَ النَّوْوِی رَحِمَهُ اللّٰهُ اِتَّفَقَ الْعُلَمَآءُ عَلٰى عِظَمِ مَوْقَعِ هٰذَا الْحَدِيْثِ وَكَثْرَةِ فَوَائِدِهٖ فَاِنَّهٗ اَحَدُ الْاَحَادِيْثِ الَّتِیْ عَلَيْهَا مَدَارُ الْاِسْلاَمِ قِيْلَ هِیَ ثَلاَثٌ حَدِيْثُ الْاَعْمَالُ بِالنِّيَاتِ وَ حَدِيْثُ مِنْ حُسْنِ اِسْلاَمِ الْمَرْءِ تَرْكُهٗ مَا لاَ يَعْنِيْهِ وَ هٰذَا الْحَدِيْثُ۔ (مرقاۃ، ج:۱، ص:۳۵)

عبارت شرح مسلم للنووی، ج:۲، ص:۲۸ مطبوعہ دھلی:

اَجْمَعَ الْعُلَمَآءُ عَلٰى عِظَمِ وَقْعِ هٰذَا الْحَدِيْثِ وَ كَثْرَةِ فَوَائِدِهٖ وَاَنَّهٗ اَحَدُ الْاَحَادِيْثِ الَّتِیْ عَلَيْهَا مَدَارُ الْاِسْلاَمِ قَالَ جَمَاعَةٌ هُوَ ثُلُثُ الْاِسْلاَمِ وَاَنَّ الْاِسْلاَمَ يَدُوْرُ عَلَيْهِ وَ عَلٰى حَدِيْثِ، اَلْاَعْمَالُ بِالنِّيَاتِ وَ حَدِيْثِ مِنْ حُسْنِ اِسْلاَمِ الْمَرْءِ تَرْكُهٗ مَا لاَ يَعْنِيْهِ.

ترجمہ: علماء کا اجماع ہے کہ یہ حدیث عظیم الشان ہے اور کثیر الفوائد ہے اور یہ حدیث ان تین احادیث میں سے ایک ہے جن پر اسلام کا دارو مدار ہے۔ ایک جماعت نے کہا کہ یہ حدیث ثلث اسلام ہے (یعنی اس میں تہائی اسلام ہے) وہ تین احادیث جن پر مدارِ اسلام ہے یہ ہیں:

۱۔اَلاَ وَاِنَّ فِی الْجَسَدِ مُضْغَةً ......الخ

۲۔اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَاتِ......الخ

۳۔مِنْ حُسْنِ اِسْلاَمِ الْمَرْءِ تَرْكُهٗ مَا لاَ يَعْنِيْهِ

۱۔ ترجمہ ہو چکا۔

۲۔ اعمال کی قبولیت کا مدار اخلاصِ نیت پر ہے۔

۳۔ آدمی کا حسنِ اسلام لایعنی اور فضول باتوں کے ترک کردینے سے ہے۔ (کشکولِ معرفت، صفحہ:۱۳۶۔۱۴۲)

حدیث نمبر۲۷

﴿مَا مِنْ مُّسْلِمٍ يَّدْعُوْ بِدَعْوَةٍ لَيْسَ فِيْهَا اِثْمٌ وَّلاَ قَطِيْعَةُ رَحِمٍ اِلَّا اَعْطَاهُ اللّٰهُ بِهَا اِحْدٰى ثَلٰثٍ اِمَّا اَنْ يُّعَجِّلَ لَهٗ دَعْوَتَهٗ وَ اِمَّا اَنْ يَّدَّخِرَهَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ وَاِمَّا اَنْ يَّصْرِفَ عَنْهُ مِنَ السُّوْءِ مِثْلَهَا قَالُوْا: اِذًا نُكْثِرُ قَالَ: اَللّٰهُ اَكْثَرُ﴾

(مشکوٰۃ المصابیح، کتابُ الدعوات، ص:۱۹۶)

قبولیتِ دعا کی صورتیں

بعض لوگ شروع میں تو خوب خشوع وخضوع سے دعا کرتے ہیں لیکن کچھ دن کے بعد ان کے دل میں دعا کی قبولیت کے سلسلہ میں وسوسے آنے لگتے ہیں کہ معلوم نہیں ہماری دعا قبول ہوئی یا نہیں، اس لیے یہ بات سمجھ لینی چاہیے کہ دعا کی قبولیت کی بہت سی صورتیں ہیں، اگر ان کا علم نہیں ہوگا تو شیطان کے داؤ پیچ تم پر کارگر ہو جائیں گے اور شیطان تمہیں مایوس کردے گا، پہلی صورت تو یہ ہے کہ بندہ جو دعا مانگے اللہ تعالیٰ اس کو وہی دے دیں یعنی جو چیز اس نے مانگی وہی چیز اللہ تعالیٰ نے اس کو دے دی، ایک صورت تو یہ ہے لیکن کبھی ایسا ہوتا ہے کہ جو چیز ہم مانگتے ہیں وہ ہمارے لیے مفید نہیں ہوتی تو اللہ تعالیٰ اس کو ہمارے لیے آخرت میں ذخیرہ بنادیتے ہیں۔ حدیث میں آتا ہے کہ ہماری جو دعائیں دنیا میں قبول نہیں ہوئیں قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان پر اتنا زیادہ اجر عطا کریں گے، ان کا اتنا زیادہ بدلہ دیں گے کہ مومن یہ کہے گا کہ کاش دنیا میں میری کوئی دعا قبول ہی نہ ہوتی، لہٰذا دوسری صورت دعا کی قبولیت کی یہ ہے کہ اس کا اجر آخرت میں ملے گا۔

تیسری صورت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے بدلہ میں کوئی بلا ٹال دیتے ہیں، اس کے علاوہ دوسری روایات میں اور بھی صورتیں ہیں مثلاً بعض بندوں کے لیے اللہ تعالیٰ نے بہت اونچا درجہ لکھا ہوا ہے لیکن وہ اپنے عمل میں کمی کی وجہ سے اس درجہ کو حاصل نہیں کرسکتے تو اللہ تعالیٰ ان کی جان میں، مال میں یا اولاد میں کوئی آزمائش دیتے ہیں اور پھر اس پر صبر کی طاقت بھی دے دیتے ہیں یہاں تک کہ اس بلا اور مصیبت کی وجہ سے وہ بندہ اس بڑے درجہ کو پالیتا ہے، لہٰذا مومن کو چاہیے کہ کسی صورت میں مصیبت سے نہ گھبرائے، اللہ تعالیٰ سے عافیت مانگے، مصیبت سے نجات تو مانگے لیکن اس کو اپنے لیے مفید سمجھے، اگر دعا بظاہر قبول نہ ہو تو بھی اللہ سے مانگتا رہے، دعا مانگنا خود بہت بڑا انعام ہے، اگر کسی کو مصیبت میں خدا سے تعلق زیادہ بڑھ جائے اور اللہ والوں کے پاس جانے کی توفیق ہو جائے، ان سے دعا کرا رہا ہو، اللہ سے دو رکعات صلوٰۃ الحاجت پڑھ کر مانگ رہا ہو اور اُس مصیبت کی وجہ سے بہت سے گناہ چھوٹ گئے ہوں تو جو مصیبت

اللہ تعالیٰ سے رشتہ جوڑ دے، جو مصیبت غفلت کے پردوں کو چاک کردے وہ مصیبت نہیں نعمت ہے۔

دعا کسی صورت میں رَد نہیں ہوتی

لیکن قبولیتِ دعا کی صورتیں نہ جاننے سے بعض اوقات بڑا دھوکا ہوجاتا ہے، آدمی کو شکایت ہوجاتی ہے کہ ہماری دعا اتنے دن سے قبول نہیں ہوئی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ کبھی تو وہی چیز مل جاتی ہے جو تم مانگتے ہو اور کبھی وہ تو نہیں ملتی لیکن آخرت میں تمہیں اس کا بدلہ دیا جائے گا کیونکہ ہوسکتا ہے کہ دنیا میں اس چیز کا ملنا اللہ کے نزدیک تمہارے لیے نقصان دہ ہو اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ دعا کی برکت سے کوئی بڑی مصیبت یا بلا ٹال دی جاتی ہے۔ جب صحابہ نے یہ بات سنی کہ دعاؤں کے قبول ہونے کی اتنی قسمیں ہیں اور کسی صورت میں دعا رد نہیں ہوتی، یا تو دنیا میں مل جائے گی یا آخرت میں اس کا بدلہ مل جائے گا یا کوئی بلا دور ہوجائے گی یعنی دعا ہر صورت میں قبول ہوگی تو صحابہ نے کہا اِذًا نُکْثِرُ، اَکْثَرَ یُکْثِرُ کا جمع متکلم نُکْثِرُ ہے یعنی یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اب تو ہم خوب دعا مانگیں گے، دعا میں خوب کثرت کریں گے، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اَللّٰہُ اَکْثَرُ اللہ سے تم جتنا زیادہ مانگو گے اللہ تعالیٰ اس سے بھی زیادہ دینے والا ہے، تمہارے مانگنے کی تعداد سے خدا کے دینے کی تعداد زیادہ ہے، جیسے کوئی دنیا کے کریم شخص سے ایک بوتل شہد مانگنے گیا اس نے دو من کی مشک دے دی، اس شخص نے کہا کہ حضور میں نے تو ایک ہی ایک بوتل مانگی تھی، آپ نے مشک بھر کر دے دی، اس کریم نے کہا کہ تم نے اپنے ظرف کے مطابق مانگا تھا، میں نے اپنے ظرف کے مطابق دیا، میری سخاوت کا تقاضہ یہ تھا کہ میں پوری مشک دے دوں۔ معلوم ہوا کہ بندے اپنی حیثیت کے مطابق مانگتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اپنی شانِ کرم کے مطابق دیتے ہیں ؎

میرے کریم سے گر قطرہ کسی نے مانگا

دریا بہا دیے ہیں دُر بے بہا دیے ہیں

پانچ قسم کی دعائیں رد نہیں ہوتیں

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ پانچ قسم کی دعائیں رد نہیں فرماتے

نمبر (۱) مظلوم کی دعا، مظلوم کی دعا اللہ فوراً قبول کرلیتا ہے۔

ظلم کرنے سے بچنا فرض ہے

اب مظلوم کون ہے؟ اس کو بھی سمجھ لو، کبھی انسان ماں باپ سے لڑ جاتا ہے تو ماں باپ مظلوم ہوگئے، ماں باپ سے بدتمیزی سے بات کرلی، ماں باپ کا دل دُکھ گیا، بس ظلم ہوگیا، دل کا دُکھانا، دل کو ستانا

اسی کا نام ظلم ہے، اس سے ساری عبادت ناس ہو جاتی ہے۔ ایک بڑھیا رات بھر عبادت کرتی تھی اور دن بھر روزہ رکھتی تھی مگر زبان کی نہایت خراب تھی، سارا محلّہ اس سے تنگ تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ھِیَ فِی النَّارِ یہ عورت جہنم میں جائے گی، اب وہ عورتیں بھی اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھیں جو اپنے شوہروں کو ستاتی ہیں اور وہ مرد بھی اپنے گریبان میں منہ ڈالیں جو ذرا ذرا سی بات پر بیویوں کو ستاتے ہیں اور اس کی آہ لیتے ہیں حالانکہ وہ بیچاری نمازی بھی ہے، تلاوت بھی کرتی ہے مگر پھر بھی ستائے جارہے ہیں، اب اگر اس کے آنسو نکل آئے تو جس قدر باپ اپنی بیٹی کی مظلومیت سے غمگین ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کو اس سے زیادہ ناراضگی ہوتی ہے ان لوگوں سے جو اپنی بیویوں کو ستاتے ہیں۔ اسی طرح بیوی بھی شوہر کو نہ ستائے۔

بخاری شریف کی حدیث ہے کہ ایک بدکار عورت نے دیکھا کہ ایک کتا پیاس سے مر رہا تھا، قریب ہی ایک کنواں تھا مگر اس میں رسی یا ڈول نہیں تھا:

﴿فَنَزَعَتْ خُفَّهَا فَاَوْثَقَتْهُ بِخِمَارِهَا فَنَزَعَتْ لَهٗ مِنَ الْمَاءِ فَغُفِرَلَهَا بِذٰلِکَ﴾

(صحیحُ البخاری، کتابُ بدء الخلق، باب اذا وقع الذباب فی شراب)

اس عورت نے اپنا موزہ نکالا پھر اسے اپنے دوپٹے سے باندھ کر کنویں میں ڈالا اور اس میں پانی بھر کر کتے کو پلایا جس سے وہ زندہ ہوگیا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں اِس عمل سے اُس بدکار عورت کی مغفرت ہوگئی، دیکھو! ایک کتے کو خوش کرنے پر، اللہ کی مخلوق کے ساتھ اچھے اخلاق پر اس کی مغفرت ہوگئی، آج ہمارا اپنے مسلمان بھائیوں سے کیا معاملہ ہے؟ کتے کو پانی پلانے سے تو وہ بدکار عورت جنتی ہوگئی اور ہم اپنی بیویوں کو ستا رہے ہیں، بیویاں شوہروں کو ستا رہی ہیں، مسلمان بھائی دوسرے بھائی سے لڑ رہا ہے، کیا حال ہے ہمارا؟ اس کا خاص خیال رکھو کہ کسی پر بھی ظلم نہ کرو، میں اپنے دوستوں سے بار بار کہتا ہوں کہ نہ شوہر عورت پر ظلم کرے، نہ عورت اپنے شوہر پر ظلم کرے حتیٰ کہ چیونٹیوں پر بھی ظلم نہ کرو، دیکھ کر چلو کہ کوئی چیونٹی میرے پیر کے نیچے تو نہیں آرہی ہے، جان بوجھ کر کسی چیونٹی پر پاؤں نہ رکھو۔ شیخ سعدی شیرازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب انسان کسی چیونٹی پر پیر رکھتا ہے تو اس کا وہی حال ہوتا ہے جو ہاتھی کے پیر رکھنے سے انسان کا ہوتا ہے۔ تو میں عرض کر رہا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ پانچ قسم کی دعائیں رد نہیں فرماتے، ایک مظلوم کی دعا رد نہیں فرماتے، دوسرے حاجی کی دعا رد نہیں ہوتی جب تک کہ وہ گھر واپس نہیں آجاتا۔

فرض حج نہ کرنے پر وعید

یہاں یہ بات بتانا ضروری ہے کہ بعض لوگوں پر حج فرض ہوتا ہے لیکن وہ اسے ادا کرنے میں

لاپرواہی کرتے ہیں بعض مال کی محبت سے اور بعض دوسری وجوہ سے۔ تو خوب سمجھ لیجیے کہ جس پر حج فرض ہے اور وہ بغیر کسی عذر اور مجبوری کے حج میں تاخیر کرتا ہے تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بددعا فرماتے ہیں کہ یہ چاہے یہودی ہو کر مرے یا نصرانی ہو کر مرے۔ کتنی سخت وعید ہے لہٰذا جس پر حج فرض ہو چکا ہے اسے جلدی کرنی چاہیے۔

تیسرے نمبر پر مجاہد کی دعا رد نہیں ہوتی، جب تک وہ جہاد سے واپس نہیں آجاتا اس کی دعا قبول ہوتی ہے، نمبر۴۔ مریض کی دعا رد نہیں ہوتی، ڈاکٹروں کو مریضوں کی دعا لینے کا زیادہ موقع ملتا ہے لہٰذا جب وہ مریض دیکھنے جائیں تو مریض سے اپنے لیے دعا کرائیں اور اس سے کہیں کہ اللہ تعالیٰ تم کو شفا دے اور سات مرتبہ یہ دعا پڑھیں:

﴿اَسْأَلُ اللّٰہَ الْعَظِیْمَ رَبَّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ اَنْ یَّشْفِیَکَ﴾

(سنن ابی داؤد، باب الدعاء للمریض عند العیادۃ، ج: ۲، ص: ۸۶)

اس کا مطلب ہے کہ میں سوال کرتا ہوں اللہ عظیم سے، عرشِ عظیم کے رب سے کہ وہ تم کو شفا دے، حدیث میں آتا ہے کہ مریض کے پاس اس کو پڑھ لیا جائے تو اگر اس کی زندگی مقدر ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو بہت جلد شفا دے دیتے ہیں۔

میرے بیٹے مولانا مظہر میاں کو بخار تھا، مولانا ابرار الحق صاحب ڈھاکہ میں تھے اور اختر بھی وہیں تھا، حضرت سے میں نے عرض کیا کہ حضرت میرے بیٹے کو بخار ہورہا ہے، حضرت نے فرمایا کہ ٹیلی فون ملاؤ، ڈھاکہ سے کراچی ٹیلی فون ملایا گیا اور حضرت نے ٹیلی فون پر یہ دعا سات مرتبہ پڑھی، جب میں واپس کراچی آیا تو مظہر میاں نے کہا کہ دعا پڑھتے ہی بخار بھاگنے لگا، ڈاکٹروں کو خاص طور سے یہ دعا نوٹ کرلینی چاہیے اور مریض سے کہنا چاہیے کہ تم بھی ہمارے لیے دعا کرو کیونکہ مریض کی دعا قبول ہوتی ہے جب تک کہ وہ شفا نہ پائے، مریض کی دعا پر فرشتے آمین کہتے ہیں لہٰذا مریض سے دعا کی درخواست کرنی چاہیے، اور نمبر پانچ یہ کہ اللہ تعالیٰ بھائی کی دعا بھائی کے لیے رد نہیں فرماتے جبکہ وہ اس کے لیے غائبانہ دعا کرے، اس لیے ہمارے بزرگوں کا دستور ہے کہ سب سے کہتے ہیں کہ بھائی ہمارے لیے دعا کرنا کیونکہ غائبانہ دعا جلد قبول ہوتی ہے۔

کون سی دعا جلد قبول ہوتی ہے؟

اب دعا کی ان پانچوں قسموں میں کس دعا کی رفتار زیادہ تیز ہے، دعا کی پانچ ٹرینوں کا جو تذکرہ ہوا، ان میں کون سی ٹرین منزل پر جلد پہنچتی ہے؟ اس کا فیصلہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرما رہے ہیں:

﴿اِنَّ اَسْرَعَ الدُّعَاءِ اِجَابَةً دَعْوَةُ غَائِبٍ لِغَائِبٍ﴾

(سنن ابی داؤد، کتابُ الصلوٰۃ)

بھائی کی دعا جو بھائی کے لیے غائبانہ کی جائے وہ سب سے زیادہ جلد قبول ہوتی ہے یعنی اس کا مسلمان بھائی اس کے پاس موجود نہیں ہے پھر بھی اس کے لیے دعا کر رہا ہے تو ایسی دعا فوراً قبول ہوتی ہے، یہی وجہ ہے کہ جب کوئی اللہ والوں کے پاس کثرت سے آنا جانا رکھتا ہے تو اللہ والے اس کے لیے اپنی دعا کی رفتار اور زیادہ تیز کر دیتے ہیں کیونکہ اسے بار بار دیکھنے سے اس کی یاد اور زیادہ آتی ہے، لہٰذا اللہ والوں سے بھی دعا کے لیے کہتا رہے اور دوسرے لوگوں سے بھی دعا کراتا رہے، بڑے بھی اپنے چھوٹوں سے دعا کے لیے کہتے ہوئے نہ شرمائیں، اُستاد شاگرد سے، شیخ مرید سے اور باپ بیٹے سے دعا کرائے، اپنے چھوٹوں سے دعا کرانا بھی سنت ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ عمرہ کرنے جا رہے تھے، انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ مجھے اجازت دیجیے کہ میں عمرہ کر آؤں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

﴿اَیْ اُخَیَّ اَشْرِکْنَا فِیْ دُعَائِکَ وَ لَا تَنْسَنَا﴾

(سننُ الترمذی، ابوابُ الدعوات)

اے میرے بھائی! مجھے اپنی دعاؤں میں شریک رکھنا، بھولنا نہیں، تو بتاؤ سید الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دعا کے لیے فرما رہے ہیں لہٰذا اپنے چھوٹوں سے بھی دعا کراؤ، سب سے جلد دعا اس کی قبول ہوتی ہے جو اپنے مسلمان بھائی کے لیے غائبانہ کرے۔ (دستکِ آہ وفغاں)

حدیث نمبر ۳۷

﴿اَللّٰھُمَّ بَارِکْ لَنَا فِیْھَا وَارْزُقْنَا جَنَاھَا وَحَبِّبْنَا اِلٰی اَھْلِھَا وَحَبِّبْ صَالِحِیْ اَھْلِھَا اِلَیْنَا﴾

(حصن حصین)

دعائے سفر کی عجیب وغریب تشریح

سفر کی جو دعا سکھائی گئی اس میں صالحین کی صحبت مانگی گئی ہے اَللّٰھُمَّ بَارِکْ لَنَا فِیْھَا وَارْزُقْنَا جَنَاھَا وَ حَبِّبْنَا اِلٰی اَھْلِھَا وَ حَبِّبْ صَالِحِیْ اَھْلِھَا اِلَیْنَا اے اللہ! اس بستی میں برکت عطا فرما اور یہاں کے پھل فروٹ اور نعمتیں بھی ہم کو نصیب فرما اور اس بستی والوں کے دلوں میں ہماری محبت ڈال دے مگر ہمارے دِل میں محبت صرف صالحین کی آئے، ایسا نہ ہو کہ یہودی اور عیسائیوں کی محبت آجائے، وَ حَبِّبْ صَالِحِیْ اَھْلِھَا اِلَیْنَا اس بستی کے جو صالحین ہیں ان کی ہمیں محبت نصیب فرما۔ یہ مضمون دلالت کرتا ہے کہ یہ نبی کا مضمون ہے، غیر نبی ایسی دعا مانگ سکتا ہے؟ وہ تو کہے گا کہ سب کے دل میں میری محبت

اور میرے دل میں سب کی محبت ہو۔لیکن اللہ کے نبی نے یہ دعا مانگی کہ اس بستی والے صالح ہوں یا غیر صالح سب کے دل میں ہماری محبت ڈال دے تاکہ وہ ہم سے قریب ہوجائیں اور وہ ہم سے دین سیکھیں اور غیروں کے دل میں بھی جب ہماری محبت ہوگی تو ان کے شر سے محفوظ رہیں گے لیکن ہمارے دل میں صرف صالحین کی محبت ہو کیونکہ غیروں کی محبت اللہ سے دور کرتی ہے۔اور اہل اللہ کی محبت سے اہل اللہ کے قلب کا ایمان و یقین ان کے پاس بیٹھنے والوں کو آہستہ آہستہ مل جاتا ہے۔ مجھے اپنا ایک بہت پرانا شعر یاد آیا۔

وہ دل جو تیری خاطر فریاد کررہا ہے

اُجڑے ہوئے دلوں کو آباد کررہا ہے

(نگاہِ نبوت میں محبت کا مقام)

حدیث نمبر ۴۷

﴿اِنَّ الْغِنَآءَ رُقْيَةُ الزِّنَا﴾

گانے بجانے کی حرمت

اُس پیارے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے گانے بجانے کو بھی منع فرمایا ہے۔حدیثِ پاک میں ہے کہ سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف لے جارہے تھے کہیں سے گانے بجانے کی آواز آرہی تھی، آپ نے اپنی انگلیاں کانوں میں رکھ لیں اور صحابہ سے پوچھتے رہے کہ اب بھی آواز آرہی ہے یا نہیں؟ جب صحابہ نے اطلاع دی کہ اب آواز نہیں آرہی ہے تب آپ نے انگلی مبارک کو کان سے نکالا۔آہ! جس چیز کو سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں گانا بجانا مٹانے کے لیے پیدا کیا گیا ہوں آج اُمت رات دن اسی گانے بجانے میں غرق ہے۔

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے صحابی فرماتے ہیں اِنَّ الْغِنَآءَ رُقْيَةُ الزِّنَا گانا سننے سے زنا کا مادہ پیدا ہوتا ہے اور آپ کا قول علامہ آلوسی نے تفسیر روح المعانی میں نقل فرمایا ہے کہ خدا کی قسم یہ آیت وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِى لَهْوَ الْحَدِيْثِ الخ گانے کے حرام ہونے کے لیے نازل ہوئی ہے۔ بعض لوگ گانا بجانے والی لونڈیوں کو خریدتے تھے اور ان سے گانے بجانے سنوا کر لوگوں کا مال لوٹتے تھے، اس پر اللہ تعالیٰ نے مَنْ يَّشْتَرِى کی آیت نازل فرمائی۔سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اِنَّ الْغِنَآءَ يُنْبِتُ النِّفَاقَ كَمَا يُنْبِتُ الْمَآءُ الزَّرْعَ گانا بجانا ایسے بے ایمانی پیدا کرتا ہے جیسے پانی کھیتی کو اُگاتا ہے۔اب اس کو عبادت اور درجۂ قربِ الٰہی سمجھا جاتا ہے، افسوس کی بات ہے یا نہیں؟ جب دین مکمل ہوگیا اور میدانِ عرفات میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر آیت اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ نازل ہوگئی

تو جن نافرمانیوں سے سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ نے منع فرمایا اب اُسی نافرمانی کو امت کے بعض نادان لوگ قربِ الٰہی کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت میں اشعار ہمارے تمام اکابر نے سنے ہیں لیکن چار شرطوں کے ساتھ جو میں آگے بیان کروں گا لیکن حدودِ شریعت کو توڑ کر اشعار اور قوالی سننا حرام ہے۔ میں نے ایک زمانہ میں اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ ایک طرف عشاء کی نماز ہورہی تھی اور دوسری طرف قوالی ہورہی تھی، کسی نے بھی نماز ادا نہیں کی، طبلے بج رہے تھے اور بیٹھے گردن ہلا رہے تھے۔ تحقیق کی تو قریبی لوگوں نے بتایا کہ قوالوں نے اس وقت شراب پی ہوئی ہے، یہ رات بھر جاگ نہیں سکتے، نہ اتنی گردن ہلا سکتے ہیں، یہ سب نشے میں ہیں۔ بتایئے! عشاء کی نماز ضروری ہے یا شرابیوں سے قوالی سننا ضروری ہے؟ بعض جگہ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ قوالی ہورہی ہے، پیر صاحب کو سجدہ کیا جارہا ہے اور نماز کا اہتمام نہیں۔

علامہ شامی ابن عابدین فقہ شامی میں اور سلطان نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب میں لکھتے ہیں کہ چار شرطیں ہیں جن سے اشعار کا سننا جائز ہے، چاہے اللہ تعالیٰ کی حمد میں ہوں یا سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت میں نعت شریف ہو تو یہ صرف جائز ہی نہیں بلکہ باعثِ برکت ہیں، لیکن شرط یہ ہے کہ طبلہ سارنگی نہ ہو، طبلہ سارنگی یعنی موسیقی پر حمد و نعت پڑھنا بے ادبی اور اللہ اور رسول کی نافرمانی ہے۔

چار شرائط سے سماع جائز ہے

سلطان نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ چار شرطوں سے سماع یعنی اشعار محبت و معرفت کے سننا جائز ہے۔ شرط اوّل کیا ہے؟ سامع اہل ھویٰ نہ باشد، سننے والا النفس کا بندہ نہ ہو، عشقِ مجازی میں مبتلا نہ ہو ورنہ عشقیہ اشعار سے اس کو اپنے معشوق یاد آئیں گے، لہٰذا پہلی شرط یہ ہے کہ سننے والا نفس کا غلام نہ ہو، قلب اس کا مجلّٰی مصفّٰی ہو، غیر اللہ سے پاک ہو چکا ہو تا کہ محبت اور عشقِ الٰہی کی باتوں سے اس کا قلب اللہ ہی کی طرف متوجہ رہے، معشوقانِ مجازی کی طرف نہ جائے۔ نمبر ۲، مضمون خلافِ شرع نہ باشد، اشعار میں جو مضمون ہو وہ شریعت کے خلاف نہ ہو، آسمان و زمین کے قلابے نہ ملا رہا ہو، کسی کو خدا کے برابر نہ کررہا ہو، اولیاء اللہ کو بااختیار اور خدا کی حکومت میں شریک نہ سمجھ رہا ہو اور اللہ تعالیٰ کو نعوذ باللہ برطانیہ کے بادشاہ کی طرح نہ سمجھ رہا ہو کہ جہاں اصل حکومت وزیر اعظم اور پارلیمنٹ کے ممبر کرتے ہیں اور بادشاہ اپنا خرچہ پانی لے کر صرف دستخط پر گذارہ کرتا ہے، تو اللہ تعالیٰ کو ایسا مت سمجھو، سارا اختیار اللہ تعالیٰ کا ہے ؂

خدا فرما چکا قرآں کے اندر
میرے محتاج ہیں پیر و پیمبر

وہ کیا ہے جو نہیں ہوتا خدا سے
جسے تو مانگتا ہے اولیاء سے

ہاں آپ وسیلہ مانگ سکتے ہیں، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وسیلے سے دعا مانگیں، اولیاء کرام کے وسیلے سے کہیں کہ اے اللہ! تیرے جتنے اولیاء ہیں ان کے صدقہ اور طفیل میں میری دعا قبول فرمالیں، مگر مانگیں گے خدا ہی سے، وسیلہ پکڑیں گے اللہ کے اولیاء سے لیکن مانگیں گے خدا سے اور تیسری شرط یہ ہے کہ آلۂ لھوو لعب نہ باشد یعنی سارنگی طبلہ نہ ہو، ساز و موسیقی نہ ہو، شریعت کے خلاف چیزیں نہ ہوں۔ میں بڑے درد سے پوچھتا ہوں کہ کیا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کبھی طبلہ بجایا؟ کیا حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کبھی طبلہ بجایا؟ سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب تک اِس دنیا میں تشریف فرما تھے، کیا آپ کی حیاتِ مبارکہ میں کبھی یہ کام ہوا؟ ایک صاحب نے مجھ سے بحث کی کہ قوالی سے دل میں عشق و تڑپ پیدا ہو جاتی ہے، طبلہ اور سارنگی کے ساتھ جب شعر ہوتا ہے تو دل میں عشقِ الٰہی میں جوش آجاتا ہے۔ میں نے کہا کہ یہ بات حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صحابہ کو نہیں بتائی، صحابہ نے تابعین کو نہیں بتائی اور تابعین نے تبع تابعین کو نہیں بتائی، یہ راز بس تمہارے سینے میں آگیا، عشقِ الٰہی کی تڑپ کا راز بس آپ کو ملا، پھر اس نے توبہ کی۔ یہ بات کشمیر کے رہنے والے ایک صاحب کی ہے، ماشاء اللہ یہ اور ان کا سارا خاندان بدعات اور خلافِ شرع باتوں سے تائب ہو گیا اور چوتھی شرط ہے کہ مسمع کودک و زن نہ باشد یعنی جو اشعار سنا رہا ہے وہ بے ڈاڑھی مونچھ کا لڑکا نہ ہو اور عورت نہ ہو۔ عورتوں اور بے ڈاڑھی مونچھ کے لڑکوں سے نعت شریف سننا جائز نہیں ہے۔ عورت اگر قرآن شریف بھی سنائے تو عورت سے قرآن شریف بھی سننا جائز نہیں ہے۔ نبی کی بیبیوں کی آواز کے لیے اللہ تعالیٰ نے قرآن میں نازل فرمایا لَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ کہ اے نبی کی بیبیو! اگر تم کو صحابہ سے بات کرنا پڑے تو اپنی آوازوں کی طبعی نرمی کے خلاف آواز بھاری کر کے بات کرو فَيَطْمَعَ الَّذِيْ فِيْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ ورنہ جن کے دل میں مرض ہے ان میں طمع پیدا ہوگی اور اسی احتیاط کی وجہ سے صحابہ کو حکم ہو رہا ہے وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَاسْئَلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ اے اصحابِ رسول! جب تم نبی کی بیبیوں سے کسی بات کا سوال کرو تو پردے کے پیچھے سے کرو۔ سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ پہلی اچانک نظر تو معاف ہے لیکن خبردار! کسی کی ماں، بہن، بیٹی پر دوسری نظر مت ڈالنا یہ حرام ہے۔ کیا آج ہم حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی بڑھے ہوئے ہیں؟ کہتے ہیں کہ مولانا! ہماری نظر صاف ہے، دل پاک ہے، ارے! تو کیا نعوذ باللہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نظر غیر صاف اور غیر پاک تھی؟ یہ سب نفس کی چال ہے کہ خود کو پاک صاف کہہ کر بدنظری کرتا ہے۔ (آدابِ عشقِ رسول ﷺ)

حدیث نمبر ۵۷

﴿عَنْ اَبِیْ ذَرٍ قَالَ دَخَلْتُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قُلْتُ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ اَوْصِنِیْ قَالَ اُوْصِیْکَ بِتَقْوَی اللّٰہِ عَزَّ وَ جَلَّ فَاِنَّہٗ اَزْیَنُ لِاَمْرِکَ کُلِّہٖ قُلْتُ زِدْنِیْ قَالَ عَلَیْکَ بِتِلَاوَۃِ الْقُرْاٰنِ وَ ذِکْرِ اللّٰہِ عَزَّوَجَلَّ فَاِنَّہٗ ذِکْرٌ لَّکَ فِی السَّمَآءِ وَ نُوْرٌ لَّکَ فِی الْاَرْضِ قُلْتُ زِدْنِیْ قَالَ عَلَیْکَ بِطُوْلِ الصَّمْتِ فَاِنَّہٗ مَطْرَدَۃٌ لِّلشَّیْطٰنِ وَعَوْنٌ لَّکَ عَلٰی اَمْرِ دِیْنِکَ قُلْتُ زِدْنِیْ قَالَ اِیَّاکَ وَ کَثْرَۃَ الضِّحْکِ فَاِنَّہٗ یُمِیْتُ الْقَلْبَ وَیَذْھَبُ بِنُوْرِ الْوَجْہِ قُلْتُ زِدْنِیْ قَالَ قُلِ الْحَقَّ وَاِنْ کَانَ مُرًّا قُلْتُ زِدْنِیْ قَالَ لَا تَخَفْ فِی اللّٰہِ لَوْمَۃَ لَائِمٍ قُلْتُ زِدْنِیْ قَالَ لِیُحْجِزْکَ عَنِ النَّاسِ مَا تَعْلَمُ مِنْ نَّفْسِکَ﴾ (مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الاداب، باب حفظ اللسان والغیبۃ والشتم، ج:۲، ص:۴۱۴)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کو سات نصیحتیں

حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی درخواستِ نصیحت پر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت ابوذر غفاری کو سات نصیحتیں فرمائیں جس میں سے ایک نصیحت یہ ہے:

﴿اُوْصِیْکَ بِتَقْوَی اللّٰہِ عَزَّ وَ جَلَّ فَاِنَّہٗ اَزْیَنُ لِاَمْرِکَ کُلِّہٖ﴾

کہ تقویٰ سے رہو تیرے سب کام بن جائیں گے۔ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں کہ چاہے وہ دنیا کا کام ہو یا آخرت کا، تقویٰ کی برکت سے دونوں جہان بن جاتے ہیں کیونکہ تقویٰ کی برکت سے وہ خدا کا دوست ہوگیا اور جب خدا کا دوست ہوگیا تو خدا کا یہ جہان بھی ہے اور وہ جہان بھی ہے، خدا دونوں جہان میں اس کو راضی رکھتا ہے، جب ابا راضی ہو تو پردیس میں بھی بیٹے کو خرچہ بھیجتا ہے اور کہتا ہے کہ اچھا کھانا کھاؤ، ایک ملازم بھی رکھو اور خوب آرام سے رہو اور وطن میں بھی اسی فکر میں رہتا ہے کہ میرے بیٹے کو کوئی پریشانی نہ ہو۔ اسی طرح جو اپنے رب کو ناراض نہیں کرتا بلکہ ہر وقت راضی رکھتا ہے تو رب بھی اس کو پردیس اور وطن دونوں میں آرام سے رکھتا ہے۔

اس کے بعد حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ مزید نصیحت فرمائیں تو دوسری نصیحت آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ فرمائی:

﴿عَلَیْکَ بِتِلَاوَۃِ الْقُرْاٰنِ وَ ذِکْرِ اللّٰہِ عَزَّوَجَلَّ فَاِنَّہٗ ذِکْرٌ لَّکَ فِی السَّمَآءِ وَ نُوْرٌ لَّکَ فِی الْاَرْضِ﴾

تلاوت اور ذکر اللہ کو اپنے اوپر لازم کرلو۔ آج ہمارا یہ حال ہے کہ قرآن شریف طاقوں میں جزدانوں میں لپٹے ہوئے ہیں، قرآن پاک کو طاقوں میں مت رکھو، روزانہ تلاوت کرو، چاہے ایک ہی رکوع ہو یا صرف دس آیتیں ہی کیوں نہ ہوں البتہ مسافر مستثنیٰ ہے کیونکہ بروایت بخاری شریف اس کے فرض آدھے ہوجاتے

ہیں اور مسافر کو ثواب اتنا ہی ملتا ہے جتنا وہ وطن میں وظیفہ پڑھتا تھا، پھر آپ نے فرمایا کہ کثرتِ تلاوت کا نتیجہ یہ ہوگا کہ آسمانوں میں تیرا ذکر ہوگا اور زمین میں تیرے لیے نور ہوگا۔ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم تلاوتِ قرآنِ پاک اور ذکر اللہ کا انعام بتارہے ہیں کہ آسمان میں تمہارا ذکر ہوگا اور زمین میں اللہ تعالیٰ تمہیں نور عطا فرمائیں گے۔

صحابہ کرام کی دین کی حرص

آج ہم لوگ کہتے ہیں کہ مولویوں سے زیادہ مسائل نہ پوچھو، اگر تم نے نماز کا پوچھا تو روزہ گلے لگا دیں گے، لیکن صحابہ کی دین کی پیاس بجھتی ہی نہ تھی۔ حضرت ابوذر غفاری حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کرتے ہیں قُلْتُ زِدْنِیْ ہمیں اور زیادہ نصیحت کیجیے۔ دو نصیحتوں کے بعد عرض کیا اور فرمائیے، واہ یہ ہے طلبِ علم! ایک کباب کے بعد دوسرے کباب کی طرف بھی ہاتھ لپکتا ہے، جب دنیوی کبابوں کی اتنی طلب ہے تو علم جو آخرت کی چیز ہے اس کی طلب تو اور زیادہ ہونی چاہیے تاکہ آخرت بن جائے تو آپ علیہ السلام نے مزید فرمایا:

﴿عَلَیْکَ بِطُوْلِ الصَّمْتِ فَاِنَّہٗ مَطْرَدَۃٌ لِّلشَّیْطٰنِ وَ عَوْنٌ لَّکَ عَلٰی اَمْرِ دِیْنِکَ﴾

کہ اے ابوذر! تم اکثر خاموش رہا کرو کیونکہ اس کی وجہ سے شیطان تم سے ڈرے گا اور تمہارے دین کے تمام معاملوں میں اس سے مدد ملے گی۔ حضرت ابوذر غفاری نے پھر عرض کیا قُلْتُ زِدْنِیْ اے اللہ کے نبی! مجھے اور نصیحت کیجیے۔ کیا حرص ہے اور کیا حریص طالبِ علم ہے، لیکن یہ حرص مبارک ہے، ہر لالچ بری نہیں ہوتی۔

کثرتِ ضحک کی شرح

چوتھی نصیحت آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ فرمائی:

﴿اِیَّاکَ وَکَثْرَۃَ الضِّحْکِ فَاِنَّہٗ یُمِیْتُ الْقَلْبَ وَیَذْھَبُ بِنُوْرِ الْوَجْہِ﴾

کثرتِ ضحک سے بچو کیونکہ زیادہ ہنسنا دل کو مردہ کردیتا ہے، اس سے مراد وہ ہنسی ہے جو غفلتِ قلب کے ساتھ ہو، اگر دل اللہ سے غافل نہیں تو ہنسنے میں مضائقہ نہیں لیکن اس میں بھی اتنا غلو نہ کرو کہ ہر وقت ہنستے ہی رہو اور نہ اتنی کمی کرو کہ ہنسنا ہی بھول جاؤ لہٰذا اللہ والے دوستوں کے ساتھ تھوڑا ہنسنا بھی چاہیے کیونکہ یہ مقوی قلب اور مقوی اعصاب ہے، بالکل خاموشی سے اعصاب ٹوٹ جاتے ہیں لہٰذا خاموشی میں بھی غلو نہ کرو، نہ ہر وقت ہنستے رہو نہ بالکل خاموش رہو بلکہ ہر چیز اعتدال میں ہو۔

ایک مرتبہ سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف فرما تھے، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ حاضرِ خدمت ہوئے، اتنے میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو کسی بات پر ہنسی آگئی تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ

نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دعا دی:

﴿اَضۡحَکَ اللّٰہُ سِنَّکَ یَا رَسُوۡلَ اللّٰہِ﴾

(صحیحُ البخاری، باب التبسم و الضحک، ج: ۲، ص: ۸۹۹)

اے اللہ کے رسول! اللہ آپ کو ہنستا ہی رکھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ چھوٹوں کو بھی حق ہے کہ اپنے بزرگوں کو دعا دیں جیسا کہ ایک صحابی حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مجلس میں تشریف لائے تو کہیں بیٹھنے کی جگہ نہ ملی، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انہیں اپنی چادر عنایت فرمائی کہ اس پر بیٹھ جاؤ تو انہوں نے وہ چادر لے کر اس کو بوسہ دے کر واپس کر دی اور آپ علیہ السلام کو دعا دی:

﴿اَکۡرَمَکَ اللّٰہُ یَا رَسُوۡلَ اللّٰہِ کَمَا اَکۡرَمۡتَنِیۡ﴾

(المستدرک، کتابُ الادب، ج: ۴، ص: ۲۹۲)

اے اللہ کے رسول! اللہ آپ کو عزت دے جیسا آپ نے مجھے عزت دی۔ معلوم ہوا کہ مرید اپنے شیخ کو، شاگرد استاد کو اور بیٹا باپ کو دعا دے سکتا ہے لہٰذا آپ علیہ السلام کے ہنسنے پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے دعا دی اَضۡحَکَ اللّٰہُ سِنَّکَ یَا رَسُوۡلَ اللّٰہِ یہ حدیث بخاری شریف کی کِتَابُ الضِّحۡکِ میں موجود ہے۔

اب اس پر ایک اِشکال پیدا ہوتا ہے کہ ایک شخص برابر ہنستا رہے اور ایک سیکنڈ بھی اس کی ہنسی نہ رکے تو ہم کو اور آپ کو اس کے بارے میں کیا خیال ہوگا کہ اسے کسی ڈاکٹر کو دِکھانا چاہیے، اس کو کیا ہوگیا ہے؟ تو ہر وقت ہنسنے سے کیا مراد ہے؟ محدثین نے اس کا جواب دیا ہے کہ یہ ہر وقت ہنسنے کی دعا نہیں ہے بلکہ اس کا معنیٰ ہے:

﴿اَیۡ اَدَامَ اللّٰہُ فَرۡحَکَ﴾

(المرقاۃ، باب: مناقب عمر رضی اللہ عنہ، ج: ۱۰، ص: ۳۸۸)

اے اللہ کے رسول! اللہ تعالیٰ آپ کی فرحت اور خوشی کو ہمیشہ قائم رکھے۔ ہمیشہ ہنسنے سے یہاں فرحتِ قلب مراد ہے کیونکہ جب فرحتِ قلب نہ ہوگی تو ہنسی کیا آئے گی تو دلالتِ التزامی سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دعا دی کہ اَدَامَ اللّٰہُ فَرۡحَکَ اللہ تعالیٰ آپ کو ہمیشہ خوش رکھے اور آپ کے قلب کی فرحتوں کو اللہ تعالیٰ ہمیشہ قائم رکھیں۔ اسی لیے عرض کر دیا کہ بعض لوگ ایک حدیث دیکھ کر مفتی بن جاتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تبسم فرماتے تھے، ہنستے نہیں تھے، دوسری احادیث ان کے مطالعے میں نہیں تو جب کسی عالم کو ہنستے دیکھتے ہیں تو اعتراض کرتے ہیں کہ صاحب یہ کیا ہے؟ حالانکہ میں آپ کو ایک حدیث سناتا ہوں کہ حضرت سعد ابن وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ماموں تھے، انہوں نے جنگِ بدر میں ایک مشرک کو تیر سے مار گرایا، وہ ننگا ہوگیا:

﴿فَضَحِکَ رَسُوۡلُ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیۡهِ وَسَلَّمَ حَتّٰی نَظَرُتُ اِلٰی نَوَاجِذِهٖ﴾

(صحیح مسلم، ج: ۲، ص: ۲۸۱)

آپ علیہ السلام اتنا ہنسے کہ ڈاڑھیں مبارک نظر آنے لگیں، لہٰذا علم پورا ہونا چاہیے، اردو کی کتابیں پڑھ کر علماء کی اِصلاح مت کیجیے، مفتی نہ بنیے۔

ہنسنے میں بھی دل اللہ سے غافل نہ ہو

غرض ہمارے بزرگ ہنستے بھی ہیں اور ہنساتے بھی ہیں لیکن ان کا دل اللہ سے غافل نہیں ہوتا۔ ایک مجلس میں حضرت خواجہ عزیز الحسن مجذوب رحمۃ اللہ علیہ خوب ہنسے اور مفتی شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے پیر بھائیوں کو بھی خوب ہنسایا، بعد میں خواجہ صاحب نے پوچھا کہ سچ سچ بتائیں ہنسی کی اس محفل میں کیا آپ کے دل اللہ سے غافل تھے؟ تو مفتی صاحب نے فرمایا کہ بوجہ ادب کے ہم سب خاموش ہوگئے، اس پر حضرت خواجہ صاحب نے فرمایا کہ الحمدللہ اس وقت بھی میرا دل اللہ تعالیٰ کے ساتھ مشغول تھا اور پھر یہ شعر پڑھا ؎

ہنسی بھی ہے گو لبوں پہ ہر دم اور آنکھ بھی میری تر نہیں ہے
مگر جو دل رو رہا ہے پیہم کسی کو اس کی خبر نہیں ہے

اللہ والوں کی ہنسی اور اپنی ہنسی کو برابر مت سمجھو کیونکہ وہ بظاہر ہنس رہے ہوتے ہیں مگر ان کا دل پھر بھی رو رہا ہوتا ہے۔ اس پر میرا بھی ایک شعر ہے ؎

لب ہیں خنداں، جگر میں ترا درد و غم
تیرے عاشق کو لوگوں نے سمجھا ہے کم

اللہ والا اگر کاروبار بھی کر رہا ہے، مخلوق میں بھی بیٹھا ہے، بات چیت بھی کر رہا ہے اور ہنس بھی رہا ہے مگر اُس وقت بھی وہ خدا کے ساتھ ہے، جسم کے مرتبہ میں وہ آپ کے ساتھ ہے اور روح کے مرتبہ میں وہ اللہ کے ساتھ ہے۔ اس مضمون کو اختر نے ایک اور شعر میں پیش کیا ہے ؎

دنیا کے مشغلوں میں بھی یہ باخدا رہے
یہ سب کے ساتھ رہ کے بھی سب سے جدا رہے

حق بات کہنے کا سلیقہ

پانچویں نصیحت حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ فرمائی:

﴿قُلِ الۡحَقَّ وَاِنۡ کَانَ مُرًّا﴾

حق بات کہو اگرچہ کڑوی ہو، لیکن دوستو! حق بات بھی اگر کہنا ہو تو اس کو بھی سلیقہ سے کہو، جیسے اگر کوئی اپنی ماں

سے کہے کہ اے میرے ابا کی بیوی! ناشتہ لاؤ تو ہے تو حق مگر ظالم نے حدیث کے مفہوم کو ضائع کر دیا۔ دین ہمیں ادب کا درس دیتا ہے، بے ادبی نہیں سکھاتا۔ دیکھو! حضرت خضر علیہ السلام نے کشتی کو توڑنے کو اپنی طرف منسوب کیا، لیکن جب دو غلاموں کی دیوار کو سیدھا کیا تو اس کو اللہ کی طرف منسوب کیا، حالانکہ تینوں کام اللہ کے حکم سے کیے تھے، لیکن جو عیب کی بات تھی اس کو اپنی طرف منسوب کیا **فَاَرَدْتُّ اَنْ اَعِیْبَهَا** پس ارادہ کیا میں نے کہ کشتی کو عیب دار کروں اور جب معاملہ دیوار سیدھی کرنے کا آیا تو اپنے رب کی طرف نسبت کی:

﴿ فَاَرَادَ رَبُّکَ اَنْ یَّبْلُغَا اَشُدَّهُمَا وَ یَسْتَخْرِجَا کَنْزَهُمَا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّکَ ﴾

(سورۃُ الکھف، اٰیة: ۸۲)

لہٰذا دوستو! حق بات بے شک کہو، ڈٹ کر کہو مگر موقع محل دیکھ کر ادب اور سلیقہ سے کہو جیسے شکاری جس چڑیا کا شکار کرنا چاہتا ہے تو اس کی بولی بھی سیکھتا ہے ورنہ وہ بھاگ جائے گی، اگر شاعر آیا ہے تو دو تین شعر پڑھ کر اس کو اللہ کے عشق میں پھنساؤ، اگر ڈاکٹر ہے تو اس کو تھوڑی سی ڈاکٹری بھی سناؤ مثلاً اس سے کہو کہ فرانس کے ڈاکٹر پاگلوں کو مسواک کراتے ہیں جس سے گندا مواد ان کے دماغ سے نکلتا ہے اور وہ ٹھیک ہو رہے ہیں اور ہم اپنے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اس مبارک سنت کو چھوڑے ہوئے ہیں حالانکہ مسواک سے نماز کا ثواب ستّر گنا بڑھ جاتا ہے اور کھانے کے بعد انگلیاں چاٹنے سے ایک ایسا لعاب نکلتا ہے جس سے کھانا ہضم ہو جاتا ہے۔ یہ ڈاکٹروں کا تجربہ ہے لیکن ہم ڈاکٹروں کے تجربہ کی وجہ سے انگلیاں نہیں چاٹتے بلکہ اپنے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اِتباع میں چاٹتے ہیں۔ بالفرض اگر ڈاکٹر منع بھی کریں تو ہم ان کی نہیں مانیں گے، اپنے نبی کی مانیں گے۔ اسی طرح کھانے کا برتن صاف کرنا بھی سنت ہے، کیونکہ برتن دعا دیتا ہے کہ اے اللہ! اس کو جہنم کی آگ سے اس طرح بچا جس طرح اس نے مجھے شیطان سے بچایا، اس حدیث کو علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب شامی جلد نمبر ۵/ کتاب الحظر و الاباحۃ میں نقل فرمایا ہے۔

راہِ حق میں طعن و ملامت سے نہ ڈریں

اور چھٹی نصیحت آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ فرمائی:

﴿لاَ تَخَفْ فِی اللّٰہِ لَوْمَةَ لاَئِمٍ﴾

اللہ کے راضی کرنے میں کسی کی ملامت کا خوف نہ کرو، اگر کوئی ہنستا ہے تو ہنسنے دو، اگر کسی آدمی کو سخت پیاس لگی ہے اور کوئی شخص اسے ٹھنڈا شربت پلائے اور یہ جگہ اور بستی ایسی ہے کہ جہاں شربت پینے والوں کا مذاق اُڑایا جاتا ہے تو آپ بتائیں کہ کیا یہ پیاسا شخص لوگوں کے مذاق اُڑانے کے خوف سے شربت پینا چھوڑ دے گا؟ تو اللہ تعالیٰ سے اس کی محبت کی ایسی ہی پیاس مانگو کہ سارے عالم کی ملامتیں تمہیں اللہ کی

فرماں برداری کرنے سے نہ روک سکیں۔

اگر کوئی شکاری مچھلی شکار کرکے اسے دوبارہ دریا میں چھوڑ دے تو وہ دوبارہ دریا میں جائے گی یا نہیں؟ اور وہ دوسری سمندری مچھلیوں کی ہنسی مذاق اور طعنوں کی فکر بھی نہیں کرے گی کیونکہ اس کو پتا ہے کہ سمندر کے بغیر ہمیں راحت اور آرام نہیں مل سکتا، خشکی میں تو موت ہے، اس لیے وہ کسی کے لعن طعن کی پرواہ نہیں کرے گی بلکہ دوبارہ سمندر میں جانے کی کوشش کرے گی۔ اسی طرح مومن کی شان یہ ہے کہ وہ اللہ کے علاوہ کسی سے نہیں ڈرتا، اللہ کے معاملہ میں مخلوق کا خوف نہیں کرتا، کسی کی لعنت ملامت سے نہیں ڈرتا، اپنی بیوی سے نہیں ڈرتا، برادری اور معاشرہ سے نہیں ڈرتا، اپنے علاقہ اور ملک سے نہیں ڈرتا، سارا ملک اگر ڈاڑھی منڈادے لیکن وہ تنہا شیر کی طرح ڈاڑھی رکھتا ہے۔ ہمارے لیے کتنے شرم کی بات ہے کہ دس لاکھ کی آبادی میں ایک سکھ رہتا ہے لیکن وہ کافر ہوکر بھی اپنے گرونانک کی محبت میں ڈاڑھی نہیں منڈاتا۔ بھائیو! ہم کیا دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عاشق ہیں، لہٰذا اللہ تعالیٰ سے ایسا ایمان مانگو کہ اگر سارا جہاں کافر ہوجائے پھر بھی اے اللہ ہم آپ کو نہ چھوڑیں، اسی کو عشق کہتے ہیں ؎

میں ہوں اور حشر تک اِس در کی جبیں سائی ہے
سرِ زاہد نہیں، یہ سر، سرِ سودائی ہے

اپنے عیوب کا استحضار رکھیں

اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ساتویں اور آخری نصیحت یہ فرمائی:

﴿لِيُحْجِزُكَ عَنِ النَّاسِ مَا تَعْلَمُ مِنْ نَّفْسِكَ﴾

کہ تمہیں اپنے نفس کے بارے میں معلوم ہے کہ تم نے کتنی بدمعاشیاں کی ہیں، بالغ ہونے سے لے کر اب تک اپنا سب حال معلوم ہے، لیکن دوسروں کا عیب نظر آتا ہے تو پہاڑ کی مانند بہت بڑا لگتا ہے اور اپنا عیب مچھر نظر آتا ہے، حالانکہ حکم یہ ہے کہ اپنے عیب کا اتنا مطالعہ کرو کہ دوسروں کے عیب دیکھنے کا موقع ہی نہ ملے۔ (علم اور علماء کرام کی عظمت)

حدیث نمبر ۶۷

﴿بِصَلاَتِهِنَّ وَ صِيَامِهِنَّ وَ عِبَادَتِهِنَّ اَلْبَسَ اللّٰهُ وُجُوْهَهُنَّ النُّوْرَ﴾

(تفسیر روح المعانی، ج:۲۷، ص:۱۲۶)

جنت میں مسلمان عورتوں کی شانِ حُسن

جب مسلمان عورتیں جنت میں جائیں گی تو حوروں سے زیادہ حسین کردی جائیں گی۔ تفسیر

روح المعانی میں علاّمہ آلوسی السیّد محمود بغدادی نے لکھا ہے کہ ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے پوچھا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جنت میں حوریں زیادہ حسین ہوں گی یا مسلمان بیویاں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمان بیویاں جنت میں حوروں سے زیادہ خوبصورت کردی جائیں گی۔ ام المومنین نے عرض کیا کہ بِمَ ذَاکَ انہیں یہ فضیلت کیوں ملے گی؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

﴿بِصَلاَتِهِنَّ وَ صِيَامِهِنَّ وَ عِبَادَتِهِنَّ اَلْبَسَ اللّٰهُ وُجُوْهَهُنَّ النُّوْرَ﴾

اللہ اپنی عبادت کا نوران کے چہروں پر ڈال دے گا کیونکہ ہماری بیویوں نے نمازیں پڑھی ہیں، روزے رکھے ہیں، بچّہ جننے کی تکلیفیں اٹھائی ہیں، شوہروں کی خدمت کی ہے، اللہ کے لیے تکلیفیں اٹھائی ہیں اور حوروں نے نہ نماز روزہ کیا، نہ اللہ کے لیے کوئی اور تکلیف برداشت کی اس لیے ہماری عورتیں جنت میں حوروں سے زیادہ حسین ہوں گی۔

دنیا کے چند دن کے لیے اپنی کم حسین بیویوں پر راضی رہو، جیسے سفر کرتے ہو تو اسٹیشن کی چائے پیتے ہو یا نہیں یا وہاں بھی گھر والی چائے ملتی ہے؟ دنیا اسٹیشن کا پلیٹ فارم ہے، پردیس میں ہو جیسی بیوی بھی مل جائے اس کو ساری دنیا کی حسیناؤں سے بہتر سمجھو، اگر آپ کہیں کہ کیوں صاحب اپنی بیوی کو سب سے حسین کیوں سمجھیں؟ اس بات کی کیا دلیل ہے؟ تو دلیل یہ ہے کہ دنیا میں جو کچھ ہوتا ہے اللہ کے حکم سے ہوتا ہے، اللہ کی طرف سے نعمت ملتی ہے تو تقدیر میں جو بیوی لکھی ہے وہی ملتی ہے، آپ لاکھ ہاتھ پیر مارو، تعویذیں دباؤ، وظیفے پڑھو، لیکن ملے گی وہی جو قسمت میں ہے۔

میرے مرشد شاہ عبد الغنی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد امام محمد رحمۃ اللہ علیہ بہت حسین تھے، اتنے حسین تھے کہ جب امام ابوحنیفہ سبق پڑھاتے تو نظر کی حفاظت کے لیے ان کو پیچھے بٹھایا کرتے تھے، ایک دن چراغ کی روشنی میں عبارت پڑھتے ہوئے جب ان کی ڈاڑھی ہلتے دیکھی تو فرمایا ارے بھئی! تمہاری تو ڈاڑھی آگئی، اب سامنے آجاؤ۔

لیکن اتنے حسین شخص کی جب شادی ہوئی تو بیوی ایسی ملی کہ اس کے لیے حسین کا لفظ بولنا جائز نہیں تھا، بس عورت تھی، عورت کا ڈھانچہ اور اسٹرکچر تھا، حسن کا ڈسٹمپر نام کو بھی نہیں تھا، لیکن امام صاحب نے کبھی اس کو طعنہ نہیں دیا کہ میں اتنا حسین ہوں تو مجھے کہاں سے مل گئی؟ کیونکہ اللہ والے اپنی بیوی کو دنیا کے تمام حسینوں سے زیادہ حسین سمجھتے ہیں، کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ یہ ہمیں ہمارے مولیٰ نے عطا کی ہے۔

(قرب الٰہی کی منزلیں)

حدیث نمبر ۷۷

﴿اِنَّ اَعْظَمَ النِّکَاحِ بَرَکَۃً اَیْسَرُہٗ مَئُوْنَۃً﴾

(مشکوٰۃ المصابیح، کتابُ النکاح)

سب سے برکت والا نکاح کون سا ہے؟

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں اِنَّ اَعْظَمَ النِّکَاحِ بَرَکَۃً اَیْسَرُہٗ مَئُوْنَۃً سب سے برکت والا نکاح وہ ہے جس میں خرچ کم ہو اور سادگی ہو۔ بے جا اخراجات میں پیسہ اُڑانے سے بہتر ہے کہ وہی پیسہ بچا کر اپنی بیٹی کو دے دو، داماد کو دے دو، مسجد میں دری بچھوا دو، کسی طالبِ علم کا خرچہ برداشت کرلو غرض اپنے شیخ سے مشورہ کر کے کسی صحیح مصرف میں لگا دو۔ دعوتِ ولیمہ جو مسنون ہے وہ لڑکے کے لیے ہے جس کے گھر بیوی آتی ہے مگر آج اُلٹا معاملہ ہے، لڑکی والا بھی لڑکے کے ہمراہ آنے والے سینکڑوں باراتیوں کے کھلانے پلانے پر لاکھوں روپے خرچ کرتا ہے، جس کی پانچ لڑکیاں ہیں وہ چھ لاکھ کا انتظام سوچتا ہے اور پھر اس کی وجہ سے چوری کرتا ہے، ڈاکہ مارتا ہے، رشوت لیتا ہے اور لڑکے والوں پر بھی اتنی بڑی دعوتِ ولیمہ کرنا ضروری نہیں کہ شامیانہ لگے، دس ہزار آدمی آئیں اور لاکھوں روپے کھلانے میں خرچ ہوں، پانچ آدمی سے بھی ولیمہ ہوسکتا ہے، اگر کسی خاندان والے کو کوئی نہ بلائے تو اس کو شکایت کا حق نہیں ہے۔

صحابہ کرام اور اکابر کے نکاح میں سادگی

کراچی تو بہت بڑا شہر ہے مدینہ شریف کی چھوٹی سی بستی میں سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ایک صحابی حضرت عبدالرحمٰن ابن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی دعوتِ ولیمہ میں نہیں بلایا۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کے کپڑے پر خوشبو کا پیلا رنگ لگا دیکھ کر اندازہ لگایا اور پوچھا کہ شاید تم نے نکاح کرلیا لیکن آپ کو ذرا بھی ناگواری نہیں ہوئی کہ تم نے ہمیں دعوتِ ولیمہ میں کیوں نہیں بلایا۔

میرے شیخ شاہ ابرارالحق صاحب دامت برکاتہم نے ایک بہت بڑے اور معزز خاندان میں اپنی بیٹی دی۔ پروفیسر حکیم عرفان اللہ صاحب مجلسِ شوریٰ دیوبند کے ممبر اور طبیہ کالج علی گڑھ کے بہت بڑے حکیم تھے، حضرت نے ان سے فرمایا کہ تم اپنے بیٹے کو لانا اور ایک بچہ اور لے آنا یعنی علی گڑھ سے ہردوئی تین آدمی سے زیادہ نہ آئیں، بس ابا جان آئیں، بیٹا جو داماد بننے والا ہے اور ایک بچہ اور لا سکتے ہیں چوتھا آدمی نہیں آئے گا۔ اس کو کہتے ہیں سادگی لیکن آج کہتے ہیں کہ سادگی اختیار کرنے سے ناک کٹ جائے گی، ارے ناک تو اللہ کے ہاتھ میں ہے اگر سادگی اختیار کرتے تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہماری عزت ہوتی۔

نکاح میں اسراف کا وبال

جب سے اُمت شادی بیاہ کے موقع پر خرافات اور تکلفات میں مبتلاء ہوئی ہے اس وقت سے مقروض ہونے، سودی قرضے اور رشوت لینے جیسی برائیوں میں مبتلا ہوگئی اور ان برائیوں کی جڑ یہی فضول خرچی اور اِسراف ہے۔ جب نکاح کی برکت کم خرچ کرنے میں ہے تو امت برکت کیوں نہیں لیتی، کیوں زیادہ خرچ کر کے نام ونمود کر کے برکت سے محروم ہوتی ہے۔ (بے پردگی کی تباہ کاریاں)

حدیث نمبر ۸۷

﴿ثُمَّ حُبِّبَ اِلَیۡہِ الۡخَلَآءُ﴾

(صحیحُ البخاری، کتاب تفسیر القراٰن)

حدیث حُبِّبَ اِلَیَّ الۡخَلاَءُ پر ایک وجد آفریں علم

حُبِّبَ اِلَیَّ الۡخَلاَءُ (رَواہُ البخاری) دال بر محبوبیتِ خلوت ہے اور خلوتِ محضہ محلِ اعمال ِولایت ہے کہ مناجات وتاوّہ وتضرع وَ رَجُلٌ ذَکَرَ اللّٰہَ خَالِیاً فَفَاضَتۡ عَیۡنَاہُ وغیر ذالک انعامات وثمراتِ قرب محتاج وموقوف بر تخلی مع الحق ہیں۔ ومثل ذالک وَاصۡبِرۡ نَفۡسَکَ مَعَ الَّذِیۡنَ یَدۡعُوۡنَ رَبَّھُمۡ دال بر مشقت نفس فی الجلوت ہے اگرچہ تبلیغ ودعوت الی اللہ وتزکیہ نفوس عباد وغیر ذالک من اعمالِ ضروریہ موقوف و محتاجِ جلوت ہیں اور بواسطۂ خدمتِ خلق باعثِ ترقی وقرب ہیں لیکن طبعًا رؤیتِ محبوب بلاواسطہ اَلَذ ہے رؤیت بواسطہ مرآۃ سے وَ لِذَالِکَ کَانَتِ الۡخَلۡوَۃُ اَحَبَّ اِلٰی وِلاَ یَۃِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّمَ وَالۡجَلۡوَۃُ کَانَتۡ شَاقَّۃً عَلٰی نَفۡسِہٖ عَلَیۡہِ السَّلاَمُ کَمَا یَدُلُّ عَلَیۡہِ قَوۡلُہٗ تَعَالٰی وَاصۡبِرۡ نَفۡسَکَ الخ۔

(**تسہیل از مرتب**: بخاری شریف کی حدیث حُبِّبَ اِلَیَّ الۡخَلَآءُ نبوت ملنے سے پہلے مجھے خلوت محبوب کردی گئی خلوت کی محبوبیت پر دلالت کرتی ہے اور خلوت ہی اعمالِ ولایت کا محل ہے کہ مناجات ودعا وآہ وزاری وغیرہ جملہ انعاماتِ قرب خلوت مع الحق ہی پر موقوف ہیں۔ اور اسی طرح آیت وَاصۡبِرۡ نَفۡسَکَ مَعَ الَّذِیۡنَ یَدۡعُوۡنَ رَبَّھُمۡ نفس پر جلوت کے شاق ہونے کی دلالت کرتی ہے اگرچہ تبلیغ ودعوت اور بندوں کے نفوس کا تزکیہ وغیرہ جیسے ضروری اعمال جلوت کے محتاج ہیں اور خدمتِ خلق کے واسطے سے ترقی وقرب کا باعث ہیں لیکن عاشق کو طبعًا دیدارِ محبوب بلاواسطہ زیادہ مرغوب والَذ ہوتا ہے بہ نسبت دیدار بواسطہ آئینہ کے اور اسی لیے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خلوت زیادہ محبوب تھی جیسا کہ حدیثِ مذکور دلالت کرتی ہے اور جلوت آپ پر شاق تھی جیسا کہ آیت وَاصۡبِرۡ نَفۡسَکَ دلالت کرتی ہے۔)

نیز یہی آیت وَاصۡبِرۡ نَفۡسَکَ موید اور شاہد بھی ہے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ارشاد حُبِّبَ

اِلَیَّ الْخَلَآءُ کی۔ حالانکہ آپ نے اپنے ارشاد پر کوئی دلیل بیان نہ فرمائی تھی لیکن حق تعالیٰ نے اپنے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے قول حُبِّبَ اِلَیَّ الْخَلَآءُ کو وَ اصْبِرْ نَفْسَکَ سے منصوص و مدلل و مؤید بالقرآن فرمادیا۔اس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ محبوبیت و رفعتِ قرب کا پتہ چلتا ہے۔اس کا لطف اس مثال سے واضح ہوسکتا ہے کہ کوئی عاشق دعویٰ کرے کہ میں خلوت مع المحبوب کو احب سمجھتا ہوں پھر اس کا محبوب اس دعویٰ کی تائید میں دلیل بیان فرمائے، عاشقوں کے لیے یہ مقامِ وجد ہے۔ ذَالِکَ مِمَّا خَصَّنِیَ اللّٰہُ تعَالٰی شَانُہٗ بِلُطْفِہٖ۔

(**تسھیل از مرتب**: آیت وَاصْبِرْ نَفْسَکَ کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حکم دے رہے ہیں کہ اے نبی اگر چہ آپ کو خلوت میں ہمارے ساتھ مشغول ہونا مرغوب ہے لیکن صحابہ کو خوشبوئے محمدی میں بسانے کے لیے ان کے درمیان بیٹھنے میں اپنے نفس پر مشقت برداشت کیجیے۔اس طرح یہ آیت آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ارشاد حُبِّبَ اِلَیَّ الْخَلَآءُ کی تائید کرتی ہے حالانکہ آپ نے اپنے ارشاد پر کوئی دلیل بیان نہیں فرمائی تھی لیکن اللہ تعالیٰ نے حُبِّبَ اِلَیَّ الْخَلَآءُ کی وَاصْبِرْ نَفْسَکَ سے تائید فرما کر اس کو قرآنِ پاک سے منصوص و مدلل کردیا۔اس سے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شانِ محبوبیت اور مقامِ قرب کی رفعت کا پتہ چلتا ہے۔اس کا لطف اس مثال سے سمجھ میں آسکتا ہے کہ کوئی عاشق دعویٰ کرے کہ میں اپنے محبوب کے ساتھ خلوت کو بہت محبوب رکھتا ہوں پھر اس کا محبوب اس دعویٰ کی تائید میں دلیل بیان فرمائے کہ میرے عاشق کی محبت کی یہ دلیل ہے تو عاشقوں کے لیے یہ مقامِ وجد ہے۔)

اس حدیثِ مذکور اور آیتِ مذکورہ سے یہ بھی ثابت ہوا کہ جو لوگ جلوت کے دینی کاموں میں جس قدر مسرور رہتے ہوں اور خلوت میں ذکر و شغل و تصورِ محبوب میں دل اس قدر نہ مسرور ہوتا ہو تو یہ علامت ہے کہ اس شخص کی روح بمصداق داں کہ روحت خوشۂ غیبی ندید ہے مقامِ ولایت اتباعِ سنت کی برکت سے جس قدر مقرب الی النبوت ہوتا جاتا ہے اسی قدر اس کو خلوت الذ اور جلوت اشق ہونے لگتی ہے لیکن تعمیلِ ارشاد وَاصْبِرْ کے تحت ترکِ جلوت سے بھی احتراز کرتے ہیں کہ اختیارِ جلوت ہی میں بقاء دین بواسطہ مشاورت و اصلاح و دعوۃ الی اللہ موقوف و منحصر ہے و لنعم ما قال العارف الرومی فی ھذا المقام یؤید ھذا الحدیث

بہر ایں کر دست منع آں با شکوہ

از ترھب و زشدن خلوت بکوہ

تانہ گردد فوت ایں نوع التقاء

کاں نظر بخت است و اکسیر بقا

مشورہ کن از گروہِ صالحاں
بر پیمبر امرھم شوریٰ بداں
یک زماں زیں قبلہ گر ذاہل شوی
سخرۂ ہر قبلۂ باطل شوی
چوں شوی تمیز دہ رانا سپاس
بجہد از تو خطرۂ قبلہ شناس

(**تسہیل از مرتب**: اس حدیث مذکور اور آیت مذکورہ سے یہ بھی ثابت ہوا کہ جو لوگ جلوت کے دینی کاموں میں تو مسرور رہتے ہیں لیکن خلوت میں ذکر واذکار سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ مشغول ہونے میں ان کا دل زیادہ مسرور نہیں ہوتا یہ علامت ہے کہ اس شخص کی روح ابھی مقامِ قرب سے ناآشنا ہے۔ کسی کا مقامِ ولایت اتباعِ سنت کی برکت سے ذوقِ نبوت صلی اللہ علیہ وسلم سے جس قدر قریب ہوتا جاتا ہے اسی قدر اس کو خلوت محبوب اور جلوت شاق ہونے لگتی ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے ارشاد وَاصۡبِرۡ نَفۡسَکَ کی تعمیل میں جلوت کو بھی ترک نہیں کرتے کیونکہ دین کی بقاء تبلیغ واصلاح اور دعوت الی اللہ کے ذریعہ جلوت اختیار کرنے ہی پر موقوف ہے۔) (خزائنِ شریعت وطریقت، ص: ۲۸)

حدیث نمبر ۷۹

﴿اَللّٰھُمَّ اِنِّیۡ اَسۡئَلُکَ الصِّحَّۃَ وَالۡعِفَّۃَ وَالۡاَمَانَۃَ وَ حُسۡنَ الۡخُلُقِ وَالرِّضَا بِالۡقَدۡرِ وَ الۡعَیۡشَ بَعۡدَ الۡمَوۡتِ﴾

(شعب الایمان للبیہقی)

حدیثِ صحت کی عجیب تشریح

حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحت کی جو دعا بارگاہِ حق میں عرض کی ہے **اَللّٰھُمَّ اِنِّیۡ اَسۡئَلُکَ الصِّحَّۃَ وَالۡعِفَّۃَ وَالۡاَمَانَۃَ وَ حُسۡنَ الۡخُلُقِ وَالرِّضَا بِالۡقَدۡرِ وَ الۡعَیۡشَ بَعۡدَ الۡمَوۡتِ** تو اس ترتیب میں خاص علوم ہیں۔ صحت کے بعد ہر لفظ کو صحت سے خاص تعلق ہے۔ ہر مقصد بعد صحت جو مذکور ہے صحت کا موقوف علیہ ہے چنانچہ صحت کے لیے عفّت ضروری ہے، غیر عفیف اکثر بیمار ہوجاتا ہے اور عفت کے لیے امانت ضروری ہے۔ امانتِ چشم وصدر خاص طور سے اہم ہے اور امانت نام ہے مالک کے عطاء فرمودہ اعضاء کو اور ان کی قوّتوں کو مالک کی مرضی کے مطابق استعمال کرنا۔ پس امانت کے خلاف استعمال سے صحت کو نقصان اس وجہ سے بھی پہنچتا ہے کہ خیانت معصیت ہے اور ہر معصیت قلب کو بے سکون کرتی ہے اور بے سکونیِ قلب صحت کو خراب کرتی ہے خواہ کتنی ہی عمدہ غذا کھائے، اسی طرح حسنِ خلق سے

صحت کو نفع ہوتا ہے۔ اگر مغلوب الغضب ہو یا مغلوب الشہوت ہو یا بے صبر ہو یا حریص ہو یا قانع نہ ہو یا توکل نہ ہو تو ہر خلق کی خرابی سے تشویش پیدا ہوتی ہے۔ غضب سے بلڈ پریشر بڑھ جاتا ہے اور عدم توکل و بے صبری سے ضعف ہو کر بلڈ پریشر ضرورت سے زیادہ کم ہو جاتا ہے۔ اسی طرح رضا بالقدر پر یعنی فیصلۂ الٰہی پر راضی نہ رہنے سے دل پریشان رہتا ہے جس سے صحت کو نقصان ہوتا ہے، کوئی غذا جسم کو نہیں لگتی، آدمی صاحبِ فراش ہو جاتا ہے اور عیش بعد الموت رضا بالقضاء کے لیے معین ہے ورنہ آدمی افلاس یا کسی تکلیف میں ہو تو مستقبل اور وطن کی راحت کی امید پر سفر کی صعوبت کا تحمل آسان ہوسکتا ہے۔ حضرت اقدس مولانا شاہ محمد ابرار الحق صاحب (رحمۃ اللہ علیہ) نے اس تقریر کو بہت پسند فرمایا اور ڈاکٹروں کے اجتماع میں احقر سے خطاب کرایا تھا۔ (خزائنِ شریعت وطریقت ص:۷۳)

شرحِ حدیث بعنوانِ دِگر

حدیثِ دعائے صحت کی الہامی تشریح

فرمایا کہ حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحت کے لیے یوں دعا فرمائی ہے:

﴿اَللّٰھم اِنِّیْ اَسْئَلُکَ الصِّحَّۃَ وَالْعِفَّۃَ وَالْاَمَانَۃَ وَ حُسْنَ الْخُلُقِ وَ الرِّضَا بِالْقَدْرِ وَالْعَیْش بَعْدَ الْمَوْتِ﴾

یہ بلاغتِ کلامِ نبوت ہے کہ الفاظ کی اس ترتیب میں خاص علوم ہیں، صحت کے بعد ہر لفظ کو صحت سے خاص تعلق ہے یعنی ہر مقصد بعد صحت جو مذکور ہے صحت کا موقوف علیہ ہے چنانچہ صحت کے لیے عفت (پاکدامنی) ضروری ہے، غیر عفیف اکثر بیمار ہو جاتا ہے اور عفت کے لیے امانت ضروری ہے اور امانت نام ہے مالک کے عطا فرمودہ اعضاء اور ان کی قوتوں کو مالک کی مرضی کے مطابق استعمال کرنا اور سب سے اہم امانت دو ہیں۔ (۱) امانتِ چشم، (۲) امانتِ صدر جس کو اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں بیان فرمایا ہے یَعْلَمُ خَائِنَۃَ الْاَعْیُنُ و ماتخفی الصدور اللہ تعالیٰ آنکھوں کی خیانت اور دل کی خیانت سے باخبر ہیں۔ امانت کے خلاف استعمال کو خیانت کہتے ہیں۔ پس جو شخص امین العین اور امین الصدر ہوگا وہ اعضاء کی جملہ قوتوں کو بھی اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق استعمال کرے گا اور امانت کے خلاف استعمال سے صحت کو اس وجہ سے بھی نقصان پہنچتا ہے کہ خیانت معصیت ہے اور ہر معصیت قلب کو بے سکون کرتی ہے اور قلب کی بے سکونی صحت کو خراب کرتی ہے خواہ کتنی ہی عمدہ غذا کھائے اور امانت کے لیے حسنِ خُلق ضروری ہے مثلاً جس میں صبر ہوگا وہ شہوات خلاف شریعت کو ترک کرے گا اور قلب و نظر کو خیانت سے بچائے گا۔ پس حسنِ خلق سے بھی صحت کو نفع ہوتا ہے۔ اس کے برعکس اگر مغلوب الغضب ہو یا مغلوب الشہوت ہو یا بے صبر ہو یا حریص ہو قانع نہ ہو یا توکل وغیرہ نہ ہو تو ہر خلق کی خرابی سے تشویش پیدا ہوتی ہے جو مضرِ صحت ہے مثلاً بے جا غضب سے ہائی بلڈ پریشر ہو کر فالج ہو جاتا ہے۔ اسی طرح عدم توکل اور بے صبری سے ضعف اور دورۂ قلب ہوسکتا ہے اور حسنِ خلق موقوف ہے رضا بالقدر پر کیونکہ جو تقدیر پر راضی ہوگا وہ مخالف حالات میں بھی راضی برضا رہے گا اور اطمینانِ قلب صحت کے لیے ضروری

ہے اور فیصلۂ الٰہی پر راضی نہ ہونے سے دل پریشان رہتا ہے جس سے صحت کو نقصان پہنچتا ہے اور کوئی غذا جسم کو نہیں لگتی یہاں تک کہ آدمی صاحبِ فراش ہوجاتا ہے اور اس کے بعد العیش بعد الموت جو فرمایا یہ رضا بالقضا کے لیے معین ہے کیونکہ جس طرح مستقبل میں وطن کی راحت کی امید پر سفر کی صعوبتوں کا تحمل آسان ہوجاتا ہے اسی طرح وطن اصلی کی راحت کی امید پر دنیا کی تکالیف کا تحمل آسان ہوجاتا ہے۔

میرے شیخ حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب نے اس تقریر کو بہت پسند فرمایا تھا اور بمبئی میں ڈاکٹروں کے اجتماع میں خطاب کرایا تھا۔

حدیث نمبر ۸۰

﴿خَیْرُکُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْاٰنَ وَعَلَّمَہٗ﴾

(صحیحُ البخاری، فضائلُ القراٰن)

احادیث میں مذکور دو عظیم الشان خیر

مندرجہ ذیل تقریر احقر نے بمبئی میں دعوۃ الحق کے ایک جدید مدرسہ تعلیم القرآن کے افتتاح پر بحکم حضرت مرشدنا ہردوئی دامت برکاتہم کی تھی۔ احقر نے عرض کیا تھا کہ حدیث پاک میں وارد ہے:

﴿خَیْرُکُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْاٰنَ وَعَلَّمَہٗ﴾

تم میں بہترین لوگ وہ ہیں جو قرآن پاک سیکھیں اور سکھائیں۔ حاصل یہ کہ قرآن سیکھنے سے خیر نہ ہوگے جب تک سکھاؤ گے بھی نہیں لیکن قرآن کی تعلیم دینے کے لیے ہر شخص کو موقع کہاں نہ ہر شخص کے پاس اتنا وقت ہے، نہ تمام خلق اس میں لگ سکتی ہے۔ پس اس کا طریقہ یہ ہے کہ جو تعلیمِ قرآن دینے والے ہیں ان کے ساتھ تعاون کرنے والا بن جائے، خادمِ معلمینِ قرآن بن جائے اس طرح سے کہ ان کی تنخواہوں کی فکر رکھے، ان کی راحت و فراغت کا خیال رکھے اور تعلیم کے لیے بچوں کو اور ان کے وارثین کو ترغیب دے، قرآن پاک کے مکاتب کی تعمیر میں حصہ لے تو ان شاء اللہ یہ بھی عَلَّمَہٗ میں داخل ہوجائے گا۔

ترمذی شریف کی روایت ہے:

﴿خَیْرُکُمْ مَنْ ذَکَّرَکُمْ بِاللہِ رُؤْیَتُہٗ وَزَادَ فِیْ عِلْمِکُمْ مَنْطِقُہٗ وَرَغَّبَکُمْ فِی الْاٰخِرَۃِ عَمَلُہٗ﴾

پہلی حدیث میں تعلیم و تعلمِ قرآن کی جو خیر مذکور ہے اس کے ساتھ طلباء کرام اور اساتذہ کرام دوسری خیر بھی حاصل کریں کہ ان کو دیکھ کر اللہ یاد آجائے، ان کی وضع قطع سے یہ معلوم ہو کہ یہ اللہ والے لوگ ہیں، ان کی باتوں سے علم میں اضافہ ہو اور ان کے عمل سے آخرت کی رغبت پیدا ہو۔ چنانچہ ہردوئی کے طلباء کرام کی

وضع قطع ایسی ہے کہ دور ہی سے اللہ والے معلوم ہوتے ہیں، لہٰذا ضروری ہے کہ مدارس کے طلباء کو ادعیہ مسنونہ کے بعد دوسری ضروری تعلیمات بھی زبانی یاد کرادیں مثلاً کھانے پینے کی سنتیں اور وضو کی سنتیں وغیرہ اور منوّرات و مظلمات یعنی اخلاق حسنہ و اخلاق رذیلہ وغیرہ اور جلسوں میں مسلمانوں کی جماعت کے سامنے ان سے زبانی کہلایا جائے تاکہ ان کے کلام سے اُمت کے علم میں اضافہ ہو چنانچہ ہردوئی کے طلبائے کرام میں اس کا ماشاء اللہ بہت خوب اہتمام ہے۔

اسی طرح تعدیلِ ارکان سے نماز کی مشق کرائی جائے تاکہ ان کے عمل سے آخرت کی رغبت پیدا ہو چنانچہ ایک اہلِ ثروت نے ہردوئی کے ایک طالبِ علم کو دیکھ کر جس نے ظہر کی چار سنتیں سات منٹ میں ادا کیں بمبئی سے ہردوئی بذریعہ تار اپنے بچوں کے داخلہ کی درخواست کی کیونکہ وقت کم رہ گیا تھا اور مُدّتِ داخلہ اختتام پر تھی۔ انہوں نے کہا کہ جہاں کے بچے ایسی عمدہ نماز پڑھتے ہیں وہاں تربیت دینے والے بڑوں کا کیا مقام ہوگا۔ (خزائنِ شریعت وطریقت، ص:۸۱)

حدیث نمبر ۸۱

﴿اَلْخَلْقُ عَیَالُ اللہِ فَاَحَبُّ الْخَلْقِ اِلَی اللہِ مَنْ اَحْسَنَ اِلٰی عَیَالِہٖ﴾

(مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الادب، باب الشفقۃ و الرحمۃ)

حدیث اَلْخَلْقُ عَیَالُ اللہِ الخ کی ایک جدید اور نادر تشریح

ارشاد فرمایا کہ حدیث میں آیا ہے کہ اَلْخَلْقُ عَیَالُ اللہِ فَاَحَبُّ الْخَلْقِ اِلَی اللہِ مَنْ اَحْسَنَ اِلٰی عَیَالِہٖ مخلوق اللہ کی عیال ہے۔ اور اللہ کے نزدیک سب سے محبوب وہ ہے۔ جو اس کی عیال کے ساتھ بھلائی اور احسان کرتا ہے۔ اور اللہ کی مخلوق میں کسی کو بُری نظر سے دیکھنا یا دل میں اس کے لیے بُرے خیال لانا بتایئے! کیا یہ مخلوق کے ساتھ احسان ہے؟ اگر کسی کے اہل وعیال کو کوئی بُری نظر سے دیکھے تو کیا اس کو اچھا لگتا ہے یا اگر اس کا بس چلے تو اس کو کچا چبا جائے گا۔

میرے ایک دوست نے بتایا کہ ایک شخص میری بیٹی کو جو برقعہ میں تھی بار بار دیکھ رہا تھا تو میرا جی چاہتا تھا کہ اس کو گولی مار دوں۔ اس لیے کہتا ہوں کہ جو کسی کو بُری نظر سے دیکھتا ہے اس فعل پر اللہ کا شدید غضب نازل ہوتا ہے۔ جب ایک باپ اپنی اولاد کو بُری نظر سے دیکھنے والے کو اپنا دوست نہیں بنا سکتا تو اللہ تعالیٰ کو اپنے بندوں سے ماں باپ سے زیادہ تعلق ہے وہ ایسے شخص کو اپنا دوست کیسے بنائیں گے۔ چنانچہ جس لمحہ، جس سیکنڈ، جس ساعت میں بدنظری ہوتی ہے اسی لمحہ اور اسی سیکنڈ میں دل معذب ہو جاتا ہے۔ بدنظری کا نقطۂ آغاز اللہ تعالیٰ کے عذاب کا نقطۂ آغاز ہے۔ کیونکہ جیسے ہی نظر ناپاک ہوتی ہے

ویسے ہی دل پلید ہوجاتا ہےاور مقامِ لید پر خیال پہنچ جاتا ہے، پھراس کواللہ کے قرب کی عید کیسے مل سکتی ہے اوراگرتوبہ نہیں کرے گا تو ساری زندگی مُعذّب رہے گا۔اسی لیے حکیم الامت مجدد الملت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نےفرمایا کہ عشقِ مجازی عذابِ الٰہی ہے۔وہ انتہائی ظالم گدھااور بیوقوف ہے، جو غیر اللہ کےنمک پرمرتاہے وہ عذابِ الٰہی خریدتا ہے۔دنیا کی مارکیٹ دوقسم کی ہے۔اسی دنیا کی مارکیٹ میں لوگ مولیٰ کو یاد کرکے، اشکبار آنکھوں سے گناہوں سےتوبہ کرکے ولی اللہ بن رہے ہیں اور جنت خرید رہے ہیں اوراسی دنیامیں بعض لوگ غیر اللہ پرمرکردوزخ خرید رہے ہیں۔یہی دنیاولی اللہ بننے کی مارکیٹ بھی ہےاور دوزخی زندگی خریدنے کی مارکیٹ بھی ہے۔(خزائنِ شریعت وطریقت،ص:۲۸۱)

حدیث نمبر۸۲

﴿اَللّٰھُمَّ اِنِّیۡ اَعُوۡذُبِکَ اَنۡ تَصُدَّ عَنِّیۡ وَجۡھَکَ یَوۡمَ الۡقِیَامَةِ﴾

(المعجم الکبیر للطبرانی)

ذوقِ عاشقانۂ نبوّت صلی اللہ علیہ وسلم

ارشاد فرمایا کہ اگر دوامِ تقویٰ کی نعمت حاصل نہیں ہےتوحسنِ تقریراورحسنِ تحریراورمخلوق کی تعریف سے دھوکا نہ کھاؤ، کسی کی تعریف سے کیوں مست ہوتے ہو۔ یہ دیکھو کہ ہمارا کوئی لمحہ ایسا تو نہیں ہے جواللہ کی ناراضگی میں گذرتا ہو۔اسی غم میں جیواوراسی غم میں مروکہ قیامت کے دن اللہ ہم سے خوش ہوگا یانہیں۔اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پناہ مانگی ہے:

﴿اَللّٰھُمَّ اِنِّیۡ اَعُوۡذُبِکَ اَنۡ تَصُدَّ عَنِّیۡ وَجۡھَکَ یَوۡمَ الۡقِیَامَةِ﴾

اے اللہ!میں پناہ چاہتاہوں اس بات سے کہ قیامت کے دن جب میں آپ کے سامنے کھڑا ہوں تو آپ اپنا چہرہ مجھ سے پھیرلیں۔ یہ دعا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جانِ پاکِ نبوی کے ذوقِ عاشقانہ کی غمّاز ہے۔ اگرکسی کے ماں باپ بیٹے کو دیکھ کراپنا منہ پھیرلیں تو اس بیٹے کو جو اپنے ماں باپ کا عاشق ہے کس قدرغم ہوگا۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خوف وغم ہونا ذوقِ عاشقانۂ نبوّت ہے۔

یہ دعا سرورِعالم سیّدالانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے قلبِ مبارک کے خوف کوظاہرکرتی ہے باوجود اس کے کہ حق تعالیٰ کی ناراضگی آپ صلی اللہ علیہ وسلم پرممتنع اورمحال ہے جیسا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی دعا رَبِّ لَا تُخۡزِنِیۡ یَوۡمَ یُبۡعَثُوۡنَ کی تفسیر میں حضرت حکیم الامت مجدد الملت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ فِیۡہِ خَوۡفُ الۡاَنۡبِیَآءِ مَعَ عِصۡمَتِھِمۡ وَ اِمۡتِنَاعِ الۡکُفۡرِ عَلَیۡھِمۡ فَکَیۡفَ یَصِحُّ لِغَیۡرِھِمۡ اَنۡ یَّغۡتَرَّ بِصَلَاحِہٖ اس دعامیں انبیاءعلیہم السلام کے خوف کاظہورہے باوجوداس کے کہ انبیاء

معصوم ہوتے ہیں اور کفر اُن پر ممتنع اور محال ہے پھر بھی وہ ڈرتے رہتے ہیں اور یہ دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ کے مقبول بندے جن پر حق تعالیٰ کی جلالت وعظمتِ شان منکشف ہوگئی ان کا یہی حال ہوتا ہے کہ وہ ہر وقت لرزاں وترساں رہتے ہیں۔ پس غیر نبی کے لیے کیسے جائز ہوگا کہ وہ اپنی صالحیّت کے دھوکے میں مبتلا ہو۔ اور دوسرا نکتہ یہ ہے کہ یہ دعا مانگ کر سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُمّت کو تعلیم دے دی کہ حق تعالیٰ کی عظمتِ شان کو پہچانو اور قیامت کے دن اللہ کے چہرہ پھیر لینے یعنی ناراضگی حق سے پناہ مانگو۔ (خزائنِ شریعت وطریقت، ص:۲۸۸)

لفظِ مُبَشِّر کا نزول

ارشاد فرمایا کہ یہ آیت اِنَّا اَرۡسَلۡنٰکَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِيۡرًا پر زندگی میں پہلی بار ذہن منتقل ہوا کہ بشارت دینے کے لیے لفظ مبشر آیا ہے، بَشِيۡرًا بھی نازل ہوا ہے مگر مبشر میں رحمت کا ظہور زیادہ ہے اور قرآنِ پاک میں اگر ایک جگہ بھی کوئی لفظ مستزاد ہے اور دوسری جگہ اس کا متبادل لفظ آئے جو مستزاد نہ ہو تو اس کے معانی مستزاد سے مقید ہو جائیں گے۔ اس لیے جہاں بشیر نازل ہوا ہے وہ معنیٰ میں مبشر کے ہوگا۔ قاعدہ ہے اِنَّ كَثۡرَةَ الۡمُبَانِي تَدُلُّ عَلٰى كَثۡرَةِ الۡمَعَانِيۡ جب بناء میں حروف زیادہ ہوگئے تو معانی کی کثرت ثابت ہو جاتی ہے لہٰذا مبشر کے الفاظ کی بناء میں تعدد فرما کر اللہ تعالیٰ نے رحمت کے ظہور میں تعدد فرمایا کہ ہماری تبشیر انذار سے زیادہ ہے۔ اس لیے مبشر نازل ہوا ہے کہیں مُنَذِّراً نازل نہیں ہوا جو دلیل ہے کہ ہماری رحمت زیادہ ہے ڈرانے سے۔ اس کی مؤید یہ حدیث قدسی بھی ہے:

﴿سَبَقَتۡ رَحۡمَتِيۡ غَضَبِيۡ﴾

(صحیحُ البخاری، کتابُ التوحید، باب قول الله بل هو قرانٌ مجيد، ج:۲، ص:۱۱۲۷)

میری رحمت میرے غضب پر سبقت لے گئی۔ تو لفظ مُبَشِّراً بتاتا ہے کہ ہماری رحمت کی خوشخبری کو انذار پر غالب رکھو۔ اس لیے مبلّغِ دین کو چاہیے کہ رحمت کی خوشخبری کو زیادہ بیان کرے بہ نسبت ڈرانے کے ورنہ بعض لوگ زیادہ ڈرانے سے اعتدال سے نکل گئے اور ذہنی مریض ہوگئے۔ (خزائنِ شریعت وطریقت، ص:۲۸۹)

حدیث نمبر ۸۳

﴿دُعَاءُ الۡمَرِيۡضِ كَدُعَاءِ الۡمَلٰئِكَةِ﴾

(کنزُ العمال، ج:۹، ص:۴۴، دار الکتب العلمیه)

اسلام کی صداقت کی ایک دلیل

ارشاد فرمایا کہ میرے دوستو! اسلام کی صداقت اور اسلام کی عظمت کی ایک دلیل آج بیان کرتا ہوں کہ اسلام سچا مذہب ہے۔ کافر اگر بیمار ہو جائے تو اس کو تو بڈھا ہاؤس میں داخل کر دیتے ہیں

جہاں ان کا کوئی پرسان حال نہیں ہوتا، کوئی عزیز واقارب نہیں ہوتے، بے چارے گھٹ گھٹ کے مرجاتے ہیں۔ بعضوں کو مارفیا کا انجکشن لگا دیتے ہیں، ڈاکٹروں کو کچھ پیسہ دیا کہ بڑے صاحب کو چلتا کرو، خود سے نہیں جاتے تو انہیں چلتا کرو۔ اب اسلام کی سنئے کہ اسلام مریضوں کو کیا کہتا ہے۔ اگر کوئی مریض ہوجائے تو کافر تو اس کو بالکل کنڈم ناقابلِ ریفرینڈم سمجھتا ہے یعنی کچھ نہیں سمجھتا، حقیر سمجھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، حدیثِ قدسی ہے کہ قیامت کے دن میرا سوال ہوگا کہ میں بیمار ہوا تو تم مجھ کو دیکھنے کیوں نہیں آئے؟ بندہ کہے گا کہ اے اللہ آپ تو بیماری سے پاک ہیں تو اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ جب میرے خاص بندے بیمار ہوئے تھے تو تم دیکھنے کیوں نہیں آئے، وہیں میں بھی تم کو مل جاتا۔ اسلام نے یہ عزت مریضوں کو بخشی۔ مریض کو ساری دنیا کے لوگ حقیر سمجھتے ہیں مگر اسلام نے یہ عزت اور شرف بخشا کہ بیمار آدمی کو کوئی حقیر نہ سمجھنے پائے، جو حقیر سمجھے گا وہ احمق ہے کیونکہ اس کے پاس اللہ ملے گا، اللہ نے فرمایا کہ اگر تم اس مریض کو دیکھنے آتے تو وہیں تو میں بھی تھا، میں اپنے خاص بندوں کے پاس ہوتا ہوں اور اپنی نعمت خاص سے ان کو نوازتا ہوں۔

اب سوال یہ ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ بھئی وہاں اللہ کا قرب ملتا ہے چلو وہیں بیٹھ جائیں، رات دن وہیں بیٹھے رہیں، قرب کو چھوڑنا کہاں جائز ہے؟ خوب دیر تک بیٹھو تو اسلام نے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمادیا کہ دیر تک نہ بیٹھو، تھوڑے سے قرب پر راضی رہو، وہ قرب لے کر چلے آؤ، وہ قرب ہمیشہ رہے گا، فنا نہیں ہوگا، اللہ کا قرب فنا نہیں ہوتا۔ اس لیے تھوڑی دیر بیٹھ کر چلے آؤ کیونکہ اس کو اگر پیشاب پاخانہ لگ گیا تو مریض کیا کرے گا؟ تمہاری رعایت سے بے چارہ بیٹھا رہے گا اس لیے اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا حکم ہے، عیادت کی سنت ہے کہ ہلکی پھلکی عیادت کرو، زیادہ دیر مریض کے پاس مت بیٹھو۔ پس اسلام نے مریض کو یہ عزت دی کہ اس کے قرب کو اللہ تعالیٰ نے اپنا قرب بیان کیا کہ میں تمہیں اس مریض کے پاس ملوں گا۔ اب اس کے بعد کوئی مریض کو حقیر سمجھ سکتا ہے؟ جو مریض کو حقیر سمجھے گا تو گویا اللہ کو حقیر سمجھنا لازم آئے گا اس لیے مریض کو محترم سمجھ کر جائے گا اور دعا کرائے گا کیونکہ دوسری حدیث میں ہے:

﴿دُعَاءُ الْمَرِيْضِ كَدُعَاءِ الْمَلٰئِكَةِ﴾

(كنزُ العمال، ج: ۹، ص: ۴۴، دار الكتب العلميه)

مریض کی دعا مثل فرشتوں کی دعا کے ہے۔ مریض کی دعا ایسی ہے گویا فرشتے دعا کررہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے مریض کا رُتبہ مثل فرشتوں کے رکھ دیا، مریض کی عظمت بڑھا دی کہ جاؤ اس سے دعا کراؤ، اس کی دعا مثل فرشتوں کی دعا کے ہے۔ تو میں نے سمجھا کہ آج تائب صاحب کے دعائیہ اشعار سن کر بعض لوگ ترس کھا کر کہیں رات بھر نہ روئیں کہ ارے اختر بیمار پڑ گیا۔ ارے یہ بیماری سب اللہ کی طرف سے ہے، دعا تو

ضرور کرنا چاہیے، دعا پر کوئی اعتراض نہیں مگر مریض کو اللہ کے حکم پر راضی رہنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ جو آپ کا حکم ہے میں اس پر راضی ہوں مگر جلدی سے آزمائش کی گھڑی گذار دیجیے، آزمائش کو لمبی نہ کیجیے کیونکہ ہم ناتواں اور کمزور ہیں، زیادہ لمبی آزمائش کو برداشت نہیں کر سکتے۔ (خزائن شریعت وطریقت، ص:۳۸۴)

حدیث نمبر ۸۴

﴿لاَ یَکُوْنُ لِاَحَدِکُمْ ثَلاَثُ بَنَاتٍ اَوْ ثَلاَ ثُ اَخَوَاتٍ فَیُحْسِنُ اِلَیْھِنَّ اِلاَّ دَخَلَ الْجَنَّۃَ﴾

(سننُ الترمذی، ابوابُ البر والصلۃِ ج:۲، ص:۱۳)

﴿مَنْ کَانَتْ لَہٗ ثَلاَثُ بَنَاتٍ اَوْثَلاَثُ اَخَوَاتٍ اَوْ اِبْنَتَانِ اَوْ اُخْتَانِ فَاَحْسَنَ صُحْبَتَھُنَّ وَاتَّقَی اللہَ فِیْھِنَّ فَلَہُ الْجَنَّۃُ﴾

(سننُ الترمذی، ابوابُ البر والصلۃِ ج:۲، ص:۱۳)

قرآن وحدیث میں بیٹیوں کی فضیلت

ارشاد فرمایا کہ بیٹیاں بہت بڑی نعمت ہیں کیونکہ ان کی پرورش پر جنت کا وعدہ ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: لاَ یَکُوْنُ لِاَحَدِکُمْ ثَلاَثُ بَنَاتٍ اَوْ ثَلاَ ثُ اَخَوَاتٍ فَیُحْسِنُ اِلَیْھِنَّ اِلاَّ دَخَلَ الْجَنَّۃَ کسی کی تین بیٹیاں یا تین بہنیں ہوں پس وہ ان کے ساتھ بھلائی کرے یعنی پرورش کرے، دین سکھائے تو وہ جنت میں داخل ہوگا اور دوسری روایت میں ارشاد ہے مَنْ کَانَتْ لَہٗ ثَلاَثُ بَنَاتٍ اَوْثَلاَثُ اَخَوَاتٍ اَوْ اِبْنَتَانِ اَوْ اُخْتَانِ فَاَحْسَنَ صُحْبَتَھُنَّ وَاتَّقَی اللہَ فِیْھِنَّ فَلَہُ الْجَنَّۃُ جس کے تین بیٹیاں یا تین بہنیں ہوں یا دو بیٹیاں یا دو بہنیں ہوں ان کی اچھی طرح پرورش کرے اور ان کے اداء حقوق کے بارے میں اللہ سے ڈرتا رہے اُس کے لیے جنت واجب ہوگئی اور بعض روایات میں آپ نے تین بیٹیوں اور دو بیٹیوں کی پرورش پر جنت کی بشارت دی تو کسی نے عرض کیا کہ اگر کسی کے ایک ہی لڑکی ہے تو آپ نے اس کو بھی جنت کی بشارت دی۔ اگر یہ نعمت نہ ہوتیں تو ان پر جنت کا وعدہ نہ ہوتا۔ معلوم ہوا کہ یہ سببِ نزولِ رحمت ہیں لٰہذا جس کے گھر بیٹیاں پیدا ہوں وہ خوش ہوجائے، ہرگز دل چھوٹا نہ کرے اور ان کو نعمت سمجھے۔ جن کی وجہ سے جنت مل جائے وہ نعمت نہ ہوں گی؟ پس بیٹی پیدا ہونے کی خبر سن کر جس کے چہرہ پر غم آجائے یہ شعارِ کافرانہ ہے یعنی کافروں جیسا کام ہے کیونکہ کافر بیٹیوں کی خبر سن کر غمگین ہوجاتے تھے اور زمانۂ جاہلیت میں بیٹیوں کو لعنت سمجھتے تھے کہ داماد ڈھونڈنا پڑے گا اور اپنی سبکی سمجھتے تھے۔ اسی لیے زندہ دفن کر دیتے تھے۔ ایسے شقی القلب اور جانور تھے۔ اسی کو اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں فرمایا:

﴿وَاِذَا الْمَوْءٗ دَۃُ سُئِلَتْ ۝ بِاَ یِّ ذَنْبٍ قُتِلَتْ ۝﴾

(سورۃ التکویر، اٰیۃ: ۹-۸)

جب زندہ دفن کی جانے والی سے پوچھا جائے گا کہ تجھے کس جرم میں قتل کیا گیا۔ ان بیٹیوں ہی سے تو انسان پیدا ہوتے ہیں، ان کو حقیر سمجھنا علامتِ کافرانہ اختیار کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿یَھَبُ لِمَنۡ یَّشَآءُ اِنَاثًا وَّیَھَبُ لِمَنۡ یَّشَآءُ الذُّکُوۡرَ﴾

(سورۃُ الشوریٰ، اٰیۃ: ۴۹)

اللہ جس کو چاہتا ہے بیٹیاں عطا فرماتا ہے اور جس کو چاہتا ہے بیٹے عطا فرماتا ہے (ترجمہ از بیان القرآن) اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں بیٹیوں کو مقدم فرمایا جس سے ان کی فضیلت ظاہر ہوتی ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ وہ عورت مبارک ہے جس کے پیٹ سے پہلی مرتبہ بیٹی پیدا ہو۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

﴿اِنَّ مِنۡ یُمۡنِ الۡمَرۡأَۃِ تَبۡکِیۡرَھَا بِالۡاُنۡثٰی قَبۡلَ الذَّکَرِ﴾

(تفسیر قرطبی، ج:۸، ص:۴۸)

اور روح المعانی میں حضرت قتادہ سے مروی ہے:

﴿مِنۡ یُمۡنِ الۡمَرۡأَۃِ تَبۡکِیۡرُھَا بِاُنۡثٰی﴾

(تفسیر روح المعانی، ج:۲۵، ص:۵۴)

لٰہذا بیٹیوں کے پیدا ہونے کی خبر سن کر مسکراؤ اور خوش ہو جاؤ اور سمجھو کہ گھر میں برکت نازل ہوگئی۔ اسلام نے بیٹیوں کو کیا عزت دی ہے اس لیے بیٹیوں کو نعمتِ عظمیٰ سمجھو۔ ان ہی سے تو اولیاء اللہ پیدا ہوتے ہیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم جو دونوں عالم میں اللہ تعالیٰ کے سب سے زیادہ پیارے ہیں اور وجہِ تخلیقِ کائنات ہیں ان کا نسب آپ کی بیٹی سے چلا۔ اگر بیٹیاں مبارک نہ ہوتیں تو اللہ تعالیٰ اپنے سب سے پیارے نبی کا نسب بیٹی سے نہ چلاتا۔ معلوم ہوا کہ بیٹیاں بہت مبارک ہیں، اس لیے ان کو حقیر نہ سمجھو۔ بیٹے تو بیٹیاں لاتے ہیں اور بیٹیاں بیٹے یعنی داماد لاتی ہیں۔ بعض وقت داماد ایسا لائق مل گیا جو بیٹوں سے بھی زیادہ خدمت گذار نکلا۔ البتہ اللہ تعالیٰ سے بیٹے کے لیے دعا مانگنے میں کوئی حرج نہیں۔ اس نیت سے بیٹا مانگو کہ اسے عالم اور حافظ بناؤں گا تاکہ وہ اللہ والا بن جائے، دین کا کام کرے اور ہمارے دینی اداروں کو چلائے اور ہمارے لیے صدقہ جاریہ ہو۔ (خزائنِ شریعت وطریقت، ص:۴۲۳)

حدیث نمبر ۸۵

﴿اَللّٰھُمَّ اجۡعَلۡنِیۡ صَبُوۡرًا وَّاجۡعَلۡنِیۡ شُکُوۡرًا وَّ اجۡعَلۡنِیۡ فِیۡ عَیۡنِیۡ صَغِیۡرًا وَّ فِیۡ اَعۡیُنِ النَّاسِ کَبِیۡرًا﴾

(کنز العمال، رقم الحدیث: ۳۶۷۵)

شرح حدیث اللّٰھم اجعلنی صبورا...... الخ

اے اللہ! مجھے صبر عطا فرما کہ ہم نیک اعمال پر قائم رہیں اور مصیبت میں آپ پر اعتراض نہ کریں

کہ کیوں ہم کو یہ مصیبت ملی۔ مصیبت سے اللہ تعالیٰ اپنے خاص بندوں کا درجہ بلند کرتا ہے، گناہوں سے پاک صاف کرتا ہے۔ ماں میل کچیل چھڑاتی ہے تو بچہ چلاتا ہے مگر بعد میں چمک جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ بعض بندوں کو مصیبت دے کر ان کی خطائیں معاف کرتے ہیں اور صبر کی برکت سے نسبت مع اللہ کا اعلیٰ مقام دے دیتے ہیں اور الصبر عن المعصیۃ بھی دیجئے کہ نافرمانی کے تقاضوں کے وقت ہم صابر رہیں اور نہ فرمانی نہ کریں اور نافرمانی سے بچنے کا غم اُٹھالیں اس کا نام الصبر عن المعصیۃ ہے۔ اس دعا میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے صبر کی اقسامِ ثلثہ مانگی ہیں یعنی:

۱۔ اَلصَّبْرُ عَلَى الطَّاعَةِ یعنی نیک اعمال پر قائم رہنا اور

۲۔ اَلصَّبْرُ فِی الْمُصِیْبَةِ مصیبت میں صابر رہنا اور

۳۔ اَلصَّبْرُ عَنِ الْمَعْصِیَةِ گناہوں سے بچنے کی تکلیف اُٹھانا

حقیقی شکر کیا ہے؟

آگے حضور صلی اللہ علیہ وسلم دعا مانگتے ہیں وَاجْعَلْنِیْ شَكُوْرًا اور ہمیں شکرِ نعمت کی توفیق دیجئے اور اس کی حقیقت تقویٰ ہے کہ ہم گناہ نہ کریں۔ اصل شکر گذار بندہ وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کو ناراض نہیں کرتا۔ اس کی دلیل سن لو میں تصوف بلا دلیل پیش نہیں کرتا۔ لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ اے صحابہ اللہ تعالیٰ نے جنگ بدر میں تمہاری مدد کی ہے وَاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ اور تم سخت کمزور تھے فاتقوا اللہ پس تم تقویٰ سے رہا کرو اور ہم کو ناراض مت کرو لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ تاکہ تم حقیقی شکر گذار بن جاؤ۔ یہ تھوڑی ہے کہ منتخب بوٹی کھا کر کہہ دیا کہ یا اللہ تیرا شکر ہے اور گناہ سے باز نہ آئے اس طرح شکر کا حق ادا نہیں ہوا۔ زبان سے شکر کی سنت تو ادا ہوئی لیکن جب گناہ سے بچو، نظر بچاؤ عیناً، قلباً وقالباً حسینوں نمکینوں سے دور رہو تب سمجھ لو اب شکر حقیقی نصیب ہوا۔ تو وَاجْعَلْنِیْ شَكُوْرًا کے معنی کیا ہے اَیْ وَاجْعَلْنِیْ مِنَ الْمُتَّقِیْنَ یہ ترجمہ حکیم الامت کا ہے کہ مجھے متقی بنا دیجئے۔ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ تاکہ تم شکر گذار ہو جاؤ، نافرمانی کرنے والا حقیقی شکر گذار نہیں ہے۔ اس کے بعد سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے سکھایا:

﴿اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِیْ فِیْ عَیْنِیْ صَغِیْرًا وَّ فِیْ اَعْیُنِ النَّاسِ كَبِیْرًا﴾

اے اللہ! میری نظر میں آپ مجھ کو چھوٹا دکھایئے اور مخلوق کی نظر میں آپ مجھ کو بڑا دکھایئے میری نظر میں مجھ کو صغیر رکھئے لیکن بندوں کی نظر میں کبیر کر دیجئے تاکہ ہم جب کوئی دین کی بات پیش کریں تو وہ سر آنکھوں پر قبول کر لیں۔ اس لیے دین کے خادموں کو یہ دعا ضرور مانگنی چاہیے کیونکہ اُمت میں اگر ان کی عزت وقدر و منزلت نہیں ہوگی تو پھر ان کی بات کی اہمیت نہیں ہوگی لہٰذا جب مخلوق تعریف کرے تو شکر کرو کہ اللہ تعالیٰ نے

یہ دعا قبول فرمالی کی مخلوق میں ہمیں بڑا دِکھا رہا ہے لیکن اپنے کو بڑا سمجھنا حرام ہے۔ اس لیے روزانہ اللہ تعالیٰ سے کہو کہ اے اللہ! میں ساری دنیا کے مسلمانوں سے کمتر ہوں فی الحال اور کافروں اور جانوروں سے کمتر ہوں فی المآل کیونکہ ابھی معلوم نہیں کہ خاتمہ کس حال پر ہونا مقدر ہے۔

ہم اپنے کو طُرّم خان نہ سمجھیں، خرم خان تو رہو مگر طرم خان نہ سمجھو۔ فِیْ اَعْیُنِ النَّاسِ کَبِیْرًا مخلوق کی نظر میں ہم کو بڑا دکھا دیجیے لہٰذا جب مخلوق عزت کرے تو شکر ادا کرو کہ یہ دعا قبول ہوگئی۔ تو حسنہ کی چھٹی تفسیر ہے ثناء خلق کہ مخلوق میں تمہاری تعریف و نیک نامی ہو لیکن تم اپنی تعریف نہ کرو نہ اپنے کو بڑا سمجھو۔ یہ ثناء خلق حسنہ کی تفسیر ہے۔ لیکن جو صوفی علم دین نہیں جانتا وہ ایسے موقع پر ڈر جاتا ہے کہ میرا تو سب ضائع ہوگیا۔

حدیث نمبر ۸۶

﴿مَنْ کَظَمَ غَیْظًا وَ ھُوَ یَقْدِرُ عَلٰی اِنْفَاذِہٖ مَلَأَ اللہُ تَعَالٰی قَلْبَہٗ اَمْنًا وَّ اِیْمَانًا﴾

(جامع صغیر، ج: ۲، ص: ۱۷۹)

ترجمہ: جس شخص نے غصہ کو ضبط کرلیا باوجودیکہ وہ غصہ نافذ کرنے پر قدرت رکھتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے قلب کو ایمان اور سکون سے بھر دے گا۔

یعنی جس شخص کو کسی پر غصہ آگیا اور وہ اس پر پورا غصہ جاری کرسکتا ہے، اس کے لیے کوئی مانع نہیں ہے لیکن اللہ کے خوف سے اپنے غصہ کو پی جاتا ہے اور معاف کر دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے دل کو امن و ایمان سے بھر دے گا، امن کے معنی ہیں سکون۔ غصہ ضبط کرنے کا یہ انعام عظیم ہے۔ بزرگوں نے فرمایا کہ جو شخص غصہ کا تلخ گھونٹ پی لیتا ہے یعنی غصہ کو ضبط کرلیتا ہے تو وہ غصہ سب کا سب نور بن جاتا ہے۔

اور ساتھ ساتھ غصہ کی ایک اور تفسیر بیان کی کہ اپنے دین کی حفاظت کے لیے اور دین کے اجراء کے لیے اور اللہ کے لیے جو غصہ آئے وہ مستثنیٰ ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو منکرات اور اللہ کی نافرمانی پر اتنا غصہ آتا تھا کہ آپ کا چہرہ مبارک سرخ ہوجاتا تھا کَاَنَّ الرُّمَّانَ عُصِرَ عَلٰی وَجْھِہٖ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ جیسے کہ آپ کے چہرۂ مبارک پر انار نچوڑ دیا گیا ہو۔ اس لیے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پر غصہ آنا ہی چاہیے۔

ایک حدیث میں ہے کہ جس شخص نے غصہ کو ضبط کرلیا درآنحالیکہ وہ اس کے نافذ کرنے پر قادر تھا تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کو تمام مخلوق کے سامنے بلائیں گے اور اختیار دیں گے کہ جس حور کو چاہے اپنی پسند سے انتخاب کرلے۔ (ابوداؤد، ج:۲، ص:۳۰۳)

غصہ ضبط کرنے کے بارے میں ایک اور حدیث ہے لِیَقُمْ مَنْ کَانَ لَہٗ عَلَی اللہِ تَعَالٰی اَجْرٌ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ وہ شخص کھڑا ہوجائے جس کا میرے اوپر کوئی حق ہو فَلَا یَقُوْمُ اِلَّا

اِنْسَانُ عَفَا پس کوئی شخص کھڑا نہیں ہوگا مگر وہ جس نے دنیا میں کسی کی خطاؤں کو معاف کیا ہوگا۔
(روح المعانی، ج:۴، ص:۵۸)

جنہوں نے یہ دولت کمائی ہوگی اور معاف کرنے والا عمل کیا ہوگا وہ اس دن اللہ تعالیٰ سے اپنا انعام لینے کے لیے کھڑے ہو جائیں گے۔ علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ ایک حدیث نقل فرماتے ہیں کہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

جو شخص یہ بات پسند کرے کہ جنت میں اس کے لیے اونچے محل بنائے جائیں اور اس کے درجات بھی بلند ہو جائیں اس کو چاہیے کہ جو شخص اس پر ظلم کرے اس کو معاف کر دے اور جو اس کو محروم رکھے اس کو عطا کر دے اور جو اس سے قطع رحمی کرے اس کے ساتھ صلہ رحمی کرے۔ (روح المعانی، ج:۴، ص:۵۸)

بعضے خون کے رشتے ایسے ہوتے ہیں کہ ان کے ساتھ لاکھ نیکیاں کرتے رہو وہ کبھی نیکی کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتے۔ ان کے لیے حکم ہے:

﴿صِلْ مَنْ قَطَعَکَ﴾

(جامع صغیر، ج:۲، ص:۴۳)

وہ تو قطع رحمی کریں مگر آپ ان سے جُڑے رہیں اور ان کو معاف کرتے رہیں۔ اس حدیث پاک میں ایسے شخص کے لیے اللہ تعالیٰ نے بزبانِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم یہ وعدہ فرمایا کہ جنت میں اس کا شاندار مکان ہوگا اور اس کے درجات بلند ہوں گے۔ البتہ اگر کسی رشتہ دار سے ناقابلِ برداشت مسلسل اذیت پہنچ رہی ہے جس سے دین یا دنیا کا ضرر ہو تو علماء سے مشورہ کریں۔ اس کے لیے دوسرے احکام ہیں۔ تین حدیثیں غصہ کے بارے میں اور سناتا ہوں۔ پہلی حدیث ہے:

﴿اِنَّ الْغَضَبَ لَیُفْسِدُ الْاِیْمَانَ کَمَا یُفْسِدُ الصِّبْرُ الْعَسَلَ﴾

(مشکوٰۃ المصابیح، ص:۴۳۴)

ترجمہ: غصہ ایمان کو ایسا خراب اور برباد کر دیتا ہے جیسا کہ ایلوا شہد کو خراب کر دیتا ہے۔

ایلوا ایک نہایت کڑوی دوا ہے اگر کوئی دور سے بھی کوٹ رہا ہو تو حلق کڑوا ہو جاتا ہے۔ ایک من شہد میں ذرا سا ڈال دیجیے سارا شہد کڑوا ہو جائے گا۔ اسی طرح غصہ ایمان کی مٹھاس اور حلاوت کو کڑوا کر دیتا ہے یعنی غصہ والے کو اللہ تعالیٰ کی محبت کا مزہ، عبادت کا مزہ، تلاوت کا مزہ نہیں آئے گا کیونکہ غصہ نے اس کے ایمان کے کمال اور نور کو خراب کر دیا۔ دوسری حدیث ہے:

﴿مَنْ کَفَّ غَضَبَہٗ کَفَّ اللہُ عَنْہُ عَذَابَہٗ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ﴾

(مشکوٰۃ المصابیح، ص:۴۳۴)

ترجمہ: جو شخص اپنے غصہ کو روک لے، قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اپنا عذاب اس سے روک لیں گے۔

ظاہر بات ہے کہ غصہ روکنے میں تکلیف ہوتی ہے اور اس نے اللہ کے لیے یہ تکلیف اٹھائی لہٰذا اس مجاہدہ پر اتنا بڑا انعام ہے۔ (علاج الغضب، صفحہ:۲-۸)

حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کُنْتُ اَضْرِبُ غُلَامًا لِیْ میں اپنے ایک مملوک غلام کی پٹائی کر رہا تھا فَسَمِعْتُ مِنْ خَلْفِیْ صَوْتًا میں نے اپنی پیٹھ کے پیچھے سے ایک آواز سنی۔ وہ کیا آواز تھی؟ اِعْلَمْ اَبَا مَسْعُوْدٍ اَللّٰہُ اَقْدِرُ عَلَیْکَ مِنْکَ عَلَیْہِ۔ (صحیح مسلم، ج:۲، ص:۵۱)

یہ کلامِ نبوت کی بلاغت ہے کہ چند ضمیروں میں دوسطر کا مضمون بیان فرمادیا۔ اگر ہم اردو میں اس کا ترجمہ کریں تو ڈیڑھ دوسطر ہو جائے گی۔ فرمایا کہ اے ابا مسعود اللہ تعالیٰ کو تجھ پر زیادہ قدرت ہے اس قدرت سے جو تجھ کو اس غلام پر حاصل ہے جس کو تو پیٹ رہا ہے، فرماتے ہیں فَالْتَفَیْتُ میں نے متوجہ ہو کر دیکھا کہ کہاں سے یہ آواز آئی فَاِذَا ھُوَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وہ تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم تھے، یہ آپ کی آواز تھی ؎

جی اُٹھے مردے تری آواز سے

یہ آوازِ نبوت تھی جس سے صحابہ رضی اللہ عنہم کے دل زندہ ہوتے تھے، امراض کی اصلاح ہو جاتی تھی۔ بس اللہ تعالیٰ نے صحبتِ نبوت کے فیضان کی برکت سے فوراً ہدایت عطا فرمادی۔ اللہ والوں کی صحبت سے قلب میں اعمالِ صالحہ کی ایک زبردست قوت و ہمت اور توفیق پیدا ہو جاتی ہے۔ چالیس چالیس سال سے انسان جس گناہ کو چھوڑنے کی طاقت نہ پاتا ہو اللہ والوں کے پاس چند دن رہ کر کر دیکھے کہ کیا ہوتا ہے۔
(علاج الغضب، ص:۹)

مبارک وہ بندہ ہے، بہت ہی مبارک بندہ ہے وہ جو اللہ والوں سے تعلق کر لے، جو اللہ کے دوستوں سے دوستی کر لے۔ اللہ تعالیٰ جانتے ہیں کہ یہ ہماروں کا ہمارا ہے، یہ ہمارے دوستوں کا دوست ہے۔ لہٰذا اس پر بھی فضل فرمادیتے ہیں اور اس کو بھی اپنا بنا لیتے ہیں اللہ والوں کی صحبت سے تقدیریں بدل جاتی ہیں۔ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

﴿ھُمُ الْجُلَسَآءُ لَا یَشْقٰی جَلِیْسُھُمْ﴾
(صحیح بخاری، ج:۲، ص:۹۴۸)

اللہ تعالیٰ کے مقبول بندوں کے پاس بیٹھنے والا شقی نہیں رہ سکتا۔ اس کی شقاوت کو سعادت سے اللہ تعالیٰ بدل دیتے ہیں۔ یہ لمبی حدیث ہے جس کا ایک جُز یہ ہے کہ اللہ والوں کی مجلس میں ایک شخص غیر مخلص تھا وہ وہاں اللہ کے لیے نہیں بیٹھا تھا کسی ضرورت سے جا رہا تھا کہ وہاں بیٹھ گیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے پوچھا کہ میرے بندے کیا کر رہے تھے؟ اللہ تعالیٰ کو تو سب معلوم ہے لیکن اپنے بندوں پر فخر و مباہات فرمانے کے

لیے پوچھتے ہیں۔ آخری جُز اس لمبی حدیث کا یہ ہے کہ اے فرشتو! گواہ رہنا میں نے ان سب کو بخش دیا۔ فرشتوں نے عرض کیا کہ وہاں ایک بندہ ذکر کے لیے نہیں بیٹھا تھا اِنَّمَا جَآءَ لِحَاجَۃٍ وہ کسی حاجت سے جارہا تھا دیکھا کہ کچھ اللہ والے لوگ بیٹھے ہیں وہ بھی بیٹھ گیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں نے اس کو بھی بخش دیا کیونکہ میں اپنے مقبول بندوں کے پاس بیٹھنے والوں کو محروم نہیں کیا کرتا۔ ھُمُ الْجُلَسَآءُ لاَ یَشْقٰی جَلِیْسُھُمْ اس کی شرح میں علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

﴿اِنَّ جَلِیْسَھُمْ یَنْدَرِجُ مَعَھُمْ فِیْ جَمِیْعِ مَا یَتَفَضَّلُ اللہُ بِہٖ عَلَیْھِمْ﴾

(فتح الباری، ج:۱۱، ص:۲۱۳)

اللہ والوں کے پاس بیٹھنے والوں کو اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ مندرج کر لیتا ہے ان تمام انعامات میں جو اللہ والوں کو عطا کیے جاتے ہیں۔ وجہ کیا ہے؟ آگے مفعول لہ بیان ہو رہا ہے اِکْرَاماً لَھُمْ اللہ تعالیٰ اپنے دوستوں کا اکرام فرماتے ہیں۔

جب اولیاء اللہ کی صحبت کا یہ انعام ہے کہ ان کی صحبت کے فیض سے شقاوت سعادت سے تبدیل ہو جاتی ہے اور قلب میں اعمالِ صالحہ کی زبردست ہمت وتوفیق عطا ہو جاتی ہے تو صحبتِ نبوت کے فیضان کا کیا عالم ہوگا؟ حالتِ ایمان میں جس پر نبوت کی نگاہ پڑگئی وہ صحابی ہوگیا اور دنیا کا بڑے سے بڑا ولی بھی ایک ادنیٰ صحابی کے رتبہ کو نہیں پاسکتا۔ چنانچہ صحبتِ نبوت کے فیضان سے حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ کو فوراً تنبیہ ہوگئی اور عرض کیا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ھُوَ حُرٌّ لِوَجْہِ اللہِ اس غلام کو میں نے اللہ کے لیے آزاد کر دیا اس خطا کی تلافی میں۔ معلوم ہوا کہ خطاؤں کی تلافی بھی ضروری ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

﴿لَوْ لَمْ تَفْعَلْ لَلَفَحَتْکَ النَّارُ اَوْ لَمَسَّتْکَ النَّارُ﴾

(صحیح مسلم، ج:۲، ص:۵۱)

اگر تو ایسا نہ کرتا اور غلام پر یہ رحمت نہ دِکھاتا تو جہنم کی آگ تجھے جھلسا دیتی اور جلا کے خاک کر دیتی۔ یہ کون ہیں؟ صحابی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھنے والے ہیں۔ آج کس ظالم کا منہ ہے جو کہے کہ میں اتنا تہجد پڑھتا ہوں، صوفی ہوں، اتنا ذکر وفکر کرتا ہوں، میرے غصہ پر کوئی پکڑ نہیں ہوگی۔ ذرا سوچیے، یہ بات سوچنے کی ہے یا نہیں کہ اپنی عبادت پر اتنا ناز کہ ہم نے تہجد پڑھی ہے لہٰذا مسلمانوں کو اور بھائیوں کو اور بہنوں کو اور بیویوں کو جس طرح چاہو ستاؤ کوئی قانون نہیں۔ دیکھئے! صحبت یافتۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ کے لیے یہ حکم ہو رہا ہے کہ اگر تم نے رحمت نہ کی تو یاد رکھو قیامت کے دن دوزخ کی آگ تم کو لپیٹ جائے گی۔ اب کس صوفی کا منہ ہے جو یہ کہتا ہے کہ میرا غصہ میرے لیے کچھ مضر نہیں۔

میری تو اتنی عبادت ہے، اتنا وظیفہ پڑھتا ہوں، میرے غصہ پر کوئی پکڑ نہیں ہوگی۔ حضرت ابو مسعود سے زیادہ آپ مقبول ہیں؟ صحابی سے گویا بڑھ گیا یہ صوفی جو ایسی باتیں کرتا ہے، یہ گویا دعویٰ کررہا ہے کہ صحابی سے نعوذ باللہ اس کا درجہ بڑھ گیا۔

میرے دوستو! لوگ کہتے ہیں کہ ہمیں مصلح کی کیا ضرورت ہے؟ دیکھئے صحابی ہیں حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ لیکن مربی و مصلح کی ضرورت پیش آئی کہ نہیں؟ جب حضرت صدیق اکبر کو مربی کی ضرورت تھی جو انبیاء علیہم السلام کے بعد تمام انسانوں میں سب سے زیادہ افضل ہیں تو ہم لوگوں کا کیا منہ ہے کہ ہم اپنے کو تربیت کا محتاج نہ سمجھیں۔

آگ جب لگتی ہے تو پانی ہی سے تو بجھتی ہے۔ یہ حدیثوں کے علاج ہیں کہ جس پر غصہ چڑھے وضو کرلے اور اگر کھڑا ہو تو بیٹھ جائے اور بیٹھا ہو تو لیٹ جائے اس طرح وہ انتقام لینے سے دور ہوتا جارہا ہے کیونکہ مارنے کے لیے کھڑے ہو کر دوڑنا آسان تھا اور اب جب بیٹھ گیا تو انتقام سے ایک درجہ دور ہوگیا۔ اب بیٹھ کر دوبارہ اُٹھنے سے تھوڑی سی تو کاہلی لگے گی اور اگر لیٹ گیا تو انتقام سے تین درجہ نیچے آ گیا۔ کہے گا کہ لیٹ کر بیٹھوں اور بیٹھ کر کھڑا ہوں اور پھر دوڑوں مارنے کے لیے۔ چلو جانے دو۔

(کنز العمال، ج:۳،ص:۸۲۸)

حدیث کی ترتیب دیکھئے کہ کھڑے ہو تو بیٹھ جاؤ، بیٹھے ہو تو لیٹ جاؤ، اس میں حکمتیں پوشیدہ ہیں اور وضو کا بھی حکم فرمادیا تاکہ مزاج ٹھنڈا ہوجائے اور اللہ کے عذاب کو سوچے کہ جتنا غصہ مجھے اس پر آرہا ہے اگر اللہ تعالیٰ مجھ سے ناراض ہوجائیں تو میرا کہاں ٹھکانہ ہے اور جتنی طاقت مجھے اس پر ہے اس سے زیادہ طاقت وقدرت خدا کو مجھ پر ہے، اس وقت خدا کو یاد کرے اگر اس وقت خدا یاد نہیں آتا اور غصہ کی حالت میں خدا کا عذاب، خدا کی پکڑ کسی کو یاد نہیں رہتی اور غصہ والا کہتا بھی یہی ہے کہ صاحب ہمیں تو کچھ یاد نہیں رہتا یہی دلیل ہے کہ اس وقت وہ شیطان کے قبضہ میں چلا گیا چاہے سید صاحب ہوں، مولوی صاحب ہوں، صوفی صاحب ہوں، حالتِ غضب میں سوچے کہ ہم کس کے بندے ہیں؟ اللہ تعالیٰ آسمان سے دیکھ رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے امیدوار تو بنے ہوئے ہیں کہ قیامت کے دن خدا ہمیں اپنی رحمت سے بخش دے لیکن اللہ تعالیٰ کی مخلوق پر رحم کرنا نہیں آرہا ہے، یہاں ہم بالکل بے ہوش ہوجاتے ہیں کہ کوئی ذرا ستا دے تو بغیر انتقام لیے چین نہیں آتا۔ علامہ ابوالقاسم قشیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

﴿اِنَّ الْوَلِیَّ لَا یَکُوْنُ مُنْتَقِمًا وَ الْمُنْتَقِمُ لَا یَکُوْنُ وَلِیًّا﴾

اللہ کا ولی انتقام لینے والا نہیں ہوتا اور انتقام لینے والا اللہ کا ولی نہیں ہوسکتا۔

جو اللہ کے بندوں پر رحم کرنا نہیں جانتا وہ کس منہ سے اللہ کی رحمت کا امیدوار بنتا ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ایک آیت نازل فرمادی کہ اگر تم اپنی مغفرت چاہتے ہو، اگر تم مجھ سے میری رحمت چاہتے ہو تو میرے بندوں کی خطاؤں کو معاف کردو۔

لیکن اگر کسی سے بار بار غلطی ہوجاتی ہے تو مایوس ہرگز نہ ہو۔ اس کا علاج یہ ہے کہ غصہ اُترنے کے بعد فوراً اس کی تلافی کرے۔

حضرت حکیم الامت مجدد الملت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی نے ایک صاحب کو جو غصہ سے بار بار مغلوب ہوجاتے تھے یہ علاج تحریر فرمایا کہ جب غصہ اُتر جائے تو جس پر غصہ کیا ہے مجمع عام میں اس کے سامنے ہاتھ جوڑیئے، اس کے پاؤں پکڑیئے بلکہ اس کے جوتے اپنے سر پر رکھئے، ایک دوبار ایسا کرنے سے ہی نفس کو عقل آجائے گی اور پھر یہ غلطی نہیں کرے گا۔ (علاج الغضب)

حدیث نمبر ۸۷

﴿اَکْمَلُ الْمُؤْمِنِیْنَ اِیْمَانًا اَحْسَنُھُمْ خُلُقًا وَخِیَارُکُمْ خِیَارُکُمْ لِنِسَآءِ ھِمْ﴾

(مشکوٰۃ المصابیح، ص: ۲۸۲)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ کامل الایمان وہ لوگ ہیں جن کے اخلاق اچھے ہیں اور تم میں سب سے بہتر لوگ وہ ہیں جن کے برتاؤ اپنی بیویوں کے ساتھ اچھے ہیں۔ معلوم ہوا کہ اخلاق کا معیار یہ ہے کہ جس کا سلوک اپنی بیوی کے ساتھ اچھا ہو۔

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر روح المعانی (ج:۵،ص:۱۴) میں ایک روایت نقل کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جو شوہر کریم ہوتے ہیں ان پر عورتیں غالب آجاتی ہیں۔ غالب ہونے کے معنی یہ ہیں کہ تیز باتیں کرلیتی ہیں، ناز نخرے دِکھادیتی ہیں کیونکہ ان کو ناز دِکھانے کا بھی حق حاصل ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اے عائشہ! جب تو مجھ سے خوش ہوتی ہے اور جب روٹھی ہوتی ہے تو مجھے پتہ چل جاتا ہے۔ عرض کیا کہ آپ کیسے جان لیتے ہیں؟ فرمایا کہ جب تو مجھ سے خوش رہتی ہے تو کہتی ہے وَ رَبِّ مُحَمَّدٍ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے رب کی قسم اور جب روٹھی ہوتی ہے تو کہتی ہے وَ رَبِّ اِبْرَاھِیْمَ ابراہیم کے رب کی قسم۔ (صحیح بخاری، ج:۲،صفحہ:۷۸۷)

معلوم ہوا کہ عورتوں کو تھوڑا سا روٹھنے کا حق ہے، یہ ان کا ناز ہے لہٰذا اس کی بھی شریعت نے رعایت رکھی ہے۔ دیکھئے حدیث میں فرمایا یَغْلِبْنَ کَرِیْمًا یہ عورتیں غالب آجاتی ہیں کریم شوہر پر وَ یَغْلِبُھُنَّ لَئِیْمٌ اور جو لوگ بد اخلاق ہیں وہ ان پر ڈانٹ ڈپٹ مار پیٹ کر کے غالب آجاتے ہیں۔

بعضے علاقوں کے بارے میں معلوم ہوا کہ پہلی رات عورت کو رعب میں لانے کے لیے بڑی پٹائی کرتے ہیں۔ استغفر اللہ کیا جہالت اور ظلم ہے اللہ تعالیٰ ہم سب کو ہدایت دے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں فَاُحِبُّ اَنْ اَکُوْنَ کَرِیْمًا مَغْلُوْبًا میں محبوب رکھتا ہوں کہ میں کریم رہوں چاہے مغلوب رہو وَ لاَ اُحِبُّ اَنْ اَکُوْنَ لَئِیْمًا غَالِبًا اور میں بداخلاق ہوکر ان پر غلبہ نہیں حاصل کرنا چاہتا۔ اور بخاری کی روایت ہے (ج:۲،ص۷۷۹) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عورت مثل ٹیڑھی پسلی کے ہے۔ دیکھئے ٹیڑھی پسلیاں کام دے رہی ہیں یا نہیں، ان کو سیدھی کرو گے تو ٹوٹ جائیں گی۔ لہٰذا ان کے ساتھ شفقت محبت اور رحمت سے معاملہ کیا جائے تو زندگی جنت کی ہو جاتی ہے۔

حضرت تھانوی فرماتے ہیں کہ ایک عورت نے سالن میں نمک تیز کر دیا تھا اس کے شوہر نے اللہ تعالیٰ سے معاملہ کرلیا کہ اے خدا ہاتھ ہی تو ہے نمک تیز ہو گیا۔ اگر میری بیٹی نمک تیز کر دیتی تو میں یہی چاہتا کہ داماد اس کو معاف کر دے۔ لہٰذا اے خدا میں آپ کی رضا کے لیے اس کو جو میری بیوی ہے لیکن آپ کی بندی بھی ہے، اس کی نسبت آپ کے ساتھ بھی ہے، اس کو معاف کرتا ہوں، حضرت تھانوی فرماتے ہیں کہ بے غیرت ہیں وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کی سفارش وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ کو رد کرتے ہیں۔ ابھی ایک ڈی آئی جی یا کمشنر سفارش لکھ دے کہ اپنی بیوی کا خیال رکھنا۔ تو بتائیے کہ ہم لوگ کتنا خیال کریں گے اور اللہ تعالیٰ سفارش نازل فرما رہے ہیں کہ ان سے بھلائی کے ساتھ پیش آؤ۔ یہاں ہمارا کیا معاملہ ہے اور کیا ہونا چاہیے ہر شخص اپنی حالت پر غور کر لے۔

لہٰذا اس شخص نے دل ہی دل میں اللہ تعالیٰ سے معاملہ کرلیا اور بیوی کو معاف کر دیا اور اس کو کچھ نہیں کہا۔ حضرت تھانوی فرماتے ہیں کہ جب اس کا انتقال ہو گیا تو ایک بزرگ نے اس کو خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ تمہارے ساتھ اللہ نے کیا معاملہ کیا؟ اس نے کہا کہ میاں معاملہ تو بڑا خطرناک تھا۔ بڑے گناہوں کا معاملہ پیش ہو گیا تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میری ایک بندی نے جس دن سالن میں نمک تیز کر دیا تھا اور تم نے میری اس بندی کی خطا معاف کر دی تھی جاؤ اس کے صلہ میں آج تم کو معاف کرتا ہوں۔

حدیث نمبر ۸۸

﴿مَنْ عَشِقَ وَ كَتَمَ وَعَفَّ ثُمَّ مَاتَ فَهُوَ شَهِيْدٌ﴾

(مرقاةُ المفاتيح، كتابُ الجنائز، باب عيادة المريض)

حدیث مَنْ عَشِقَ وَ كَتَمَ......الخ کی تشریح

اچانک نظر پڑنے سے اگر کسی سے دل لگ گیا تو اس پر صبر کرو، اس پر بھی ظاہر نہ کرو کہ ایک نظر تم

پر پڑی تھی اس وقت سے تمہارے لیے دل بے چین ہے۔ عشقِ حرام کا اظہار بھی حرام ہے۔ حدیث شریف میں ہے اور یہ حدیث حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے التشرف فی احادیث التصوف میں بھی لکھی ہے کہ مَنْ عَشِقَ جو کسی پر عاشق ہوگیا، ایک ہی نظر میں گھائل ہوگیا اور قصداً دیکھا بھی نہیں، کہیں جاتے ہوئے نظر پڑ گئی، نظر ڈالی نہیں پڑ گئی مگر ایک ہی نظر میں اسے عشق ہوگیا لیکن وَ کَتَمَ اس نے اپنے عشق کو چھپایا، نہ خط لکھا، نہ اس کا ہاتھ پکڑا، نہ اس کی گلی میں گیا، نہ آنکھوں سے دوبارہ دیکھا، نہ کانوں سے اس کی بات سنی، نہ اس کی گلیوں کا چکر لگایا کیونکہ جانتا تھا کہ یہ وہ لعنتی گلیاں ہیں جو اللہ کے عذاب میں مبتلا ہیں، جو ان گلیوں میں گیا اس کو ساری زندگی سر دُھننا پڑے گا، رونا پڑے گا، عذابِ الٰہی میں مبتلا ہونا پڑے گا۔ یہ گلیاں تو اس قابل بھی نہیں کہ ان کا تذکرہ کیا جائے لیکن کر دیتا ہوں تاکہ ان کی حقیقت معلوم رہے ورنہ کبھی دھوکہ لگ جائے گا کہ شاید یہ گلی والے بھی کوئی اونچا مقام رکھتے ہیں، یہ سب نیچا مقام رکھتے ہیں۔ ارے! جو نیچے مقامات کی تلاش میں رہتے ہیں وہ نیچے لوگ ہیں۔

مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک بدعتی سے مناظرہ ہوا۔ بدعتی نے کہا کہ میں نے آپ کو نیچا دِکھا دیا۔ حضرت مفتی صاحب صدر مفتی دیوبند تھے فرمایا، جی ہاں! ہم نے آپ کا نیچا دیکھ لیا۔ اللہ والوں کی حاضر جوابی ملاحظہ کیجئے۔ سارے مجمع میں شور ہوگیا اور وہ بدعتی ایک ہی جملے سے ہار کے بھاگ گیا۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

﴿مَنْ عَشِقَ وَ کَتَمَ وَعَفَّ ثُمَّ مَاتَ فَھُوَ شَھِیْدٌ﴾

(مرقاۃُ المفاتیح، کتابُ الجنائز، باب عیادۃ المریض)

کہ جس کو کسی سے عشق ہوگیا اور اس نے اپنے عشق کو چھپایا وَ عَفَّ اور پاک دامن رہا، نہ جسم سے حرام لذت لی، نہ دل میں اس معشوق کا خیال پکایا ثُمَّ مَاتَ پھر اُسی گھٹن اور مجاہدہ میں مرگیا تو وہ شہید ہے۔

شرحِ حدیث بعنوانِ دِگر

﴿مَنْ عَشِقَ فَکَتَمَ وَ عَفَّ فَمَاتَ فَھُوَ شَھِیْدٌ﴾

(الجامع الصغیر، رقم الحدیث: ۱۳۴۷۳)

حدیث من عشق فکتم کی تشریح

اگر کوئی ایسا عاشق مزاج ہے کہ اس کو کسی کا عشق لگ گیا، التشرف فی احادیث التصوف میں بھی یہ حدیث ہے مَنْ عَشِقَ فَکَتَمَ وَ عَفَّ جو عاشق ہوگیا اور اپنے عشق کو چھپایا، کسی پر ظاہر نہیں کیا، نہ اُس معشوق سے زبان سے کہا، نہ ہاتھ سے اشارہ کیا، نہ اس کو خط لکھا کہ میں آپ کے عشق میں بے چین ہوں، اپنے عشق کو دل میں پوشیدہ رکھا وَ عَفَّ اور پاک دامن رہا، نہ آنکھوں سے اسے دیکھا، نہ پاؤں سے اس

کے پاس چل کر گیا، نہ ہاتھ سے اس کو چھوا، نہ زبان سے اس سے باتیں کیں، نہ کان سے اس کی باتیں سنیں، پوری ہمت سے کام لیا کہ نہ جسم کو اس کے قریب کیا نہ دل میں اس کا خیال پکایا فَمَاتَ پھر اسی گھٹن اور شدت غم سے مر گیا فَھُوَ شَھِیْد تو وہ شہید ہوگا۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کلامِ نبوت ہے۔ لہٰذا جو اس حدیثِ پاک کا مصداق ہوگا وہ یقیناً شہید ہے۔ اس میں کتنی بڑی بشارت ہے ان عاشق مزاجوں کے لیے جو باوجود انتہائی عاشقانہ مزاج کے عفیف اور پاک دامن رہیں۔ مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

اے بسا زندہ شہیدے معتمد

اے لوگو! بہت سے آدمی زندہ ہیں مگر شہید ہیں کیونکہ اپنی خواہشات کا خون کر دیا ہے۔ بہت سے لوگ زندہ ہیں مگر شہید ہیں کیونکہ اللہ کی راہ میں اپنی ناجائز آرزوؤں کا خون پینا سیکھا ہے۔

لہٰذا اللہ تعالیٰ کی محبت میں جو بھی غم آئے اس کو نعمت سمجھو تا کہ قیامت کے دن کہہ سکو کہ ہم آپ کے راستے میں اتنا غم اٹھا کر آئے ہیں اور گناہ کے تقاضوں کو روکنے میں چاہے آدھی جان ہو جاؤ چاہے بے جان ہو جاؤ مگر ہمت سے کام لو۔ ہمتِ مرداں مددِ خدا۔ ہمت سے جو کام لیتا ہے وہ بڑے سے بڑا گناہ چھوڑنے کی طاقت پا جاتا ہے۔ ہمت سے کام لو، بزدلی اور ہیجڑا پن مت دکھاؤ، اللہ کے سامنے لومڑیانہ چالیں مت چلو، اللہ تعالیٰ باخبر ہے۔ اللہ کے لیے گناہوں کے چھوڑنے میں پوری ہمت صرف کر دو۔ ان شاء اللہ تعالیٰ گناہوں کو چھوڑنے میں ایسا مزہ آئے گا جو بادشاہوں کو بھی نصیب نہیں ہوا اور دنیا میں بھی عزت ملے گی لیکن دنیا کی عزت کے لیے گناہوں کو مت چھوڑو، اللہ کی رضا کے لیے چھوڑو، عزت تو خود کُتّی اور خادمہ بن کر آئے گی۔ عزت بھی اللہ والوں کے لیے ہے:

﴿وَ لِلّٰہِ الْعِزَّۃُ وَ لِرَسُوْلِہٖ وَ لِلْمُؤْمِنِیْنَ﴾

(سورۃ المنافقون، آیت: ۸)

مگر عزت کی نیت مت کرو، رب العزت کی نیت کرو کہ عزت کا رب مل جائے، وہ راضی ہو جائے۔

اور غم سے مراد وہ مشقت بھی ہے جو نیک اعمال کرنے میں ہوتی ہے اور یہ بھی غم ہے جیسے نماز پڑھنے کی مشقت، زکوٰۃ دینے کا غم، حج کی مشقت، روزوں کی مشقت۔ (پردیس میں تذکرۂ وطن، ص: ۳۷۵)

حدیث نمبر ۸۹

﴿مَنْ طَوَّلَ شَارِبَہٗ عُوْقِبَ بِأَرْبَعَۃِ اَشْیَآءٍ لَا یَجِدُ شَفَاعَتِیْ وَلَا یَشْرَبُ مِنْ حَوْضِیْ وَیُعَذَّبُ فِیْ قَبْرِہٖ وَ یَبْعَثُ اللّٰہُ اِلَیْہِ الْمُنْکَرَ وَالنَّکِیْرَ فِیْ غَضَبٍ﴾

(اوجز المسالک الی مؤطا مالک، باب ما جآء فی السنۃ فی الفطرۃ، ج: ۱۴، ص: ۲۳۳)

جو بڑی بڑی مونچھیں رکھے گا قیامت کے دن میری شفاعت نہیں پائے گا، نہ ہی اسے میرے

حوضِ کوثر پر آنے دیا جائے گا، قبر میں اس کے پاس منکر نکیر غصہ کی حالت میں بھیجے جائیں گے اور اسے دردناک عذاب دیا جائے گا اور مونچھوں کا حکم یہ ہے کہ اگر بالکل برابر کرلو تو یہ اعلیٰ درجہ ہے اور اگر رکھنی ہی ہے تو کم از کم اوپر والے ہونٹ کا کنارہ کھلا رکھیں تو بھی ان شاء اللہ پاس ہو جائیں گے لیکن اگر مونچھ اتنی بڑھ گئی کہ اوپر والے ہونٹ کا کنارہ ڈھک گیا تو سمجھ لو پھر اسی وعید کا خطرہ ہے جو حدیث میں وارد ہوئی ہے۔ کچھ لوگ ڈاڑھی کا بچہ جو نیچے والے ہونٹ کے نیچے ہے اسے بھی منڈاتے ہیں، یاد رکھیں اس کا رکھنا بھی واجب ہے، یہ ڈاڑھی کا بچہ ہے، اگر تمہارے بچے کو کوئی قتل کردے تو کیا تم خوش ہوگے؟ کتابوں میں لکھا کہ اس کا منڈانا بھی جائز نہیں ہے، رکھنا ضروری ہے تو ڈاڑھی تینوں طرف سے ایک ایک مشت رکھیں یعنی ایک مشت دائیں طرف سے ایک مشت سامنے سے اور ایک مشت بائیں طرف سے پھر ڈاڑھی میں تیل لگا کر کنگھی کرکے دیکھو کہ کتنی خوبصورت لگے گی۔ (اولیاء اللہ کی پہچان، ص:۲۵)

حدیث نمبر ۹۰

﴿اَللّٰھُمَّ بَاعِدْ بَیْنِیْ وَ بَیْنَ خَطَایَایَ کَمَا بَاعَدْتَ بَیْنَ الْمَشْرِقِ وَ الْمَغْرِبِ﴾

(صحیح البخاری، کتاب الاذان، باب ما یقول بعد التکبیر)

اے اللہ! میرے اور میرے گناہوں کے درمیان اتنا فاصلہ کردیجیے جتنا مشرق اور مغرب میں ہے۔

دیکھیے! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کی کیا بلاغت ہے کہ جتنا مشرق میں جاؤ مغرب دور ہوتا جائے گا اور جتنا مغرب میں جاؤ مشرق دور ہوتا جائے گا۔ مشرق اور مغرب کا فاصلہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے کیوں مانگا؟ تاکہ گناہ کرنا محال ہوجائے چونکہ مشرق اور مغرب کا ملنا محال ہے اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی مانگا کہ خطاؤں کو ہمارے لیے محال کردیجیے، ایسا ایمان دے دیجیے کہ جان دینا آسان ہوجائے آپ کو ناراض کرنا ناممکن ہوجائے۔ جب زلیخا نے حضرت یوسف علیہ السلام کو دھمکی دی کہ اگر میرے ساتھ گناہ نہ کروگے تو تمہیں جیل خانہ میں ڈلوادوں گی تو حضرت یوسف علیہ السلام کے مقامِ نبوت نے اعلان کیا:

﴿رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَیَّ مِمَّا یَدْعُوْنَنِیْ اِلَیْهِ﴾

(سورۃ یوسف، آیت:۳۳)

اے میرے رب قید خانہ مجھے زیادہ عزیز ہے اس بات سے کہ میں گناہ کروں۔

تو جب زلیخا نے گناہ کی دعوت دی تو حضرت یوسف علیہ السلام کی جانِ نبوت نے وہاں بیٹھ کر دعا نہیں کی بلکہ وہاں سے فوراً بھاگے۔ اس لیے گناہ سے فوراً بھاگو۔ گناہ سے بھاگنا نبی کی سنت ہے۔ اپنے تقویٰ پر ناز

نہ کرو ورنہ بڑے بڑے متقیوں کا منہ شیطان کالا کر دیتا ہے۔ گناہ سے اتنا دور بھاگ جاؤ کہ اس کے دائرۂ کشش سے نکل جاؤ، پھر اللہ سے رجوع ہو جاؤ۔ توبہ کرو اور مدد مانگو، گناہ کے دائرۂ کشش میں نہ رہو ورنہ گناہ پھر کھینچ لے گا۔ بس گناہ سے توبہ کرو اور گناہوں کو زہرِ قاتل سمجھو، جیسے زہر قتل کر دیتا ہے ویسے ہی گناہ تمہارے ایمان کو قتل کر دے گا۔

گناہ سے بچنے کا سب سے بڑا انعام یہ ہے کہ اللہ اپنا ولی بنالیتا ہے ورنہ ہزاروں تہجد، اشراق، اوّابین نفلوں پر نفلیں، رات بھر تلاوت کا نور ایک گناہ تباہ کر دیتا ہے۔ بس اللہ کو راضی کرو، قیامت کے دن اللہ ہی کام آئے گا، یہ حسین کام نہیں آئیں گے، حسین مرد ہو یا عورت کچھ دن میں ان پر بڑھاپا آئے گا یا نہیں؟ کیا یہ ہمیشہ حسین رہیں گے؟ آج سولہ سال کی جو لڑکی پاگل کر رہی ہے یہ بڈھی ہونے کے بعد ایسے ہی پاگل کرے گی؟ اسی طرح اگر لڑکے کا حسن کسی کو پاگل کر رہا ہے تو جب یہ اسّی برس کا ہو جائے گا، کمر جھک جائے گی، بارہ نمبر کا چشمہ لگ جائے گا تب کیا کرو گے اور کہاں جاؤ گے؟ اللہ سے ڈرو، جہنم کا پیٹ بھرنے کا سامان نہ کرو، جس کو جوانی میں آج پاگل کی طرح دیکھ رہے ہو لیکن اس کے بڑھاپے میں کیا کرتے ہو۔

میر کا معشوق جب بڈھا ہوا
بھاگ نکلے میر بڈھے حسن سے

خدا کے لیے منہ کالا کرنے والے اعمال سے بچو، بہت بچو، بہت بچو۔ ان سے عزت نہیں ملتی، خود معشوق یا معشوقہ کی نظر میں آدمی ذلیل ہو جاتا ہے چاہے کتنی بڑی ڈاڑھی ہو اور سن کی سی بھی اور سفید بھی ہو۔ وہ بھی کہتے ہیں کہ بایزید بسطامی کی شکل میں یہ ننگِ یزید کہاں سے آ گیا۔ گناہوں میں عزت نہیں ہے، ذلت ہی ذلت ہے اور پریشانی ہی پریشانی ہے۔ (پردیس میں تذکرۂ وطن، ص:۱۱۹)

حدیث نمبر۹۱

﴿اَلتَّوَدُّدُ اِلَی النَّاسِ نِصفُ الْعَقلِ﴾

(شعب الایمان للبیہقی، فصل فی فضل العقل)

اَلتَّوَدُّدُ بابِ تفعل ہے، بابِ تفعل میں تکلف کا خاصہ ہے یعنی اگر دل نہ بھی چاہے تب بھی محبت کرو، دل چاہنے پر محبت کرنا کیا کمال ہے، کمال یہ ہے کہ دل نہ چاہے پھر بھی محبت کرو، دوست ہی نہیں دشمن سے بھی بہ تکلف محبت کرو کیونکہ دوست سے محبت کرنا کمال نہیں ہے دشمن سے محبت کرنا کمال ہے کیونکہ اس سے محبت کرنے کو دل نہیں چاہتا اس بہ تکلف محبت کرنے کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ یہ آدھی عقل

ہے یعنی تمام عقل کا اگر آدھا کر دیا جائے تو آدھی عقل اَلتَّوَدُّدُ اِلَی النَّاسِ ہے یعنی لوگوں سے بہ تکلف محبت کرنا۔ باب تفعل اسی لیے استعمال فرمایا کہ بعض لوگوں سے مناسب نہیں ہوتی ان سے محبت سے پیش آنے کو جی نہیں چاہتا مگر ان کو بھی دیکھو تو بہ تکلف کہو کہ آہا السلام علیکم بھائی مزاج اچھے ہیں! تو دد دین تو ہے ہی دنیا کی بھی راحت ہے کیونکہ دل خوش رہتا ہے۔ (پردیس میں تذکرۂ وطن، ص:۱۵۳)

اَلتَّوَدُّدُ بابِ تفعل اس لیے استعمال فرمایا کہ محبت کرنے کو دل نہیں چاہتا پھر بھی اچھے اخلاق سے پیش آتا ہے، مناسبت نہیں ہے وحشت ہوتی ہے، محبت نہیں معلوم ہوتی پھر بھی اللہ کے رسول کا حکم سمجھ کر بہ تکلف محبت سے پیش آتا ہے، ملاقات ہوتی ہے تو خیر و عافیت معلوم کر لیتا ہے۔ اس لیے دل کے غلام نہ بنو اللہ کے غلام بنو۔ بابِ تفعل میں تکلف کا خاصہ ہے یعنی بہ تکلف محبت کرو اگرچہ دل نہیں چاہتا اور اِلَی النَّاسِ میں الف لام استغراق کا ہے کہ ساری دنیا کے انسانوں سے محبت کرو یہاں تک کہ کافر سے بھی محبت کرو عقلاً تو دشمنی رکھو کہ یہ میرے اللہ کا دشمن ہے لیکن اس حیثیت سے کہ اللہ کی مخلوق ہے وہ آئے تو خیر و عافیت پوچھ لو اور اگر تمہارا مہمان ہے تو بادلِ ناخواستہ چائے پانی بھی کر دو تاکہ وہ سمجھے کہ مسلمان ایسے اخلاقِ عالیہ کے ہوتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاقِ عالیہ دیکھو کہ ایک کافر آیا جو اپنی قوم کا سردار تھا، آپ نے اپنی چادر بچھادی کہ بیٹھو۔ چادرِ نبوت پر ایک کافر بیٹھا ہوا ہے لیکن آپ نے اس کی اس لیے عزت کی کہ اگر وہ اسلام لے آیا تو اس کے اسلام لانے سے اس کی قوم کے بہت سے لوگ مسلمان ہو جائیں گے۔ اَنْزِلُوا النَّاسَ بِقَدَرِ مَنَازِلِهِمْ جس مرتبہ کا آدمی آئے چاہے کافر ہی کیوں نہ ہو اس کے ساتھ ویسا ہی معاملہ کرو، بظاہر اکرام کرو لیکن دل میں اس کافر کی عزت نہ ہو، دل میں بغض رکھو، یہ اسلام ہے کہ باوجود دل میں بغض ہونے کے اچھے اخلاق سے پیش آنے کا حکم دے رہا ہے تاکہ اس تو دد کی برکت سے اسلام پھیلے۔

حدیث اَلتَّوَدُّدُ اِلَی النَّاسِ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سی مشکلات حل فرما دیں۔ جس سے دل نہ ملے اس بھی محبت کرنے کو آپ نے آدھی عقل فرمایا۔ معلوم ہوا کہ جو بے وقوف ہے وہ مخلوق سے محبت نہیں کرتا اور اس وجہ سے مخلوق کو قابو میں نہیں رکھتا۔ محبت کرنے والے سے سب لوگ قابو میں آجاتے ہیں۔ اگر دل نہیں بدلے گا تو کم از کم نقصان نہیں پہنچائے گا کیونکہ وہ احسان سے دبا رہے گا، شرم آئے گی کہ لوگ کیا کہیں گے کہ اپنے محسن کے ساتھ بھی بدتمیزی کرتا ہے۔ اس لیے دشمن کے ساتھ بھی محبت کرو۔

(پردیس میں تذکرۂ وطن، ص:۱۵۶)

حدیث نمبر۹۲

﴿اِذَا رُأُوۡ ذُکِرَ اللّٰہُ﴾

(تفسیر روح المعانی، سورۃ یونس، آیت:۳)

اللہ والے وہ ہیں جن کو دیکھ کر اللہ یاد آ جائے۔

حدیث اِذَا رُأُوۡ ذُکِرَ اللّٰہُ کی تشریح

حضرت والا کھانا تناول فرمانے کے بعد ٹہلنے کے لیے مدرسہ کے ہال میں تشریف لائے۔ تھوڑی دیر چہل قدمی فرما کر کرسی پر تشریف فرما ہوئے۔ ایک صاحب کو دیکھ کر مخاطب فرمایا کہ یہ آئسکریم بناتے ہیں، میں ان کی آئسکریم کھا چکا ہوں، ان کو جب دیکھتا ہوں تو آئسکریم یاد آتی ہے تو اللہ والوں کو دیکھ کر اللہ یاد آنے میں کیا اِشکال ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث پر ایمان لانا تو فرض ہے، اِذَا رُأُوۡ ذُکِرَ اللّٰہُ اللہ والے وہ ہیں جن کو دیکھ کر اللہ یاد آ جائے۔ میرے شیخ حضرت پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ ہر چیز اس کے والوں سے ملتی ہے، آلو والے ہیں تو ان سے آلو ملے گا، کباب والے سے کباب ملے گا، امرود والے سے امرود ملے گا، کپڑے والوں سے کپڑا ملے گا اسی طرح اللہ والوں سے اللہ ملے گا۔ اس کی دلیل قرآن شریف میں ہے:

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَ کُوۡنُوۡا مَعَ الصّٰدِقِیۡنَ﴾

(سورۃ التوبۃ، آیت:۱۱۹)

اے ایمان والو! تقویٰ اختیار کر کے گناہ چھوڑ کر تم اللہ کے دوست بن جاؤ لیکن کیسے بنو گے؟ جو میرے دوست ہیں جو تقویٰ میں سچے ہیں ان کے پاس رہ پڑو۔ اللہ تعالیٰ بے مثل ہیں، عظیم الشان ہیں، پاک ہیں لیکن اپنے ناپاک بندوں کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھا رہے ہیں کہ اے ایمان والو! تقویٰ اختیار کرو اور میرے دوست بن جاؤ کیونکہ میرے دوست صرف تقویٰ والے ہیں اِنۡ اَوۡلِیَآءُہٗۤ اِلَّا الۡمُتَّقُوۡنَ۔

(پردیس میں تذکرۂ وطن، ص:۲۴۹)

حدیث نمبر۹۳

﴿اَللّٰھُمَّ اِنِّیۡ اَسۡئَلُکَ شَوۡقاً اِلٰی لِقَائِکَ مِنۡ غَیۡرِ ضَرَّآءٍ مُّضِرَّۃٍ وَ لَا فِتۡنَۃٍ مُّضِلَّۃٍ﴾

(مجمع الزوائد و منبع الفوائد، کتاب الاذکار)

حدیث شوقاً الی لقائک کی شرح

ارشاد فرمایا کہ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ کی محبت کا غم ہمیشہ گرم رہتا ہے اس کے علاوہ دنیا کے سارے ہنگامے ٹھنڈے پڑ جاتے ہیں۔ آج جو بچہ ہے کل دولہا بنا پھر بابا ہو گیا پھر دادا ہو گیا پھر قبر میں لیٹ گیا۔ سب ہنگامے سرد ہو گئے۔

زیں سب ہنگامہ ہا شد کُل ھدَر
باشد ایں ہنگامہ ہر دم گرم تر

بس اللہ تعالیٰ کی محبت کا ہنگامہ ہر دم گرم تر رہتا ہے، باقی سارے ہنگامے فانی ہیں۔شادی بیاہ کی خوشیاں منائی جارہی ہیں، پھر بچوں کی پیدائش پر خوشیاں منائی جارہی ہیں۔آج خوشیاں منائی جارہی ہیں کل کوغمی ہورہی ہے،جن کے ہاتھوں سے آؤ بھگت ہورہی تھی انہی ہاتھوں سے دفن کررہے ہیں،جس بیوی کے لیے ہر وقت بے چین رہتے تھے اس بیوی کے دانت ٹوٹ گئے اور آنکھوں پر بارہ نمبر کا چشمہ لگ گیا،کمر جھک گئی تو ناز کی اُس کمر کی کہاں گئی؟ بس یہی ہے دنیا یہاں کی ہر چیز فانی ہے۔اس لیے دنیا دل لگانے کے قابل نہیں ہے۔ایک وقت ہے کہ بچہ ہوتا ہے، پھر جوان ہوتا ہے پھر بابا بن جاتا ہے پھر دادا بن جاتا ہے اور بعض لوگ پردادا بھی ہوجاتے ہیں لیکن ایک دن اللہ سے ملاقات کرنا ہے اس لیے یہ دعا کیجیے:

﴿اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ شَوْقاً اِلٰی لِقَائِکَ مِنْ غَیْرِ ضَرَّآءٍ مُّضِرَّۃٍ وَ لاَ فِتْنَۃٍ مُّضِلَّۃٍ﴾

یا اللہ میں آپ سے ملاقات کا شوقِ طلب مانگتا ہوں، یہ مطلوبِ نبوت ہے، دنیا والے مرتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ ہائے میرا مکان، ہائے میری کار، ہائے میری شاندار مرسڈیز ہائے یہ کون لے گا؟ یہ کہاں جائے گی اور اللہ والے کس طرح مرتے ہیں شَوْقاً اِلٰی لِقَائِکَ اللہ کی ملاقات کی تڑپ لے کر جاتے ہیں۔مگر وہ طلب ایسی ہے جو مطلوب بشرطِ شئی ہے غَیْرِ ضَرَّاءٍ مُّضِرَّۃٍ اللہ اپنی ملاقات کا شوق دے مگر وہ ایسا ہو جو مضر نہ ہو، ایسا نہ ہو کہ شوق میں ہم بیمار ہوجائیں یا دماغی توازن کھو بیٹھیں۔ایسا شوق ہو جو ہمارے جسم کو نقصان نہ دے وَ لاَ فِتْنَۃٍ مُّضِلَّۃٍ اور دوسروں کو بھی نقصان نہ دے یعنی اس سے کوئی فتنہ گمراہی کا نہ پیدا ہو اور فتنۂ گمراہی کیسے پیدا ہوگا کہ ہائے میرے اللہ ہائے میرے اللہ آپ کہاں ملیں گے اور سب بیوی بچوں اور کاروبار کو چھوڑ کر جنگل کو نکل گئے تو یہ دوسروں کے لیے بھی فتنہ ہے۔یا غلبۂ شوق میں زیادہ آلودۂ شوق ہوکر کوئی بدعت ایجاد کردی جو شریعت میں جائز نہ ہو، اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہ ہو، مثلاً غلبۂ شوق میں گانے بجانے لگے تو ایسا شوق فتنہ بن گیا، گمراہی کا سبب بن گیا۔دیکھیے یہ کلامِ نبوت کا اعجاز ہے کہ شوقِ ملاقاتِ الٰہی کو مقید کردیا کہ ایسا شوق عطا ہو جو ہمارے لیے بھی مضر نہ ہو اور دوسروں کے لیے بھی مضر اور گمراہی کا باعث نہ ہو۔(پردیس میں تذکرۂ وطن، ص:۳٦۴)

حدیث نمبر ۹۴

﴿اَلْمَرْأَۃُ کَالضِّلَعِ اِنْ اَقَمْتَھَا کَسَرْتَھَا وَ اِنِ اسْتَمْتَعْتَ بِھَا اسْتَمْتَعْتَ بِھَا وَ فِیْھَا عِوَجٌ﴾

(صحیحُ البخاری، بابُ المداراۃ مع النسآء، ج:۲)

بیویوں کے ساتھ نرمی کیجیے

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ عورت پسلی کی طرح ٹیڑھی ہے اگر اسے سیدھا کرنے

کی کوشش کی تو ٹوٹ جائے گی اور اگر اس سے ٹیڑھے پن کے ساتھ فائدہ اٹھایا تو فائدہ پہنچائے گی۔ لوگ کہتے ہیں کہ ہم اپنی بیوی کو مار مار کر سیدھی کر دیں گے، جو اپنی بیوی کو مار مار کر سیدھی کرتا ہے اس کو چاہیے کہ پہلے اپنی پسلی سیدھی کرے، اگر لوگ ہسپتال میں جا کر اپنی پسلی سیدھی کرائیں گے تو ٹوٹ جائے گی یا نہیں؟ آج کتنے گھر انہی لڑائیوں کی وجہ سے برباد ہو گئے۔ اسی لیے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اپنی بیوی کے ساتھ اچھے اخلاق سے پیش آؤ، کچھ لوگ دوستوں کے ساتھ تو خوب ہنستے بولتے ہیں مگر جب بیوی کے پاس پہنچتے ہیں تو آنکھیں لال ہوتی ہیں، فرعون بنے ہوتے ہیں جبکہ کچھ لوگ بایزید بسطامی بنے آنکھیں بند کیے تسبیح پڑھتے ہوئے گھر میں داخل ہوتے ہیں، دونوں عمل سنت کے خلاف ہیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ جب سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم گھر میں تشریف لاتے تو مسکراتے ہوئے آتے اور فرماتی ہیں ؎

لَنَا شَمْسٌ وَّ لِلْآفَاقِ شَمْسٌ
وَشَمْسِیْ خَیْرٌ مِّنْ شَمْسِ السَّمَآءِ
فَاِنَّ الشَّمْسَ تَطْلَعُ بَعْدَ فَجْرٍ
وَشَمْسِیْ طَالِعٌ بَعْدَ الْعِشَآءِ

یہ کس کا شعر ہے؟ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیٹی اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ اور ہم سب کی ماں ہیں، یہ اُن کا شعر ہے کہ ایک سورج میرا ہے اور ایک سورج آسمان کا ہے، میرا سورج آسمان کے سورج سے افضل و بہتر ہے یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم، کیونکہ آسمان کا سورج فجر کے بعد نکلتا ہے اور میرا سورج عشاء کی نماز کے بعد طلوع ہوتا ہے۔ (اولیاء اللہ کی پہچان، ص:۲۶)

حدیث نمبر ۹۵

﴿اَلتَّجَافِیْ عَنْ دَارِ الْغُرُوْرِ وَ اِلْاِنَابَةُ اِلٰی دَارِ الْخُلُوْدِ وَ الْاِسْتِعْدَادُ لِلْمَوْتِ قَبْلَ نُزُوْلِهٖ﴾

(مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الرقاق، ص: ۴۴۶، روح المعانی، ج:۸، ص: ۲۲)

شرحِ صدر کی علامات

اللہ جس کی ہدایت کا ارادہ کرتا ہے اور اپنا نور اس کے دل میں ڈالتا ہے تو اس پر تین علامات ظاہر ہو جاتی ہیں نمبر۱:

﴿اَلتَّجَافِیْ عَنْ دَارِ الْغُرُوْرِ﴾

دنیا سے اس کا دل اُچاٹ ہو جاتا ہے، سب حسین مردہ نظر آتے ہیں، کتنی ہی خوبصورت عورتیں سامنے ہوں

سمجھتا ہے کہ سب قبر میں جانے والی ہیں، ساری دنیا اس کو مُردار نظر آتی ہے، دنیا دھوکہ کا گھر ہے، جب قبر میں جنازہ اُترتا ہے تو کسی کی بیوی ساتھ جاتی ہے؟ کاروبار، موٹر، ٹیلی فون کیا قبر کے اندر جاتا ہے؟ اس لیے اس کا دل سمجھ جاتا ہے کہ یہ سب چند روز کے دوست ہیں، زمین کے نیچے میرا اللہ ہی کام آئے گا، اس لیے وہ اللہ کی محبت کو اپنے اوپر بیوی بچوں سے بھی زیادہ غالب رکھتا ہے، کاروبار سے بھی زیادہ غالب رکھتا ہے، موٹر اور کار سے بھی زیادہ غالب رکھتا ہے اور ساری دنیا، ساری کائنات بلکہ سورج اور چاند سے بھی رُوکش ہو جاتا ہے ؎

خدا کی یاد میں بیٹھے جو سب سے بے غرض ہو کر
تو اپنا بوریہ بھی پھر ہمیں تختِ سلیماں تھا

اور ؎

تمنا ہے کہ اب کوئی جگہ ایسی کہیں ہوتی
اکیلے بیٹھے رہتے یاد ان کی دل نشیں ہوتی
ستاروں کو یہ حسرت ہے کہ وہ ہوتے مرے آنسو
تمنا کہکشاں کو ہے کہ میری آستیں ہوتی
دِکھاتے ہم تمہیں اپنے تڑپنے کا مزہ لیکن
جو عالم بے فلک ہوتا جو دنیا بے زمیں ہوتی

جب ہم اللہ کی یاد میں تڑپ کر اوپر جاتے ہیں تو ہم کو آسمان روکتا ہے، نیچے تڑپ کے آتے ہیں تو زمین روکتی ہے، ایک اللہ والے کا شعر ہے ؎

نہیں کرتے ہیں وعدہ دید کا وہ حشر سے پہلے
دلِ بے تاب کی ضد ہے ابھی ہوتی یہیں ہوتی

اہل اللہ سے بدگمانی کرنے والو سن لو کہ خواجہ صاحب کیا فرماتے ہیں، اس سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ والوں کی زندگی کس طرح گذرتی ہے ؎

پتہ چلتا کہ غم میں زندگی کیوں کر گذرتی ہے
ترے قالب میں کچھ دن کو مری جانِ حزیں ہوتی

کسی اللہ والے کی جان تمہارے جسم میں ڈال دی جائے تب پتہ چلے گا کہ وہ کتنی تلوار کھاتے ہیں، ہر گناہ سے بچتے ہیں، اللہ کے لیے ہر وقت غم اُٹھاتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ وہ شہیدوں کے ساتھ اُٹھائے جائیں گے، جو عورتوں سے نظر بچائے گا، برے برے گندے تقاضوں کا خون کرے گا، بری خواہش پر اللہ

کے حکم کا چاقو چلائے گا وہ قیامت کے دن شہیدوں کے ساتھ اُٹھایا جائے گا، کافر سے لڑکر گردن پر جو تلوار چلتی ہے اس خون کو دنیا دیکھتی ہے لیکن جو اندر ہی اندر تقویٰ کے لیے اپنی بری خواہشات کا خون کر رہے ہیں اس خون کو صرف اللہ دیکھتا ہے۔ دیکھو تفسیر بیان القرآن میں ہے کہ سالکین اور جہادِ اکبر یعنی نفس کا مقابلہ کر کے جو لوگ گناہ چھوڑتے ہیں اللہ ان کو شہیدوں کے ساتھ اُٹھائے گا۔

شرحِ صدر یعنی سینہ کھلنے کی دوسری علامت ہے:

﴿اَلْاِنَابَةُ اِلٰی دَارِ الْخُلُوْدِ﴾

ہندو سادھو بھی اَلتَّجَافِیْ عَنْ دَارِ الْغُرُوْرِ پر عمل کر لیتا ہے مگر آخرت کی طرف وہ متوجہ نہیں ہوتا اس لیے دوسری شرط لگا دی وَالْاِنَابَةُ اِلٰی دَارِ الْخُلُوْدِ اس کو ہر وقت آخرت کی یاد رہتی ہے جیسے اگر مچھلی پانی سے نکالی جائے تو اسے ہر وقت پانی ہی کی یاد رہتی ہے ایسے ہی اُنہیں بھی ہر وقت آخرت کی یاد رہتی ہے اور شرحِ صدر کی آخری علامت ہے:

﴿وَ الْاِسْتِعْدَادُ لِلْمَوْتِ قَبْلَ نُزُوْلِهٖ﴾

موت کے آنے سے پہلے قضا نماز، قضا روزے ادا کر لیتے ہیں، زکوٰۃ کا بقایا دے دیتے ہیں، اپنی فائل درست رکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔

نہ جانے بلالے پیا کس گھڑی
تو رہ جائے تکتی کھڑی کی کھڑی

(اولیاء اللہ کی پہچان، ص:۴۲)

حدیث نمبر ۹٦

﴿یَا مَنْ لَّا تَضُرُّہُ الذُّنُوْبُ وَلَا تَنْقُصُهُ الْمَغْفِرَةُ فَاغْفِرْلِیْ مَالَا یَضُرُّکَ وَھَبْ لِیْ مَا یَنْقُصُکَ﴾

(شعبُ الایمان لِلبیھقی)

حدیث یَا مَنْ لَّا تَضُرُّہُ الذُّنُوْبُ الخ کی انوکھی شرح

فرمایا کہ دعا مانگنے کا حکم ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿اُدْعُوْنِیْ اَسْتَجِبْ لَکُمْ﴾

(سورۃُ الغافر، اٰیۃ: ٦٠)

مجھ سے مانگو میں قبول کروں گا اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

﴿مَنْ لَّمْ یَسْئَلِ اللہَ یَغْضَبْ عَلَیْهِ﴾

(سننُ الترمذی، کتابُ الدعوات)

جواللہ سے نہیں مانگتا اللہ اس سے ناراض ہوتا ہے۔ اس لیے خوب مانگو، بغیر مانگے نعمتوں کا انتظار نہ کرو جیسے کوئی کریم کہے کہ میری کھڑکی کو کھٹکھٹاؤ تو میں عطا کروں گا۔ پھر اگر کوئی نہیں کھٹکھٹاتا تو یہ نعمت کی ناقدری ہے اور کریم سے استغناء ہے پھر محروم رہے تو کیا تعجب ہے اور اس اعتبار سے ایک مثال اللہ تعالیٰ نے ابھی دل میں عطا فرمائی کہ جیسے اس زمانہ میں کارڈ ملتا ہے کہ بینک میں ڈالو اور پیسہ لے لو ایسے ہی دعا کا کارڈ ڈالو اور قبولیت کا پیسہ لے لو۔

اور یہ بھی نہ سوچو کہ ہم تو بہت گنہگار ہیں، ہماری دعا کیسے قبول ہوگی۔ بس ایک بار دل سے خوب توبہ کر کے پھر گناہوں کو یاد بھی نہ کرو کہ ہمارا پالا ارحم الراحمین سے ہے، اس کی رحمت سے امید رکھو، گناہوں کو اور گناہوں کی تباہ کاریوں کو یاد نہ کرو کہ ؎

مصر بودیم و یکے دیوار ماند

ہم دین کا ایک شہر تھے، گناہوں سے ہم نے پورے شہر کو تباہ کرلیا، اب ہم صرف ایک دیوار رہ گئے۔ اے اللہ اگر یہ دیوار بھی گر گئی تو ہمارا کوئی ٹھکانہ نہ ہوگا لیکن میں کہتا ہوں کہ اگر شیطان وہ دیوار بھی گرا دے تو اے اللہ آپ دوبارہ شہر آباد کر سکتے ہیں۔ شیطان کی منتہائے تخریب کو آپ اپنے ارادۂ تعمیر کے نقطۂ آغاز سے درست فرما سکتے ہیں لہٰذا مایوس نہ ہو، اُن کی چوکھٹ باقی ہے ہماری پیشانی باقی ہے، ان کا در باقی ہے ہمارا سر باقی ہے ؎

بڑھ کے مقدر آزما سر بھی ہے سنگِ در بھی ہے

اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

﴿یَا مَنْ لَّا تَضُرُّہُ الذُّنُوْبُ وَلَا تَنْقُصُہُ الْمَغْفِرَۃُ فَاغْفِرْلِیْ مَالَا یَضُرُّکَ وَھَبْ لِیْ مَا یَنْقُصُکَ﴾

پکارنے کا کیا پیارا انداز ہے اور پکارنے والا بھی کیسا پیارا ہے اور جس کو پکارا جارہا ہے وہ بھی کیسا پیارا ہے کہ پیاروں کا پیارا ہے۔ اے وہ ذات جو اپنی ذات وصفات میں غیر محدود ہے، اس لیے ہمارے گناہ آپ کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے کیونکہ نقصان ہمیشہ محدود میں ہوتا ہے، غیر محدود میں نقصان نہیں ہوتا اور ہمارے گناہ خواہ کتنی ہی اکثریت میں ہوں محدود ہیں کیونکہ ان پر عدد کا اطلاق ہوسکتا ہے اور جس چیز پر عدد کا اطلاق ہوجائے وہ معدود ہے اور ہر معدود محدود ہے اور غیر محدود معدود نہیں ہوسکتا، کیونکہ اس پر عدد کا اطلاق اور فٹنگ نہیں ہوسکتی۔ پس ہمارے محدود گناہ آپ کی عظمتِ غیر محدود کو کیسے نقصان پہنچا سکتے ہیں کیونکہ ہماری طاقتِ محدود آپ کی طاقتِ غیر محدود تک پہنچ بھی نہیں سکتی جبکہ آپ کی ایک ادنیٰ مخلوق سورج پر اگر ساری دنیا مل کر تھوکے تو تھوک الٹا ان کے منہ پر آئے گا، سورج کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ جب آپ کی مخلوق کا یہ

حال ہے تو آپ کی شان تو فہم وادراک سے بالاتر ہے فَسُبْحَانَ اللّٰہِ وَ تَعَالٰی شَانُہٗ عُلُوًّا کَبِیْرًا اور مضارع استعمال فرمایا کہ حالاً نہ استقبالاً ہمارے گناہ آپ کو مطلق نقصان رساں نہیں ہوسکتے اور الذنوب میں الف لام استغراق کا ہے کہ گناہ کا کوئی فرد اس سے خارج نہیں یعنی گناہ کے جملہ انواع واقسام آپ کو ذرہ برابر نقصان نہیں پہنچا سکتے۔

وَلاَ تَنْقُصُہُ الْمَغْفِرَۃُ اور اے وہ ذات جو ہمارے گناہوں کی محدود اکثریت کو اگر معاف فرمادے تو اس کے غیر محدود خزانۂ مغفرت میں کوئی کمی نہیں آسکتی اور لا داخل ہونا دلیل ہے کہ مغفرت لامحدود ہے، یہاں بھی عدد فٹ نہیں ہوسکتا کیونکہ کمی اور نقصان مستلزم ہے عدد کو اور معدود مستلزم ہے محدود کو جیسے اگر کسی جھیل میں نو کروڑ ٹن پانی ہے اور اس میں سے دس ہزار ٹن پانی نکال لیا تو کہتے ہیں کہ جھیل میں پانی کم ہوگیا۔ تو جس طرح کسی چیز پر عدد کا فٹ ہوجانا دلیل ہے کہ وہ محدود ہے اسی طرح جس چیز پر منفی اور مائنس لگ جائے وہ بھی محدود ہے، غیر محدود پر کمی کا اطلاق نہیں ہوسکتا۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کی صفتِ مغفرت پر نہ عدد فٹ ہوسکتا ہے، نہ منفی اور مائنس اور کمی کا اطلاق ہوسکتا ہے کیونکہ غیر محدود ہے۔ اسی طرح حق تعالیٰ کی جملہ صفات غیر محدود ہیں مثلاً صفتِ رزّاقیت۔ جب بابا آدم علیہ السلام اور مائی حوا علیہا السلام دنیا میں آئے تو روئے زمین پر دو انسان تھے اور ان کے لیے چار روٹیوں کا اللہ تعالیٰ انتظام فرماتے تھے اور آج ارب ہا ارب آدمی ہیں اور سب کو رزق مل رہا ہے اور ہر زمانے میں رزق کی کوئی کمی نہیں ہوئی اس لیے فیملی پلاننگ والے بے وقوف ہیں جو رزق کی کمی کے ڈر سے آبادی کم کرنا چاہتے ہیں اور کہتے ہیں دو بچے سب سے اچھے۔ یہ سب احمق ہیں۔ جب سے دنیا قائم ہے اللہ تعالیٰ سب کو رزق دے رہے ہیں۔ فرماتے ہیں:

﴿وَ فِی السَّمَآءِ رِزْقُکُمْ وَ مَا تُوْعَدُوْنَ﴾

(سورۃُ الذاریات، اٰیۃ: ۲۲)

تمہارا رزق آسمانوں میں ہے۔ تو چونکہ اللہ کی ہر صفت غیر محدود ہے اور ہماری ہر صفت محدود ہے اسی لیے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ سے عرض کرتے ہیں فَاغْفِرْلِیْ مَا لاَ یَضُرُّکَ اے اللہ! ہمارے گناہ اگرچہ کثیر ہیں لیکن محدود ہیں اور آپ کی ذات غیر محدود ہے۔ پس ہمارے گناہوں کی محدود اکثریت آپ کی غیر محدود ذات کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتی لہٰذا ہمارے ان گناہوں کو بخش دیجئے جو آپ کو نقصان پہنچانے کی قدرت نہیں رکھتے وَھَبْ لِیْ مَالاَ یَنْقُصُکَ اور ہمیں اپنی وہ مغفرت بخش دیجئے جو غیر محدود ہے اور ہمارے محدود گناہوں کو بخشنے سے جس میں کوئی کمی نہیں آتی۔

لیکن شیطان گناہوں کو اللہ تعالیٰ کے خزانۂ مغفرت سے بڑا دِکھا کر مایوس کرتا ہے کہ تم تو

گناہوں کی آلودگیوں اور گندگیوں میں مبتلا ہو، تم اللہ کے قرب کی فالودگیوں کو کیسے پاسکتے ہو، تم اللہ کے راستے کے قابل ہی نہیں ہو حالانکہ اللہ تعالیٰ کے غیر محدود راستہ ومنازل ومسالک کے قابل کون ہوسکتا ہے۔ قابل تو وہ ہی ہوسکتا ہے جو غیر محدود ہو اور اللہ کے سوا کوئی غیر محدود نہیں۔ انبیاء بھی محدود ہیں، مخلوق ہیں۔ اسی لیے سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

﴿مَا عَرَفْنَاکَ حَقَّ مَعْرِفَتِکَ وَ مَا عَبَدْنَاکَ حَقَّ عِبَادَتِکَ﴾

(تفسیر ابی سعود)

اے اللہ! ہم آپ کو پہچان نہ سکے، جیسا کہ آپ کو پہچاننے کا حق تھا اور آپ کی عبادت نہ کر سکے جیسا کہ آپ کی عبادت کا حق تھا کیونکہ آپ کا نبی بھی مخلوق ہے اس لیے محدود ہے اور محدود غیر محدود ذات کی معرفت وعبادت کا حق کیسے ادا کرسکتا ہے۔ پس اللہ کے راستہ کے قابل کون ہوسکتا ہے۔ اللہ کا راستہ اللہ تعالیٰ کے کرم اور ان کے جذب سے طے ہوتا ہے۔

یہ کرم ہے اُن کا اخترؔ جو پڑا ہے ان کے در پر
کوئی زخم ہے جگر پر غمِ شام ہے سحر پر
میری زندگی کا منظر ذرا دیکھنا سنبھل کر
مرا غم خوشی سے بہتر مرا خار گل سے خوشتر
مری شب قمر سے انور غمِ دل ہے دل کا رہبر
غمِ رہنما کا منظر
ذرا دیکھنا سنبھل کر

لہٰذا ہرگز مایوس نہ ہوں، یہ راستہ مایوسی کا نہیں ہے، امیدوں کے سینکڑوں آفتاب یہاں روشن ہیں۔ جس دن جذب عطا ہوگا آپ اپنے ارادوں کی پستیوں، ہمتوں کی بربادیوں اور گناہوں کی تباہ کاریوں کو بھول جائیں گے۔ پھر آپ کو خود تعجب ہوگا کہ یہ مجھے کیا ہو رہا ہے کہ دنیا بھر کی دلکشیاں اور رنگینیاں مجھے اپنی طرف نہیں کھینچ پارہی ہیں۔ غیر محدود طاقت کا کھینچا ہوا سارے عالم کی محدود طاقت اور محدود جذب اور محدود دلکشیوں سے کیسے کھنچ سکتا ہے۔ جذب جاذب کے اختیار میں ہے مجذوب کے اختیار میں نہیں ہے، کھینچے ہوئے کے اختیار میں کھنچنا نہیں ہوتا لہٰذا یہ نہ کسی اور طرف کھنچ سکتا ہے اور نہ کسی اور کو اپنی طرف کھینچ سکتا ہے۔ اللہ کا کھینچا ہوا اللہ ہی کا ہو کر رہتا ہے۔ بس کوشش کرو، اللہ کا ہونے کے لیے جان کی بازی لگادو اور رو رو کے اللہ کا جذب مانگو۔

کیسی ہی حالت ہو، اللہ تعالیٰ سے امید لگائے رہو۔ ناامیدی اسی لیے کفر ہے کہ اس شخص نے حق تعالیٰ کی غیر محدود ذات وصفات کو اپنی احمقانہ عقل کے دائرہ میں محدود سمجھ کر عظمت غیر محدود کی ناقدری کی اور حق تعالیٰ کے دائرہ مغفرت کی غیر محدودیت کو اپنے محدود گناہوں کی اکثریت سے چیلنج کیا کہ میرے محدود گناہوں کی اکثریت کو معاف کرنے پر آپ کی مغفرت نعوذ باللہ قاصر ہے حالانکہ ہر محدود اپنی اکثریت کے باوجود غیر محدود کے سامنے اقلیت میں ہوتا ہے اور دنیا کے بین الاقوامی اصولوں کے مطابق بھی کسی اقلیت کو حق نہیں کہ اکثریت کو چیلنج کرے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ناامیدی کو کفر قرار دیا کہ یہ شخص اپنے گناہوں کی محدود اکثریت سے اللہ تعالیٰ کی غیر محدود صفتِ مغفرت کو للکار رہا ہے اور غیر محدود مغفرت کو اپنے محدود گناہوں کے لیے ناکافی سمجھ رہا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ **لَا تَقْنَطُوْا** فرمارہے ہیں اور میرے شیخ شاہ عبدالغنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ ناامیدی کو کفر قرار دینے میں بھی حق تعالیٰ کی انتہائی رحمت پوشیدہ ہے کہ ڈرا دھمکا کر اور دوزخ کا ڈنڈا دکھا کر اپنی رحمت کا امیدوار بنارہے ہیں جیسے بچہ اگر باپ سے ناامید ہوکر بھاگنے لگے تو باپ اس کو پکڑ کر کہتا ہے کہ نالائق کہاں بھاگتا ہے میں تیرا باپ ہوں مجھ سے کیوں ناامید ہوتا ہے۔ اگر ناامید ہوا تو میں ڈنڈے سے تیری پٹائی کروں گا۔ پس حق تعالیٰ فرمارہے ہیں کہ خبردار میری رحمت سے مایوس نہ ہونا ورنہ دوزخ میں ڈال دوں گا۔ بتاؤ کیا یہ رحمت نہیں ہے؟ اگر سزا دینے میں اللہ تعالیٰ کو دلچسپی ہوتی تو ناامیدی کو کفر قرار نہ دیتے بلکہ فرماتے کہ اچھا مرنے دو، مجھے کیا سب کو دوزخ میں ڈال دوں گا لیکن ناامیدی کو کفر قرار دے کر اللہ تعالیٰ نے بندوں کو اپنی رحمتِ بے پایاں سے نوازا ہے۔

(خزائنِ شریعت وطریقت، ص:۲۸۹)

حدیث نمبر ۹۷

﴿**کَلِمَتَانِ حَبِیْبَتَانِ اِلَی الرَّحْمٰنِ خَفِیْفَتَانِ عَلَی اللِّسَانِ ثَقِیْلَتَانِ فِی الْمِیْزَانِ سُبْحَانَ اللہِ وَ بِحَمْدِہٖ سُبْحَانَ اللہِ الْعَظِیْمِ**﴾

(صحیحُ البخاری، کتابُ التوحید، ج:۲، ص:۱۱۲۹)

ترجمہ: دو کلمے اللہ تعالیٰ کو نہایت محبوب ہیں، زبان پر ہلکے ہیں، ترازو میں بھاری ہیں،۔ وہ **سُبْحَانَ اللہِ وَ بِحَمْدِہٖ سُبْحَانَ اللہِ الْعَظِیْمِ** ہیں۔

بخاری شریف کی آخری حدیث کَلِمَتَانِ حَبِیْبَتَانِ......الخ کی انوکھی تشریح

اخلاقِ رذیلہ کی اصلاح، مخلوق میں محبوبیت یعنی ثناءِ خلق اور مخلوق کی نگاہوں میں عظمت یہ تین نعمتیں اس حدیث سے ثابت ہوں گی جو بخاری شریف کی آخری حدیث ہے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

فرماتے ہیں کہ کَلِمَتَانِ حَبِیْبَتَانِ اِلَی الرَّحْمٰنِ دو کلمے اللہ کو بہت محبوب ہیں۔ اس میں ایک اِشکال پیدا ہوتا ہے کہ جب اللہ جیسی عظیم الشان ذات کو محبوب ہیں تو وہ کلمے بہت بھاری ہوں گے، کوئی لمبا چوڑا وظیفہ ہوگا۔ اس لیے آگے فرمایا کہ خَفِیْفَتَانِ عَلَی اللِّسَانِ اللہ کو پیارے تو ہیں مگر یہ نہیں دیکھا کہ سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اللہ کی کس صفت کی طرف نسبت کی ہے؟ صفتِ رحمٰن لائے ہیں یعنی شانِ رحمت کی وجہ سے یہ کلمے محبوب ہیں، شانِ رحمت کا تقاضا یہ ہے کہ پرچہ آسان کردیں لہٰذا یہ کلمے بھاری نہیں زبان پر ہلکے ہیں کیونکہ بوجہ حق تعالیٰ کی رحمت کے یہ کلمے اللہ کے یہاں محبوب ہیں اس لیے خَفِیْفَتَانِ ہیں یعنی ہلکے ہیں، کوئی مضمون ان میں مشکل نہیں۔ لیکن ایک اِشکال پھر پیدا ہوتا ہے جب زبان پر ہلکے ہیں تو قیامت کے دن کہیں ترازو میں بھی ہلکے نہ ہوجائیں تو جواب دے دیا ثَقِیْلَتَانِ فِی الْمِیْزَانِ کہ ترازو میں بہت بھاری ہوں گے۔ دفع دخل مقدر ہر جملہ کے اندر موجود ہے کہ یہ کلمے کیوں محبوب ہیں؟ رحمٰن کا لفظ بتا رہا ہے کہ بوجہ شانِ رحمت کے، اور زبان پر ہلکے کیوں ہیں؟ بتقاضائے شانِ رحمت کے کہ بندوں کو پڑھنے میں مشکل نہ ہو لیکن اِشکال ہوتا تھا کہ جب زبان پر ہلکے ہیں تو میزان میں بھی کہیں ہلکے نہ پڑ جائیں تو ثَقِیْلَتَانِ فِی الْمِیْزَانِ سے اسے دفع کردیا۔

اس کے بعد سُبْحَانَ اللہِ وَ بِحَمْدِہٖ سُبْحَانَ اللہِ الْعَظِیْمِ کا ترجمہ علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ شرح بخاری میں فرماتے ہیں کہ سُبْحَانَ اللہِ کے معنی کیا ہیں؟ اَیْ اُسَبِّحُ اللہَ عَنِ النَّقَائِصِ کُلِّھَا میں اللہ کی پاکی بیان کرتا ہوں تمام نقائص سے، لیکن نقائص سے پاکی بیان کرنا یہ جامع نہیں ہے، صرف مانع ہے اور کلامِ نبوت جامع و مانع ہوتا ہے لہٰذا سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اگلے جملہ سے اس کو جامع فرمادیا وَبِحَمْدِہٖ اَیْ مُشْتَمِلاً بِالْمَحَامِدِ کُلِّھَا میں اس طرح سے اللہ کی پاکی بیان کرتا ہوں کہ تمام خوبیوں کو بھی یہ شامل ہو۔ اگر کوئی بادشاہ کی تعریف اس طرح کرے کہ اس ملک کا بادشاہ کانا نہیں ہے، لنگڑا بھی نہیں ہے، لولا بھی نہیں ہے تو کیا یہ تعریف جامع ہے؟ نقائص سے تو بری کردیا لیکن جب یہ کہو گے کہ دیانت وامانت کے ساتھ حکومت کرنا جانتا ہے، عادل بھی ہے، رحم دل بھی ہے تو یہ تعریف جامع ہوگی۔ پس اللہ تعالیٰ کی تعریف میں خالی سُبْحَانَ اللہِ کافی نہیں جب تک اَلْحَمْدُ لِلہِ بھی نہ کہے یعنی وہ تمام نقائص سے پاک ہے اور تمام تعریفیں اس کے لیے خاص ہیں سُبْحَانَ اللہِ وَبِحَمْدِہٖ کا عربی میں کیا ترجمہ ہوا؟ اَیْ اُسَبِّحُ اللہَ عَنِ النَّقَائِصِ کُلِّھَا مُشْتَمِلاً بِالْمَحَامِدِ کُلِّھَا یہ ترجمہ علامہ ابن حجر عسقلانی نے کیا ہے کہ میں اللہ کی پاکی بیان کرتا ہوں تمام نقائص سے جو مشتمل ہے تمام محامد اور تعریفوں پر اور مولانا رومی سُبْحَانَ اللہِ کے بارے میں حکایۃً عن الحق فرماتے ہیں۔

من نہ گردم پاک از تسبیح شاں
پاک ہم ایشاں شوند و درفشاں

یعنی جب بندہ سبحان اللہ پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں تو پاک ہوں ہی، تمہارے سبحان اللہ کہنے سے میں پاک نہیں ہوتا بلکہ روئے زمین پر جو سبحان اللہ پڑھتے ہیں، میری پاکی بیان کرتے ہیں، میں اپنی پاکی بیان کرنے کے صدقے میں، سبحان اللہ کہنے کے طفیل و برکت سے ان کو ایک انعام دیتا ہوں کہ ان کو پاک کردیتا ہوں۔

مذکورہ حدیث کے متعلق ایک منفرد علمِ عظیم

اس حدیث کے پڑھنے والے کو تین نعمتیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملیں گی۔ تو سنئے سُبْحَانَ اللّٰہِ کہنے سے کیا ملے گا؟ ان شاء اللہ اخلاق کی پاکیزگی عطا ہوگی اور بِحَمْدِہٖ سے کیا ملے گا؟ جو اللہ تعالیٰ کی حمد وتعریف کرتا ہے اللہ مخلوق میں اس کو محمود کرتے ہیں۔ جو حامد ہوتا ہے حق تعالیٰ اس کو دلوں میں محمود کردیتا ہے یعنی مخلوق کی زبان پر اس کی تعریف، اللہ جاری کردیتا ہے۔ لیکن بندہ کو اس طرف توجہ کرنے کی ضرورت نہیں کہ یہ غیر اللہ ہے۔ مخلوق میں محمود اور پیارا ہونے کے لیے اللہ کو نہ چاہو، اللہ کے لیے اللہ کو چاہو، آپ اس کی فکر ہی نہ کریں بس ان کے ہوجاؤ۔

نہیں ہوں کسی کا تو کیوں ہوں کسی کا
انہی کا انہی کا ہوا جا رہا ہوں

اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے کہ ثناءِ خلق کی دولت آپ کو دے دیں اسی لیے اللہ تعالیٰ نے یہ دعا سکھا دی کہ حَسَنَۃً ہم سے مانگو، تمہارے اختیار میں نہیں ہے کہ نیک بیوی تم کو مل جائے، تمہارے اختیار میں نہیں ہے کہ نیک اولاد تم کو مل جائے، تمہارے اختیار میں نہیں ہے کہ مخلوق تمہاری تعریف کرے بلکہ جو اپنے منہ میاں مٹھو بنتا ہے اس کی اور تذلیل ہوتی ہے۔ اللہ سے حَسَنَۃً مانگو، اللہ جب دے گا تب اصلی چیز ملے گی اور غیب سے ملے گی اور بے خطر ہوگی۔ جب اللہ نعمت دیتا ہے تو نعمت کی اور نعمت پانے والے کی حفاظت بھی اپنے ذمہ لے لیتا ہے اور جو اپنی تعریف خود کرتا ہے، بلا مانگے بلا دعا جو کام کرتا ہے وہ کام اچھا نہیں ہوتا۔ تو بحمدہ سے کیا ملے گا؟ آپ محمود ہوجائیں گے۔ چونکہ بِحَمْدِہٖ سے آپ حامد ہوئے اور جب حامد ہوئے تو اللہ تعالیٰ اس حمد کی برکت سے آپ کو محمود کردے گا یعنی ثناءِ خلق کی نعمت سے اور حَسَنَۃ کی دولت سے مالا مال کردے گا۔

اور آگے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے سکھایا کہ پڑھو سُبْحَانَ اللّٰہِ الْعَظِیْمِ اس کا اصطلاحی ترجمہ سن لو اَیْ اُسَبِّحُ اللّٰہَ عَنِ النَّقَائِصِ کُلِّھَا عَلٰی حَسْبِ شَانِ عَظْمَتِہٖ میں اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان

کرتا ہوں تمام نقائص سے اس کی شانِ عظمت کے شایانِ شان۔تو اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے جَزَآءً وِّفَاقًا اللہ تعالیٰ کی جزا موافق عمل ہے یعنی اللہ تعالیٰ عمل کے موافق جزا دیتا ہے۔تو تم جب اللہ کی عظمتِ شان بیان کرو گے تو اللہ تعالیٰ اس کے صدقے میں تمہاری عظمتیں دوسرے بندوں کے دلوں میں ڈال دے گا مگر یہ نیت نہ کرو کہ ہم بندوں کے دلوں میں عظیم ہوجائیں۔اسی لیے سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ دعا سکھائی:

﴿اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنِیْ فِیْ عَیْنِیْ صَغِیْرًا وَّ فِیْ اَعْیُنِ النَّاسِ کَبِیْرًا﴾
(کنزُ العمال)

اے اللہ! مجھے میری نظر میں صغیر فرما مگر بندوں کی نظر میں مجھے حقیر نہ فرما، بندوں کی نظر میں مجھے کبیر کردے کیوں کہ اگر دوسرے حقیر سمجھیں گے تو مجھ سے دین کیسے سیکھیں گے۔معلوم ہوا کہ فِیْ اَعْیُنِ النَّاسِ کَبِیْرًا کی دعا مانگنا تو جائز ہے لیکن عظیم بننے کی نیت کرنا جائز نہیں ہے۔کوئی عمل اس نیت سے نہ کرو کہ ہم مخلوق کی نظر میں کبیر ہوجائیں اور مخلوق ہماری خوب عزت کرے بلکہ ہمیں اللہ مخلوق کی نظر میں بڑا اس لیے دِکھائے تاکہ جب ہم ان کو دین کی بات پیش کریں تو بوجہ عظمت کے ہماری بات ان کو قبول کرنا آسان ہو۔ فِیْ اَعْیُنِ النَّاسِ کَبِیْرًا کی دعا کا مقصد اپنی ذات کے لیے، دنیوی عزت کے لیے بڑائی مانگنا نہیں ہے۔ اگر دنیوی عزت کی نیت ہے تو وہی عمل طلب جاہ اور ریا ہوجائے گا۔نیت پر ہر عمل کا دارومدار ہے۔حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دنیوی عزت وجاہ کی نیت نہیں سکھائی بلکہ یہ سکھایا کہ اے اللہ آپ اپنے بندوں میں مجھے بڑا تو دکھایئے مگر ایک شرط سے کہ جب آپ مجھے لوگوں کی نظر میں بڑا دکھائیں تو میری نظر میں مجھے چھوٹا دکھایئے۔ پہلے آپ مجھے میری نظر میں مٹا دیجئے۔اسی لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے فِیْ عَیْنِیْ صَغِیْرًا مانگا تاکہ اللہ مجھے میری نگاہوں میں حقیر رکھے تاکہ جب اللہ تعالیٰ مجھے فِیْ اَعْیُنِ النَّاسِ کَبِیْرًا بنائیں اور جب لوگوں کی طرف سے مجھے عظمتیں ملیں تو اس کَبِیْرًا کا ضرر مجھے نہ پہنچے۔یہاں فِیْ عَیْنِیْ صَغِیْرًا دافعِ ضرر ہے فِیْ اَعْیُنِ النَّاسِ کَبِیْرًا کا تاکہ جب مخلوق کی نظر میں آپ مجھے بڑا دِکھائیں تو میں اپنی نظر میں پہلے ہی حقیر ہوچکا ہوں کیوں کہ جب اپنی نظر میں حقیر ہوں گا تو مخلوق کی تعریف میں آکر اپنے کو بڑا نہیں سمجھوں گا اور مردود ہونے سے بچ جاؤں گا کیوں کہ شیطان اپنے کو بڑا سمجھنے ہی سے مردود ہوا۔پس اگر آپ نے کبیر بننے کی نیت کرلی تو صغیر بننے کی جو دعا ہے وہ رائیگاں ہوگئی۔آپ تو اس کبیر بننے کے شوق میں خود ہی کبیر ہوگئے اسی لیے پہلا جملہ فِیْ عَیْنِیْ صَغِیْرًا ہے۔معلوم ہوا کہ فِیْ اَعْیُنِ النَّاسِ کَبِیْرًا وہی ہوں گے، جو فِیْ عَیْنِیْ صَغِیْرًا ہوں گے، اپنی نگاہوں میں جب ہم حقیر ہوں گے تب اللہ تعالیٰ اس کی

برکت سے بندوں کی نگاہوں میں ہمیں کبیر کرے گا اگر کبیر بننے کی نیت کر لی کہ نماز اس لیے پڑھو، امامت اس لیے کرو کہ ہماری خوب تعریف ہو، مخلوق ہمارے ہاتھ پاؤں چومے، ہماری خوب عزت ہو تو یہ تو اپنے نفس کے لیے کبیر بننا پہلے ہی ہو گیا اسی لیے تواضع پر رفعت کا ثمرہ جو ہے اس کے بیچ میں لِلّٰہِ لگا ہوا ہے مَنْ تَوَاضَعَ لِلّٰہِ جو اللہ کے لیے تواضع اختیار کرے گا اس کے لیے ہے رَفَعَهُ اللّٰهُ کہ اللہ اس کو بلندی دے گا لیکن جو اس نیت سے تواضع کرے اور سب کی جوتیاں سیدھی کرے تا کہ اللہ تعالیٰ مجھے بلندی دے دے تو اس کو رَفَعَهُ اللّٰهُ نہیں ملے گا کیوں کہ یہ للہ نہیں رہا۔ یہ بیچ میں للہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے داخل فرمایا کہ تواضع اللہ کے لیے ہو، ثمرہ پر نظر نہ ہو کہ اللہ تواضع کے صلہ میں ہمیں بلندی دے دے۔ بلندی کے لیے تواضع نہ کرو اللہ کا حکم سمجھ کر کرو۔ رفعت کی نسبت اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف کی کہ اللہ اس کو بلندی دے گا جو اللہ کے لیے تواضع کرے گا مگر جو رفعت کی نیت سے تواضع کرے گا تو اس کی تواضع قبول ہی نہیں ہوگی کیونکہ یہ تواضع لِلّٰہِ نہیں ہے۔ لام تخصیص کے لیے ہے کہ تواضع اللہ کے لیے خاص کرو، اپنے نفس کو مٹاؤ پھر جو چاہے اللہ دے دے۔ مزدوری کرو لیکن مزدوری کی اُجرت اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دو جو چاہے آپ دے دیں۔ ہم رفعت کی نیت نہیں کرتے۔ آپ کی رضا کی نیت کرتے ہیں۔ ثمرہ تو ملے گا مگر بعض ثمرات ایسے ہیں کہ نیات سے وہ خراب ہو جاتے ہیں یعنی بری نیت سے۔ بعض ثمرات ایسے ہیں کہ اگر ان کی نیت کر لی جائے تو نیت للہ نہیں رہے گی۔ مَنْ تَوَاضَعَ کے بیچ میں للہ اس لیے داخل کیا تا کہ اللہ کی عظمت کے سامنے دب جاؤ، اپنے کو اللہ کے سامنے مٹا دو کہ ہم کچھ نہیں ہیں تو ساری نعمتیں حاصل ہو جائیں گی۔ سبحان اللہ سے تزکیۂ اخلاق نصیب ہوگا۔ بِحَمْدِهٖ سے آپ کو ثناء خلق یعنی حَسَنَة کی تفسیر مل جائے گی اور عظیم کی برکت سے اللہ تعالیٰ آپ کو عظیم فرمائیں گے مگر عظمت کی نیت نہ کرنا اپنے کو مٹا دو۔

میرے شیخ فرماتے تھے کہ حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے پوچھا کہ حضرت تصوف کیا چیز ہے؟ فرمایا کہ آپ جیسے عالم فاضل کو مجھ جیسا طالبِ علم کیا بتا سکتا ہے لیکن جو اپنے بڑوں سے سنا ہے اسی کی تکرار کرتا ہوں کہ تصوف نام ہے اپنے کو مٹا دینے کا۔ اس کو مولانا رومی نے فرمایا کہ دیکھو چاند کا نور ذاتی نہیں ہے، سورج کے نور سے مستنیر ہے یعنی قمر مستنیر اور شمس منیر ہے، چاند مستفید ہے اور سورج مفید ہے لیکن ایسا کب ہوتا ہے؟ جب زمین کا گولہ بیچ سے ہٹ جائے تب چودہ تاریخ کا چاند روشن ہوگا۔ جتنا جتنا زمین کا گولہ آتا ہے چاند اندھیرا ہوتا جاتا ہے ایسے ہی جس کے نفس کا گولہ جتنا اللہ اور دل کے درمیان آتا ہے اتنا ہی نفسانیت اور اخلاقِ رذیلہ سے اس کا دل اندھیرا ہوتا چلا جاتا ہے۔ جس کے دل کے اور اللہ کے درمیان میں پورا نفس آ گیا اس کا دل بالکل اندھیرا ہو گیا اور جس نے نفس کو پورا

مٹا دیا اس کا دل بدرِ منیر کی طرح روشن ہو گیا۔ پھر اس کی تقریر میں بھی نورِ کامل ہو گا اور اس کی تحریر میں بھی نورِ کامل ہو گا اور اس کے لباس میں بھی نورِ کامل ہو گا اور جو شخص جتنا نفس نہیں مٹائے گا اس کے دل کا اتنا حصہ اندھیرا ہو گا مثلاً بارہ آنے مٹایا اور چار آنے نہیں مٹایا تو چار آنے اندھیرا رہے گا اس کی تقریر میں، تحریر میں، قلم میں اور زبان میں۔ بس میں نے اپنے بڑوں سے جو سنا تھا وہ آپ کو سنا دیا اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔

اب دعا کرو کہ جتنے حافظ ہوئے ان کو اللہ تعالیٰ عالم بھی بنا دے اور جتنے عالم ہیں ان کو باعمل بنا دے اور اختر کو، میری اولاد و ذریات کو، میرے احبابِ حاضرین کو، احبابِ غائبین کو، میرے طلباء کرام کو، میرے حُفّاظِ کرام کو، ہمارے علماء کرام کو، ہمارے اساتذہ کرام کو اور حاضرین عوام کو کسی کو بھی محروم نہ فرما، ہم سب کو دنیا و آخرت دونوں جہان دے دے، ہم سب کو اپنا دردِ دل بخش دے، اپنی محبت دے دے۔ اے اللہ! اولیاء اللہ کی نسبت نصیب فرما دے۔ ہم سب کو اپنا مقبول اور اپنا محبوب بنا لے۔

(تقریر ختم قرآن مجید و بخاری شریف، صفحہ: ۲۵۔۳۴)

❁❁❁❁❁

نئے جام و مینا عطا ہو رہے ہیں

جو ہر دم خدا پر فدا ہو رہے ہیں ۔۔۔ وہ فانی بتوں سے جدا ہو رہے ہیں

وہ خمرِ کہن تو قوی تر ہے لیکن ۔۔۔ نئے جام و مینا عطا ہو رہے ہیں

کبھی قلب دے کر کبھی جان دے کر ۔۔۔ رہِ عشق میں باوفا ہو رہے ہیں

خوشی اپنی اُن کی خوشی پر لٹا کر ۔۔۔ ہم اب اہل صدق و صفا ہو رہے ہیں

کبھی پی رہے ہیں لہو آرزو کا ۔۔۔ مٹا کر خودی باخدا ہو رہے ہیں

تجھے ہوں مبارک یہ اشک ندامت ۔۔۔ نئے باب الفت کے وا ہو رہے ہیں

یہ شانِ کرم ہے کہ نالائقوں پر ۔۔۔ کرم ان کے ہر دم عطا ہو رہے ہیں

محبت کی اختؔر کرامت تو دیکھو ۔۔۔ کہ سلطان ہو کر گدا ہو رہے ہیں

﴿شیخ العرب والعجم عارف باللہ حضرت اقدس مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب دامت برکاتہم﴾